سفرنامہ ایران

سید اسعد گیلانی

سفرنامۂ ایران

سیّد اسعد گیلانی

مکتبۂ تعمیرِ انسانیت ○ اُردو بازار، لاہور

ترتیب و تدوین زیر اہتمام : اسلامی اکادمی منصورہ لاہور

کتاب ——— سفرنامۂ ایران
مصنف ——— سیّد اسعد گیلانی
پبلشر ——— مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، اُردو بازار، لاہور
پریس ———
کتابت ——— محمد طیب رضا
ضخامت ——— ۲۷۲ صفحات
قیمت ——— ۲۷/ روپے

ملنے کے پتے :

۱ - ادارہ ترجمان القرآن - ۱۲۶ - انارکلی، لاہور
۲ - اسلامک انٹرنیشنل پبلشرز - اُردو بازار، لاہور
۳ - حافظ رشید احمد انصاری، حافظ بکرز - سول لائن گوجرانوالہ
۴ - پین اسلامک پبلشرز - شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

سفر، علم و معرفت کا ایک دروازہ ہے -

انتساب

— قسم ہے فجر کی،
— اور دس راتوں کی،
— اور جفت کی اور طاق کی،
— اور رات کی، جب کہ وہ رخصت ہو رہی ہو۔
— کیا اس میں کسی صاحبِ عقل کے لیے کوئی قسم ہے؟
— تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے کیا برتاؤ کیا اونچے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ۔
— جن کے مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔
— اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔
— اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔
— یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی۔
— اور ان میں بہت فساد پھیلایا تھا۔
— آخر کار تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔
— حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب گھات لگائے ہوئے ہے۔

الفجر (۱ تا ۱۴)
۸۹

○

معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

○

○

در کلیسا ابنِ مریم را بدار آویختند
مصطفیٰؐ از کعبہ ہجرت کردہ با اُمّ الکتاب
انقلاب،
انقلاب، اے انقلاب

(اقبالؒ)

○

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

عنوانات

○— حرفِ اوّل ۷
○— حرفِ مکرّر ۱۳

احساسات

۱۔ ابتدائیہ ۲۶
۲۔ انتظاریہ ۳۲
۳۔ حرفِ آرزو ۲۵

سفرنامہ

۱۔ آمد آں یارے ۵۰
۲۔ اسلامی انقلاب اور ملوکیت ۵۶
۳۔ اسلامی تحریک کے رُو برُو ۸۲
۴۔ گلستانِ شہدار ۹۳
۵۔ تعمیرِ نو کا جہاد ۹۹
۶۔ شورٰی، عورت اور عدلیہ ۱۱۴
۷۔ جہاد اور میدانِ جنگ ۱۲۵
۸۔ تعلیم اور تعلیم گاہیں ۱۴۸
۹۔ قیدی اور شہدار ۱۵۵
۱۰۔ آں خنک شہرے ۱۶۰
۱۱۔ یومِ آزادی ۱۷۳
۱۲۔ امامِ رضا کا شہر ۱۸۰
۱۳۔ تہران کے گلی کوچے ۱۹۰

شذرات

۱۔ اسلامی نظامِ حیات اور مسلمان ۲۱۱
۲۔ اسلامی نظامِ حیات اور غیر مسلم ۲۱۱
۳۔ اسلام کی تلاش ۲۱۲
۴۔ قومی ریاستیں، فساد کا جوالہ مکھی ۲۱۳
۵۔ فرقے اور مسلمان ۲۱۴
۶۔ اتحاد اور وحدتِ ملتِ اسلامیہ ۲۱۵
۷۔ اتحادِ ملت کا واحد راستہ ۲۱۶
۸۔ انقلاب اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ۲۲۴
۹۔ ایران کا انقلاب اور عالمِ اسلام ۲۲۴
۱۰۔ ایران اور افغانستان ۲۲۶
۱۱۔ امام خمینی کی تصاویر ۲۲۷
۱۲۔ ایران اور مستضعفین ۲۲۸
۱۳۔ ایران، عالمِ اسلام کا سپاہی ۲۲۹
۱۴۔ ایران میں راہِ شہادت کی رونق ۲۳۰
۱۵۔ ایرانی انقلاب میں مساجد کا کردار ۲۳۲
۱۶۔ انقلاب اور اس کے ادارے ۲۳۵
۱۷۔ اسلامی انقلاب کے چند ثمرات ۲۳۶
۱۸۔ ایران میں اسلامی خود شناسی ۲۳۹
۱۹۔ انقلاب ایران کی مخالفت ۲۴۱
۲۰۔ اسلام کی دعوت اور مسلمان معاشرہ ۲۴۲
۲۱۔ اسلامی انقلاب اور سادگی ۲۴۳
۲۲۔ انقلاب ایران اور مولانا مودودیؒ ۲۴۵
۲۳۔ ایران اور بھارت ۲۴۷
۲۴۔ انقلاب ایران اور اہل تشیع ۲۴۹
۲۵۔ ایران اور پاکستان کا ٹیلی ویژن ۲۵۱
۲۶۔ علماء ایران اور علماء پاکستان ۲۵۲
۲۷۔ ایران میں اسلام اور کمیونزم ۲۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

بہت سے مسلمان ممالک میں سے ایران بھی ہمارا ایک برادر مسلم ملک ہے۔ بس اس سے زیادہ دلچسپی مجھے اس سے کبھی نہیں رہی۔ چنانچہ اسے دیکھنے اور سفر کرکے وہاں جانے کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ میں اس کے بارے میں کوئی سفر نامہ لکھتا۔

پھر ایران کی ماقبل اسلام کی تاریخ بھی میرے سامنے تھی جو اسلام کے ایک طالب علم کے لیے کسی درجہ بھی کشش کا باعث نہیں تھی۔ رسول اکرمؐ کے دعوت نامۂ اسلام کے ساتھ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے جو سلوک کیا تھا اس نے میرے دل کے اور اس کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیے تھے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ایران کا ریکارڈ کچھ زیادہ اچھا سامنے نہیں تھا۔ سازشیں، باہمی جنگ وجدل، عیش وعشرت، شعر و شاعری، تصوّف، مجوسی اور یونانی اثرات کے حامل فلسفہ کے عناصر سے بھرپور تاریخ کے مختلف ادوار میرے سامنے تھے جن میں سے کسی عنصر سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پھر صفویوں کے مظالم، قاچاریوں کے جبر وتشدّد اور پہلویوں کی بربریت سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ البتہ مسلمانانِ ایران سے اسلامی ہمدردی ہمیشہ رہی۔ غرض میں نے ایران کے سفر کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا، سفر نامہ تو دُور کی بات ہے۔

پھر یکایک وہاں اسلامی انقلاب کا غلغلہ بلند ہوا اور امام خمینی کی دینی شخصیت اس انقلاب کی رہبری کرتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے انہیں پہلی ہی نظر میں عالمِ اسلام کی ایک منفرد شخصیت اور دینی بنیادوں پر ایک مضبوط اور مستحکم کردار کا حامل رہنما محسوس کیا اور ایران میں ملوکیت کے مقابلے میں مسلمانوں کی قربانیوں کا شاندار ریکارڈ سامنے آیا۔ بس یہیں سے مجھے ایران، اس کی اسلامی اور جمہوری تحریک اور اس کے انقلاب سے دلچسپی پیدا ہوئی اور جب ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو انقلاب رونما ہو گیا تو عالمِ اسلام کی مختلف اسلامی تحریکوں کے مقتدر رہنما مولانا مودودیؒ کے مشورے پر طیارہ چارٹر کر کے تہران پہنچے تاکہ ایران میں اسلامی انقلاب کے بانیوں کو پُرخلوص مبارکباد پیش کریں۔ یہ عالمِ اسلام کی طرف سے ایران کے اسلامی انقلاب کا خیر مقدم کرنے والا پہلا وفد تھا جو خود وہاں پہنچا۔ اس

کے علاوہ عالمِ اسلام کی اسلامی تحریکوں کی طرف سے مبارکباد کے تاروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اب ہمیں ایران جانے اور انقلابِ اسلامی کو دیکھنے اور اس کے کارکنوں سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔

میں پہلی بار فروری ۱۹۸۰ء میں اسلامی انقلاب ایران کی تقریباتِ آزادی میں شرکت کے لیے ایران گیا۔ ایران کی نئی اسلامی حکومت نے اپنا پہلا سالِ آزادی مکمل کرنے کے بعد بیشتر اسلامی تحریکوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کو بھی اس جشنِ آزادی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ یہ تقریباً تین چار سو افراد تھے جن میں راقم الحروف کے علاوہ پاکستان سے میاں طفیل محمد صاحب، مفتی محمود صاحب مرحوم، جناب محمد افضل چیمہ، مولانا خلیل احمد صاحب حامدی، مولانا گلزار احمد مظاہری، جناب شبیر احمد خاں ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان بھی شامل تھے۔ دیگر مختلف ممالک سے بھی کثیر لوگ آئے تھے جن میں تحریکِ اسلامی پاکستان سے وابستہ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے متاثر بیرونِ ملک سے آنے والوں کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ یہ اجلاس ایک اسلامک انٹرنیشنل کی صورت میں منعقد ہوا تھا جس میں سرکاری سے زیادہ نظریاتی رنگ غالب تھا۔ ان پروگراموں میں بیشتر مقامی انقلابی حضرات نے ہی حصہ لیا۔ ہم مہمان زیادہ تر پروگراموں میں مبصرین کی حیثیت سے ہی شریک ہوتے رہے۔ انقلابی حضرات میں زبردست جوش و خروش موجود تھا۔ اس وقت مجھے پہلی بار ایران کے اسلامی انقلاب اور اس کی مختلف النوع سرگرمیوں اور کارکردگیوں کا قریبی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ اس وقت تمام دنیا کے نزدیک یہ ایک اسلامی انقلاب تھا۔ اسلامی دنیا میں اس کی وجہ سے امید و بیم اور مسرت کی پُرجوش لہر دوڑ گئی تھی اور ابھی اس کی مخالفت کا کوئی نمایاں سلسلہ عالمِ اسلام کی طرف سے شروع نہیں ہوا تھا۔ عالمِ اسلام کا کچھ حصہ سخت متحیر تھا اور کچھ بے حد خوش تھا۔

۱۹۸۱ء کی تقریبات ملتوی ہو گئیں اس لیے کہ عراق نے ایران پر حملہ کر دیا تھا۔ تیسرے سال ۱۹۸۲ء کی تقریبات جنگ کے باوجود منعقد ہوئیں اور اس میں شرکت کے لیے بھی ہمارے نام دعوت نامے آئے تھے لیکن حکومتِ پاکستان کی طرف سے این او سی نہ مل سکنے کے سبب ہم میں سے کوئی بھی نہ جا سکا۔ ۱۹۸۳ء میں چوتھے یومِ آزادی پر دوبارہ دعوت نامے آئے۔ میاں طفیل محمد اور مولانا خلیل احمد حامدی صاحبان ملک سے باہر تھے اور میں اپنے بعض دعوتی پروگراموں کے سبب مقررہ تاریخ سے ایک ہفتہ تاخیر سے پہنچ سکا۔ لیکن اب عالمی حالات میں تغیر آ چکا تھا۔

اب اس انقلاب کے بارے میں عالمِ اسلام میں بے شمار غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ عالمِ کفر کا خوفناک نفسیاتی پروپیگنڈہ عالمِ اسلام پر اثر انداز ہو چکا تھا اور عالمِ کفر کے دو بڑے سرغنوں کے کیمپوں سے وابستہ مسلمان ممالک بھی اپنے اپنے

کیمپ کے مسلک کے مطابق اپنا رویہ متعین کر چکے تھے۔ عراق ایران کی جنگ میں بتدریج بیشتر عرب ریاستیں عراق کی پشت پناہ بن کر سامنے آگئی تھیں اور بغیر کسی واضح اعلان کے اس جنگ نے عرب و عجم کی کشمکش کی صورت اختیار کرلی تھی۔ اب پاکستان کی فضا پہلے سال کی مانند نہ غیر جانبدار رہی تھی اور نہ مکمل طور پر انقلاب ایران کے حق میں رہ گئی تھی۔ مختلف النوع فرقہ وارانہ غلط فہمیاں اور سیاسی ناراضگیاں پرورش پاکر سیاسی، فقہی اور فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر چکی تھیں۔ بے شمار لوگوں کی گرمجوشی سرد مہری میں بدل گئی تھی اور اب تنقید و احتساب اور مدافعت و مخالفت کی ملی جلی فضا ہر کہیں بن چکی تھی۔ خود میرے قریبی احباب میں بھی غلط فہمیوں کی بڑی مقدار نفوذ کر چکی تھی۔ اس حالت میں مَیں تنہا سفرِ ایران پر گیا تھا۔

مَیں جب ۱۹۸۰ء میں تہران گیا تھا۔ اُس وقت جس نوعیت کے میرے تاثرات قائم ہوئے تھے، ۸۳ء میں تین سال بعد جانے پر بھی ان تاثرات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ بس اسلامی احکام کا نفاذ، معاشرے میں اسلامی رنگ کا غلبہ، تعمیر و ترقی میں اضافہ اور غرباء کی مدد و بحالی کی صورت ذرا زیادہ قوت سے نمایاں طور پر سامنے آئی۔ گویا اسلامائزیشن اور ڈویلپمنٹ کا کام پہلے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اس لیے میں اس سفر سے کوئی بُرا تاثر لے کر واپس نہیں آیا اور جستجو کے باوجود منفی خیالات کے لیے کوئی بنیاد مجھے فراہم نہ ہو سکی۔

اس دوران میں سُنیوں پر مظالم، قتل و غارت کی زیادتی، مخالفین کی بے دردانہ بیخ کنی، اپنے ہی لوگوں کا استیصال، مولویوں کا غلبہ، شیعہ ازم کی کثرت اور بہتات، فقہ جعفری کا زبردستی نفاذ، تہران میں سُنیوں کی مسجد نہ بننے دینے کی باتیں بھی کثرت سے سُنتا رہا اور نوٹ کرتا رہا۔ مَیں نے اس دَورے میں ان باتوں کی تصدیق کرنے کی بھی کوشش کی اور اپنے محدود دائرے میں جس قدر معلومات مَیں فراہم کر سکا، ان کی روشنی میں مَیں ان باتوں کی تصدیق نہ کر سکا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ ایسی باتیں کرنے والے کی اپروچ انقلابی اور نظریاتی کی بجائے خالص گروہی اور فرقہ وارانہ ہے اور اس اپروچ کو ہی اگر انقلاب کو جانچنے کا معیار تسلیم کر لیا جائے تو پھر آئندہ دنیا میں اسلامی انقلاب کے تخیل پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیئے اس لیے کہ ہر گروہ جو انقلاب لائے گا وہ اس کا فقہی انقلاب ہوگا اور اسلامی انقلاب اب دُنیا میں کبھی نہ آئے گا۔ جس دلیل کی بنا پر یہ شیعہ انقلاب ہے اسی دلیل کی بنا پر کوئی دوسرا انقلاب سُنّی یا وہابی یا اہلحدیث یا مالکی یا شافعی یا حنبلی انقلاب ہوگا اسلامی انقلاب نہ ہوگا۔ مَیں اس اپروچ کو سرے سے غلط سمجھتا ہوں اور اسلامی نظریاتی لوگوں کو اس سوچ سے بالا ہونا چاہیئے۔ عام لوگ جو دینِ اسلام کو فرقوں کی عینک سے ہی دیکھنے کے عادی ہیں۔ وہ البتہ معذور ہیں ان کا معیار فرقہ وارانہ ہی ہوگا۔ انہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ان کی اصلاح کی کوشش ہمارا فرض ہے۔

کیا عالمِ اسلام کے ہم سُنّی ممالک کے لیے یہ بات چیلنج کی حیثیت نہیں رکھتی کہ دُنیا کا واحد شیعہ ملک دین کی بنیاد پر

اپنے تصوّراتِ دینی کے مطابق ایک انقلاب برپا کر چکا ہے لیکن دُنیا کے چالیس سُنّی ممالک میں سے کسی ایک مُلک کے اندر بھی ان کے فقہی تصوّرات کے مطابق کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا ہے اور وہ حسبِ معمُول بادشاہتوں اور آمریتوں کا شکار ہیں۔ کم از کم ان کو اپنے سُنّی مکتبِ فکر کے مطابق ہی کہیں کسی ایک ملک میں تو انقلاب برپا کر کے دکھا دینا چاہیئے تھا تاکہ وہ ایران کے انقلاب کو شیعہ انقلاب کہتے ہوئے بُرے معلوم نہ ہوتے۔ موجودہ صورت تو یہ ہے کہ تمہارا انقلاب اسلامی نہیں ہے اور ہم کو انقلاب برپا کرنا آتا نہیں ہے، اس لیے آیئے ہم دونوں مل کر کافرانہ نظاموں اور فاسق آمریتوں پر ہی مطمئن ہو جائیں۔ یہ طرزِ عمل نہ مومنانہ ہے نہ مجاہدانہ ہے اور نہ ہی منصفانہ ہے۔

مَیں نے ایران کا دوبارہ دَورہ کیا ہے۔ دونوں بار یہ دَورہ محدود تھا۔ اس لیے کہ بنے بنائے سرکاری پروگرام کے مطابق تھا لیکن اس کے اندر رہتے ہوئے بھی جو کچھ میں نے جائزہ لیا ہے۔ دونوں بار کے مشترکہ تاثرات میں نے اس سفرنامے میں درج کر دیئے ہیں۔ میں اس جائزے کے بعد ہی اب بھی دیانت داری سے اس انقلاب کو اسلامی انقلاب ہی سمجھتا اور اس کی حمایت کرنا اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتا ہوں۔

ہم نے اپنی ساری عمر اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدّوجہد اور آرزو میں گزاری ہے۔ ہم نے نظریات کی دُکان نہیں سجائی تھی کہ کسی دوسرے کی دُکان سجنے پر رقابت محسوس کریں۔ اسلامی انقلاب ہمارے لیے نظریاتی جدّوجہد کا مسئلہ ہے، ہم غیر اللہ کی ہر نوعیت کی حاکمیت کے ازلی دشمن ہیں۔ ہم اہل سنت کے غیر اللہ کی حاکمیت پر راضی ہونے کو بھی اتنا ہی بڑا جرم سمجھتے ہیں۔ ہمارا تو سارا کاروبارِ زندگی ہی یہ رہا ہے کہ غیر اللہ کی طاغوتی حکومت کے خلاف جدّوجہد کریں اور الٰہی قوانین کے نفاذ کے لیے زندگیاں کھپا دیں۔ چنانچہ اسی عشقِ نظامِ اسلامی میں ہم نے عمر بھر نہ معیشت کو کوئی اہمیت دی اور نہ معاشرت اور معیارِ زندگی کو کوئی وزن دیا۔ ہم نے ساری عمر اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کرنے میں ہی صَرف کی ہے، اب جس طرف سے بھی اسلامی انقلاب کی آواز بلند ہوتی ہے ہمیں تو اسی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ ہم عرب و عجم کو نہیں جانتے۔ ہم تو صرف نظریہ اور ہدف کو جانتے ہیں، ہم صرف حق و باطل کو شناخت کرتے ہیں اور کفر و اسلام کو پہچانتے ہیں۔ شورائیت اور آمریت کا فرق سمجھتے ہیں۔ ہم واضح طور پر اسلام اور اس کے نظام کے حق میں ہیں۔ ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ سچ بول کر صلیب پر چڑھنا پڑتا ہے اور سچ بولنے میں بے شمار صلیبیں حائل ہوتی ہیں۔ ہم اپنے علم اور تربیت کے مطابق ہر حال میں سچ کی حمایت کرنے پر مجبور ہیں اور سچ یہی ہے کہ ایران کا انقلاب بلاشبہ ایک اسلامی انقلاب ہے۔ معروف کی حمایت اور منکر کی مذمت یہ ہمارے خدا کا حکم ہے اور ہم اپنے خدا کے حکم پر لازماً عمل پیرا رہیں گے۔ ظلم کی مذمت اور مظلوم کی حمایت یہ ہمارے نبیؐ کا حکم ہے اور ہم اپنے نبیؐ کے حکم پر جان لڑا کر بھی عمل پیرا ہوں گے۔

میں نے اپنے حقیقی احساسات اور مشاہدات اس سفرنامے میں درج کر دیے ہیں۔ یہ سفرنامہ عام ادبی اور روایتی سفرناموں سے کچھ مختلف ہوگیا ہے لیکن میں اس رودادِ سفر کو حقیقی سفرنامہ سمجھتا ہوں جس میں صرف چشم و گوش کے تجربات ہی شامل نہ ہوں بلکہ اس میں انسان کے قلبی احساسات، ذہنی تصورات اور روحانی واردات بھی شامل ہوں، اسی لیے میں نے اس سفرنامہ کو ادبی، علمی، دینی، اخلاقی، نظریاتی، تاثراتی اور وارداتی مختلف زاویے دیے ہیں اور ہر زاویہ سفرنامہ کی وسعتِ مشاہدہ میں اضافہ کرتا ہے۔ یہی اس سفرنامہ کی انفرادیت ہے۔

اس سفرنامہ کا پہلا حصہ "احساسات" کے زیرِ عنوان مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ خالص ایک وارداتی نوعیت کا حصہ ہے جس میں مسافر قاری کو اپنے دل و دماغ کے ان خطوں کی سیر کراتا ہے جہاں کی سرزمین اسلامی نظریۂ زندگی کی فصل اُگاتی ہے، جہاں اسلامی انقلاب کی ہوائیں چلتی ہیں اور جہاں کا موسم اسلامی دَور کی آرزوؤں اور تمناؤں کی آب و ہوا سے مخمور و معطر ہے۔ یہ حصہ تین ابتدائی مضامین پر مشتمل ہے۔

سفرنامہ کا دوسرا حصہ روایتی سفرنامہ ہے جو مشاہدات و تجربات و معلومات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں انقلاب کے مختلف گوشے اور زاویے دکھائے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایران کے انقلاب کا حقیقی چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ اس سفرنامہ کا بنیادی معلوماتی حصہ ہے۔

سفرنامہ کا تیسرا حصہ "شذرات" پر مشتمل ہے۔ مسافر جہاں کھلے کانوں اور کشادہ آنکھوں کے ساتھ سفر کر رہا ہے وہاں کھلے دل و دماغ کے ساتھ مسلسل غور و فکر بھی کر رہا ہے اور مختلف گوشوں کے بارے میں اپنی رائے بناتا اور مختلف پہلوؤں پر تبصرے کرتا ہے۔ یہ تبصرے بلاواسطہ بھی ہیں اور بالواسطہ بھی۔ البتہ ہر تبصرہ انقلاب کے کسی نہ کسی زاویے اور گوشے کو اجاگر کرتا ہے۔ مسافر کی قلبی واردات، منفی اور مثبت دونوں انداز میں اس تبصرے میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

اس سفرنامہ کا چوتھا حصہ وہ "تاثرات" ہیں جو میرے محترم رفقا، حافظ رشید احمد انصاری، عزیزم محمد اشفاق اور برادرم عبدالرزاق صاحبان نے مختلف مندوبین سے ملاقاتیں کرکے ان سے حاصل کیے ہیں۔ یہ حصہ اس پہلو سے نہایت قیمتی ہے کہ یہ آرا ان مندوبین کی ہیں جو دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہیں۔ تقریباتِ آزادی میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے دو ہفتے کے مشاہدات کے بعد اس انقلاب کے بارے میں اپنی جو رائے بھی بنائی ہے اسے ان تاثرات کی صورت میں خود اپنے ہی قلم سے خود تحریر کر دیا ہے جس کا مکمل ریکارڈ حافظ رشید احمد انصاری۔ حافظ بیکرز سول لائن گوجرانوالہ کے پاس اپنی اصلی صورت میں ان مندوبین

کے دستخطوں کے ساتھ محفوظ ہے۔ سفرنامہ کا یہ حصّہ اس لحاظ سے بھی بڑا قیمتی ہے کہ یہ گویا انقلابِ اسلامی ایران کے بارے میں چشم دید گواہی ہے جو عالمِ اسلام کے مندوبین نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے جو مختلف ممالک سے آئے تھے اور جن کا آپس میں کسی ملک یا مسلک کی ہم آہنگی کا کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے یہ گواہی بے لاگ بھی ہے اور بے لوث بھی۔ اس کے بعد اس انقلاب کو بدنام کرنے کے لیے مواد صرف مغربی ذرائع ابلاغ سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے یا ان کے زیرِ اثر اداروں سے۔

مَیں نے اس سفرنامہ میں اپنے تازہ ترین مشاہدات اور حقیقی تاثرات کو صداقت کے ساتھ بے لاگ طور پر قاری کے سامنے رکھ دیا ہے۔ دُنیا کی متاع میں سب سے قیمتی قدر (VALUE) صداقت ہی ہے۔ صداقت کی قدر (VALUE) ایک مسلمان اہلِ قلم کے ایمان، تربیّت اور کردار کا حصّہ ہوتی ہے اس لیے اس سے تجاوز میرے قلم کا مسافر کبھی نہیں کر سکتا۔

منصورہ

اسعد گیلانی
یکم دسمبر ۱۹۸۳ء

حرفِ مکرّر

میرے لیے یہ انتہائی مسرّت کی بات ہے کہ محترم جناب سیّد اسعد گیلانی سفرنامۂ ایران لکھ رہے ہیں۔ میں تو ان کی نگارشات کا غیر مشروط معترف ہوں اور ہمیشہ ان کی نگارشات کو ذوق و شوق سے پڑھتا ہوں لیکن انقلابِ ایران کا موضوع خود میرے لیے بھی بڑا ہی جذبہ انگیز موضوع ہے۔ اس لیے کہ میں نے بھی ایسا ہی ایک سفرِ ایران کیا اور جو تاثرات میں نے وہاں سے اخذ کیے وہ بڑے ہی ولولہ انگیز ہیں۔ مَیں محترم اسعد گیلانی کی کتاب پر دیباچہ لکھنے کا اہل تو اپنے آپ کو نہیں سمجھتا اس لیے کہ وہ بہت بڑے مصنّف ہیں اور مَیں نے اس وادی میں کبھی قدم نہیں رکھا لیکن یہ فخر میرے لیے بلاشبہ بہت بڑا ہے کہ ہم دونوں کا موضوع بھی ایک ہی ہے اور تاثرات بھی تقریباً یکساں ہیں۔

اس لیے میں اپنے اس دیباچے میں اپنے سفر کے تاثرات بیان کرنا ہی مفید سمجھتا ہوں تاکہ موضوع کی یکسانی قائم رہے جہاں تک محترم اسعد گیلانی کے سفرنامۂ ایران کے بارے میں اظہارِ خیال کا تعلق ہے۔ مَیں اپنے آپ کو اس کے لیے موزوں سے کم تر پاتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے اس موضوع کا حق ادا کیا ہوگا۔ تاثرات اور تحقیقی نظر دونوں کو یکساں قدرت کے ساتھ بیان کرنا ان کا حصّہ ہے۔ ان کا سفرنامہ آپ کتاب کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ میرا سفرنامہ اس دیباچہ میں پیشِ خدمت ہے۔

ہم جب طیارے میں سوار ہوئے تو جہاں دل میں ایران کے اسلامی انقلاب کے

اثرات کو دیکھنے کا شدید جذبہ موجزن تھا وہاں یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ جب حکومت کی طرف سے مدعو کیا گیا ہے تو ہمیں شاید مخصوص مقامات ہی دکھائے جائیں گے اور اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ایران جا کر بھی انقلاب ایران کو پوری طرح دیکھنے کا موقع نہ ملے۔ وہاں جا کر ہمارا یہ خدشہ دُور ہو گیا۔ سرکاری طور پر مقرر کردہ گائیڈز نے وضاحت کر دی کہ ہمیں ہر جگہ جانے اور عوام سے ہر طرح کے سوالات پوچھنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ ہم نے ایران میں اپنے قیام کے دوران میں، حکومت کی طرف سے مہیا کردہ سہولتوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مل کر انقلاب کے بارے میں ان کا ردِ عمل جاننے کی کوشش کی۔

۱۲ ربیع الاوّل سے ۱۷ ربیع الاوّل تک پورے ملک میں ہفتۂ وحدت بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ وسیع پیمانے پر سیرت النبیؐ کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا۔ جن میں سے بہت سی تقریبات میں دُنیا کے مختلف چالیس ملکوں سے آئے ہوئے علمائے دین اور مسلمان رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ ان اجتماعات کی یہ خصوصیت بڑی دلنواز اور رُوح پرور تھی کہ یہاں شیعہ سُنّی کی کوئی تخصیص یا تفریق نہ تھی۔ شیعہ حضرات سُنّی علماء کے پیچھے اور سُنّی حضرات شیعہ علماء کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ فروعی اختلافات کی دھند، پُر کیف دینی ماحول کی جاں نواز حرارت میں بالکل معدوم ہو چکی تھی، ہمیں یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ پورے ایران میں یہی ماحول موجود ہے۔ جہاں سُنّی علماء امامت کراتے ہیں وہاں شیعہ عقیدہ کے لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور جہاں شیعہ آئمہ مساجد ہیں وہاں اہلِ سُنّت ان کے اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں، غرضیکہ جذبۂ دینی نے پوری قوم کو یک جان کر دیا ہے۔ یہ دیکھ کر بھی بڑی خوشی ہوئی کہ آغازِ اسلام کے زمانے کی طرح حکومت کے اعلیٰ عہدیدار، اعلیٰ درجے کے عالمِ دین ہیں اور نمازِ جمعہ کی امامت بھی ان کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہے۔ چنانچہ تہران میں نمازِ جمعہ صدر خامنئی پڑھاتے ہیں۔

اسی طرح صوبوں میں گورنر پیش امام ہیں۔

اس کانفرنس میں پاکستان، انڈونیشیا، ملائشیا، بنگلہ دیش وغیرہ سارے اسلامی ملکوں کے علماء نے شرکت کی۔ مگر ع

گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحیٰ

کے مصداق عرب ملکوں نے وحدتِ ملتِ اسلامیہ کی ان ایمان افروز تقریبات کا مکمل بائیکاٹ کیا جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اختلاف شیعہ سُنی کا نہیں بلکہ مفاد پرستی اور ملوکیت پرستی کا ہے اور استعماری طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیلنے والے عرب حکمرانوں کو ایران سے اصلی دشمنی یہ ہے کہ وہاں سے بلند ہونے والی حق و انصاف اور مساواتِ اسلامی کی صدائیں، ان کے ظلم و جور سے بنے ہوئے فلک بوس محلات میں لرزہ پیدا کر رہی ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ ایران سے اُٹھنے والی تحریکِ اسلامی زیادہ پھیلی تو ان کی عیش کوشی اور بدمستی کا انجام شاہِ ایران سے مختلف نہ ہو گا۔

برطانیہ سے مولانا ارشد القادری، مولانا قمر الزماں اعظمی، مولانا حبیب الرحمان، مولانا نثار احمد، مولانا غلام سرور سبزواری، سیّد نقوی اور دیگر بہت سے علماء نے ان تقریبات میں شرکت کی۔ ویسے تو ہفتہ وحدت کی تقریبات ایک ہفتے کے لیے تھیں مگر ہمیں ایران کے بہت سے اہم مقامات خصوصاً جنگ کی زد میں آنے والے شہروں کو بھی دیکھنا تھا۔ اس لیے مجموعی طور پر ہمارا وہاں قیام سترہ روز تک رہا۔ اس دوران میں ہمیں قم، مشہد، خرم شہر، اہواز، سوسن گرد، آبادان اور ماشہر وغیرہ شہروں اور جنگی لحاظ سے اہم مقامات کو دیکھنے کا موقع ملا جہاں ہم نے تباہی کے وحشت ناک مناظر دیکھے۔ وہاں ایرانی قوم کے مورال کو بہت ہی بلندی پر پایا۔ ہم نے ان میں ایسی اسلامی اسپرٹ دیکھی جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھی اور جسے اب ہم تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش اور کبھی واپس نہ آنے والا دَور سمجھ بیٹھے تھے۔ جو قوم اپنے بہترین

قائدین تخریبی سرگرمیوں اور جنگ میں شہید کروانے کے باوجود ڈٹی رہی ہے۔ دشمنوں نے ایران کے صفِ اوّل کے رہنماؤں کی اتنی بڑی تعداد کو شہید کیا ہے کہ کوئی اور قوم ہوتی تو ہمت ہار کر کب کی شکست قبول کر چکی ہوتی لیکن صحیح جذبۂ اسلامی اور بانیٔ انقلاب آیت اللہ امام خمینی کی قیادت اور تعلیمات نے ایرانیوں کو مومنانہ بصیرت سے بہرہ ور کر دیا ہے اور وہ افراد سے زیادہ مقصد کو اہمیت دیتے ہیں اور بے شمار عظیم قائدین کی شہادت نے انہیں قائدین کی موت کا غم کرنے کے بجائے ان کے مقصد شہادت کی تکمیل کے لیے شعلہ بجاں بنا دیا ہے۔ پوری مغربی دنیا اور خود عربوں کی مخالفت اور پروپیگنڈے کی وجہ سے وہ ولولہ انگیز داستانیں ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئیں کہ جو آنے والی تاریخ کے سنہری اوراق میں رہتی دُنیا تک جگمگائیں گی۔ اَہواز کے محاذ پر صرف ایک رات میں بیس ہزار ایرانی شمعِ ایمان و آزادی پر نثار ہوئے۔ آبادان میں ایک مورچہ کسی طرح نہیں ٹوٹتا تھا۔ اور عراقی فوجوں کی شدید گولہ باری کی وجہ سے آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ لیکن شوقِ شہادت کے متوالے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے آگے بڑھتے ہی گئے۔ ایک کے بعد ایک سرفروش، شعلہ فشاں توپوں کا لقمہ بنتا گیا۔ لیکن عزم و ایمان کے پیکروں کے قدم مطلقاً نہیں رُکے، لاشے پہ لاشہ گرتا چلا گیا اور چند منٹوں میں پورے تریسٹھ جانبازوں نے مادرِ ملت پر نثار ہو کر اپنی لاشوں کا ایک ٹیلہ سا بنا دیا جس کی آڑ میں فوج کے ایک دستہ نے پیش قدمی کر کے اس اہم مورچے پر قبضہ کر لیا اور یوں اس لافانی قربانی سے اس محاذ پر عراقی افواج کو مکمل شکست ہو گئی۔ ایثار و قربانی، عزم و حوصلہ اور تہوّر و شجاعت کی ایسی اَن گنت داستانیں سرفرشانِ وطن نے سینکڑوں میل لمبے محاذِ جنگ کے قدم قدم پر اپنے لہو سے تحریر کی ہیں اور وہ مردِ مومن تو مجھے بھولتا ہی نہیں کہ جس نے فخر و مسرت کے احساسات سے مرتعش لہجے میں مجھے اپنے عزیز بیٹے کی قربانی کی کہانی سُنائی تھی۔ اس کا نام سعید تھا۔ ایک محاذ پر لڑائی کے

حالات بیان کرتے ہوئے کہنے لگا۔ میں اور میرا بیٹا دونوں، رضاکاروں کے ایک دستہ کے ساتھ پیش قدمی کر رہے تھے۔ میرا بیٹا کہنے لگا "ابا جان آپ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں، میں آگے جا کر دیکھتا ہوں کہ کوئی بارودی سرنگ تو نہیں دبی ہوئی، اور دوسرے ہی لمحہ میں نے اپنے لختِ جگر کو دو ٹکڑے ہو کر فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔ میرا عزیز بیٹا اپنے دینِ اسلام کی حرمت اور اپنے باپ کی زندگی پر نثار ہو چکا تھا۔" اس نے حیرت انگیز سکون و طمانیت سے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرا نذرانہ قبول کیا۔ مجھے اس امر سے قلبی راحت محسوس ہوتی ہے کہ میرا توشۂ آخرت درگاہِ رب العزت میں پہنچ چکا ہے۔" اس جیسی ہزاروں داستانیں ہوں گی جو رقم ہو کر تاریخ کا قیمتی سرمایہ بنیں گی۔ ایرانیوں کے جذبۂ جہاد کا اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس جنگ میں معذور ہونے والے افراد کی تعداد نو دس ہزار کے لگ بھگ ہے، جن میں سولہ سال کے بچے تک شامل ہیں اور ان کے جذبۂ قربانی کا یہ عالم ہے کہ وہ پھر محاذ پر جانے کے لیے بے تاب ہیں۔

ہم ایران میں اپنے مشاہدات کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آنے والا انقلاب مکمل اسلامی انقلاب ہے اور وہاں کے ہر شعبۂ حیات پر محیط ہے۔ اسلامی قوانین کا نفاذ اور پوری حکومت کا اسلامی رنگ میں رنگا ہونا ایک بڑی رُوح پرور حقیقت ہے۔ پھر سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ نوجوان طبقے پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ نو عمر لڑکوں اور نوجوانوں کے چہروں پر خوشنما داڑھیاں ہیں اور لڑکیاں اور خواتین چادروں میں ستر و حجاب کی شرعی حدود کی پابند نظر آتی ہیں۔ ہم نے ایران کے اتنے شہروں اور دوسرے مقامات کو دیکھا، ہر جگہ گئے کہیں بھی بے حجابی اور شعائرِ اسلامی کی کھلی خلاف ورزی اور تہذیبِ جدید کے رقص و سرود کا وہ طوفانِ بدتمیزی نظر نہ آیا جس کے لیے شاہِ ایران کے دور میں، ایران مشہور تھا۔ پوری قوم

سادگی اور مقصدیت کا نمونہ نظر آتی ہے۔ ہر کوئی لگن اور دلجمعی سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ کھیتوں میں، کارخانوں میں، دفتروں میں، دوکانوں میں ہر طرف ایک ہی طرح کا جذبہ و جوش اور کام سے گہرا لگاؤ دیکھنے میں آیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ قوم کا ہر فرد اپنے اپنے مقام پر مصروفِ جہاد ہے۔ لیکن اللہ پر بھروسے اور خود اعتمادی کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی فرد پریشان یا ہراساں نظر نہیں آیا بلکہ ایک گونہ سرخوشی، شادمانی کی سی کیفیت نظر آتی ہے جو فی الواقعہ قرونِ اولیٰ کے ان مجاہدینِ اسلام کی یاد تازہ کرتی ہے جو میدانِ جہاد میں جان دینے کو مومن کی معراج سمجھتے تھے اور جن کے لیے اقبالؒ نے کہا تھا :

ے شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ایمان و ایقان اور نصرتِ ایزدی پر یقینِ کامل کی یہ حالت ہے کہ قومی اسمبلی اور دیگر پبلک مقامات پر سیڑھیوں پر امریکہ، روس اور اسرائیل کے جھنڈے بنے ہوئے ہیں۔ اور کوئی آدمی ان پر پاؤں رکھے بغیر ہال میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امریکہ اور اس کے پروردہ اسرائیل کے ساتھ ساتھ روس سے بھی اسی پیمانے پر نفرت و حقارت کا اظہار جبکہ حالتِ جنگ ہے، یہ طرزِ عمل اسی قوم کے لیے ممکن ہو سکتا ہے جو فی الواقعہ خدائے قدوس پر کامل درجے کا ایمان رکھتی ہو اور دنیاوی 'سوپر پاورز' کو پرکاہ کی بھی اہمیت نہ دیتی ہو۔

ایران کی انقلابی قیادت نے کمال درجہ کے تدبر و فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کا پورا نظام اٹھارہ برس سے تیس برس کی عمر کے نوجوانوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اونچے سے اونچے عہدے پر نوجوان ہی فائز نظر آئیں گے۔ انقلابی جوش و جذبے میں ڈوبے ہوئے، ان نوجوانوں کو زمانۂ شباب میں انقلابی تحریک کی باگ ڈور سنبھالنے کا موقع مل جانے کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ جوشِ عمل کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور جوانی اور ہمت کی جولانی کے بل بوتے پر، رات دن دیوانہ وار سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے دل و

دماغ صاف ہیں، اس لیے ان پر انقلابی تعلیمات کا نقش بہت گہرا ہے جو عمل کی کارگاہ میں دن بدن نکھار پیدا کرتا جا رہا ہے۔

پُرجوش اور ناتجربہ کار نوجوانوں میں کہیں کہیں انتظامی معاملات میں مہارت کی کمی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ مگر ان کا خلوص اور جذبۂ قومی و دینی اس کمی کو پورا کر دیتا ہے اور کچھ عرصہ بعد ظاہر ہے وہ زیادہ پختہ کار ہو کر اپنے معاملات کو اور بھی بہتر انداز میں انجام دے سکیں گے۔ جو لوگ کانفرنس میں شرکت کے لیے بیرونی ملکوں سے آنے والے علماء کی خدمت پر مامور تھے وہ سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور ان میں سے بیشتر ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر یا اساتذہ تھے۔ لباس سب کے ایک جیسے سادہ، کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کون امیر ہے اور کون غریب ہے۔ اور ان لوگوں کا انداز اس قدر منکسرانہ اور اخوت و محبت میں ڈوبا ہوا تھا کہ صحیح معنوں میں برادرانہ رشتے کا احساس ہوتا تھا۔

امیر و غریب کا فرق مٹانے کے لیے بڑے مناسب اقدامات کیے گئے ہیں۔ کم سے کم تنخواہ تین ہزار تومان رکھی گئی ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ ۱۵ ہزار تومان ہے۔ یہی نہیں دوسرے بے شمار اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں۔ شہروں اور دیہاتوں میں غریبوں کے لیے فلیٹ بن رہے ہیں اور امیروں کے بڑے بڑے محل اور عشرت سرائیں بند پڑی ہیں یا انہیں پبلک عمارات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ہمیں وہاں ہل مین کاروں کی فیکٹری دیکھنے کا موقع ملا۔ وہاں وزیر صنعت بھی موجود تھے۔ مگر وہ بھی وہاں عام مزدوروں جیسے سادہ لباس میں ان میں گھل مل کر کام کر رہے تھے اور ہم لوگوں سے بڑی خندہ پیشانی اور انکسار سے پیش آئے۔ ان سب تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ایران کا انقلاب حقیقی معنوں میں اسلامی انقلاب ہے اور یہ ایک طبقے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں عوام میں ہیں اور اس سے پورا ملک ایک بالکل نئے رنگ میں رنگ گیا ہے اور یہ دلکش اور دلآویز

رنگ اسلام کا رنگ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران میں علما صحیح معنوں میں فاضل لوگ ہیں اور ان کا عوام میں بے حد احترام ہے۔ شاہِ ایران کے عہد میں علما، کا وقار کم کرنے کی بڑی منظم کوششیں ہوئیں۔ مگر شاہ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شہروں میں مغربی تہذیب کے اثرات بہت واضح ہونے کے سبب یہ تاثر عام تھا کہ ایران سے اسلام رخصت ہو رہا ہے لیکن عوام میں اسلام سے گہری محبت اور علما، کی تعلیمات کا اثر انمٹ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر عوام نے شاہِ ایران کی انتہائی جابر اور مستحکم حکومت کو تہس نہس کر کے صحیح اسلامی حکومت کے قیام کا لافانی کارنامہ انجام دیا اور عوام علما، کو آگے لے آئے۔

مغربی طاقتوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کی وجہ سے عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ قائدِ انقلاب امام خمینی اچانک ہی سیاست کے اُفق پر نمودار ہوئے ہیں اور انھوں نے شاہ کے خلاف پھیلی ہوئی نفرت کی فضا سے فائدہ اٹھا کر، اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ حالانکہ ان کی پوری زندگی ہی اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں بسر ہوئی ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کا صحیح آغاز ان کی ۵ جون ۱۹۶۳ء کی اس تاریخی تقریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے شاہِ ایران کے امریکہ سے ایک ذلت آمیز معاہدہ کرنے کی مخالفت میں کی تھی۔ اس معاہدہ کی رُو سے ایران کو امریکہ سے دو ارب ڈالر کا قرضہ مل رہا تھا جو کہ اسلحہ کی خرید پر خرچ ہونا تھا اور جو ایک ارب ڈالر سُود کے ساتھ دس سال بعد واپس کیا جانا تھا۔ اس معاہدہ کی شرائط میں یہ بھی شامل تھا کہ کسی امریکی پر بھی ایران کی عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جاسکے گا۔ امام خمینی نے پورے ملک میں ہلچل مچا دینے والی اس تقریر میں کہا :

"شاہِ ایران اور ہماری پارلیمنٹ نے ایرانیوں کا مقام امریکن کُتّوں سے بھی فروتر کر دیا ہے۔ اگر کوئی کسی امریکی کُتّے کو مارے گا تو اس پر مقدمہ چلایا جائے گا لیکن اگر کوئی امریکن باورچی خود شاہِ ایران یا کسی معزز ترین ایرانی پر ہاتھ اٹھائے تو اس پر مقدمہ نہیں چل سکتا۔" اس تقریر کے کچھ ہی عرصے بعد شاہِ ایران کی خفیہ پولیس ساواک نے قم میں

آیت اللہ امام خمینی کے مدرسہ فیضیہ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور امام خمینی کو جیل میں ڈال دیا جس پر کرفیو کے نفاذ کے باوجود ایران کے طول و عرض میں امام خمینی کی رہائی کے لیے مظاہرے شروع ہو گئے۔ حکومت نے مظاہرین کو کچلنے کے لیے انتہائی بے دردی سے اسلحہ استعمال کیا اور پندرہ ہزار سے زیادہ افراد ہلاک کر دیے۔ حکومت نے جھوٹے پروپیگنڈے سے ان حقائق کو دبا دیا اور امام خمینی کو ملک بدر کر دیا۔ ملک بدری کے بعد بھی ایرانی عوام و خواص کے دلوں میں امام خمینی کا احترام نہ صرف برقرار رہا۔ بلکہ عراق سے ان کی مسلسل تبلیغ کے سبب، اس احترام اور مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اس لیے وہ سیاست میں اچانک نہیں آئے بلکہ ملک مدت سے ان کی قیادت قبول کر چکا تھا اور ان کی آمد کا منتظر تھا۔

دورۂ ایران کے موقع پر ہمیں قائدِ انقلاب آیت اللہ روح اللہ امام خمینی کو قریب سے دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ وہ بڑے قوی ہیکل ہیں اور بے حد پُر وجاہت شخصیت کے مالک ہیں۔ تقریر کے دوران میں وہ نظریں نیچی کیے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو سامعین کی نظروں سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ وہ ان کے دلوں سے خطاب کر رہے ہیں۔ ان کی تقریر اور پیغام کا مختصراً ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قائدِ انقلاب کی شخصیت اور افکار سے قارئین کو براہِ راست شناسائی ہو سکے۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "عید میلاد النبیؐ کی مبارک تقریب کہ جہاں سے حقیقتاً دین کو باطل نظریات کی آمیزش سے پاک کر کے بنی نوع انسان کو پیش کرنے اور اہلِ عالم کو دین اور عاقبت کی طرف مائل کرنے کی تحریک کا آغاز ہوا اور جو رہبرِ کامل محسنِ انسانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت اور ان کے عظیم نواسے امام صادقؑ کہ جن کا وجود باعثِ خیر و برکت تھا اور جنہوں نے اپنے نانا کے دین کو پھیلانے کا فقید المثال کام کیا، ان کا بھی یومِ ولادت ہے۔ میں اس مبارک دن پر آپ سب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ میں ان

تمام علمائے کرام اور آئمہ جمعہ و جماعت کو خوش آمدید کہتا ہوں جو دُنیا کے مختلف خطوں سے یہاں اپنے ہی ملک میں اس تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ ہم تمام اسلامی ملکوں کو اسلام کی سرزمین سمجھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے ملکوں پر تمام مسلمانوں کا یکساں حق ہے اور تمام مسلمان ہمارے بھائی اور ملّتِ واحدہ کے جسد کا حصّہ ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ سب بھی یہی احساسات رکھتے ہوں گے۔ اس مبارک موقع پر ہمیں ملّتِ اسلامیہ کے مصائب و مسائل کا جائزہ لینا چاہیئے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ یہ مسائل کس طرح پیدا ہوئے ہیں اور ان کا حل کیا ہے۔ اے آئمہ مساجد و رہنمایانِ اُمّت غور کریں کہ ہمارے لیے راہِ عمل کیا ہے؟ یہ کیوں ہے کہ ہم اس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ امریکہ دنیا کے دوسرے سرے سے آکر ہمارے ملکوں اور ہمارے علمائے کرام کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے؟ اگرچہ بظاہر یہ فیصلے کرنے والے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ یہی نہیں وہ اعلانیہ کہتا ہے کہ اسلامی ملکوں کے خطّے میں اس کے مفادات ہیں اور ان مفادات کو بچانے کے لیے وہ کُھلم کُھلاّ مداخلت کرتا ہے؟ آپ میں سے بیشتر لوگ جانتے ہوں گے کہ استعمار ہمارے ملکوں میں کس طرح داخل ہوا ہے۔ وہ ہمارے ہی ملکوں کی رجعت پسند اور مسلمانوں کے مفادات کو برباد کرنے والی حکومتوں اور ان سے وابستہ ادیبوں، خطیبوں، اور آئمہ مساجد ہی کی معرفت یہاں دخیل ہوا ہے۔ استعماری طاقتوں کو پتہ تھا کہ مسلمان ملکوں پر تسلّط جمانے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں اسلام کو ختم کر دیا جائے۔ یہ ممکن نظر نہ آیا تو انہوں نے دوسرا طریقہ یہ سوچا کہ اسلام کو اس طرح کھوکھلا کر دیا جائے کہ اس کی رُوح فنا ہو جائے اور ظاہریت باقی رہے۔ اس دوسرے طریقے ہی سے انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کر کے ان کے ملکوں پر تسلّط جما لیا اور وسیع پیمانے پر یہ پروپیگنڈہ پھیلا دیا کہ دین اور دُنیا الگ الگ ہیں اور حکومت اور مذہب کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور اس غرض کے لیے انہوں نے کٹھ پُتلی حکمران اور

درباری ملا پیدا کیے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اے ائمۂ اُمت، اے رہنمایان قوم اس گمراہ گروہ کو بتائیں کہ اللہ کے رسول نے دین اور سیاست کو ایک قرار دیا ہے۔ ہادئ برحق نے حکومت قائم کی، سیاست کے مراکز قائم کیے، دنیا بھر کی حکومتوں کو دین اسلام کی دعوت دی اور عالمی سیاسیات کو متاثر کیا اور ان کے بعد خلفائے اسلام نے بھی اس سُنت رسول پر عمل کیا۔ اس لیے امریکہ اور روس کے پٹھو سلاطین اور درباری ملاؤں کو یا تو پیغمبرِ اسلام اور ان کے خلفا ء کے طریقے سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہیئے یا پھر خود اپنے طریقِ حکومت اور طرزِ فکر کی مذمت کرنی چاہیئے۔ نمازِ جمعہ اور حج کے اجتماعات، اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی معاملات پر غور و فکر کر کے ان کا حل تلاش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ زمانۂ نبوی میں جو ائمۂ نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے وہ سیاسی معاملات سے لے کر جنگی تیاریوں ایسے اہم معاملات تک مسجدوں ہی میں حل کرتے تھے۔ آج جو پٹھو سلاطین مکہ اور دوسرے مقامات پر امریکہ ایسی اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے سے بھی روکتے ہیں۔ انہوں نے ذاتی مفادات کے لیے گمراہی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اور اسلام دشمنی پر کمربستہ ہیں اور ہمارے سارے مسائل یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ آپ حضرات اپنے ملکوں میں جا کر عوام کو حقائق سے آگاہ کریں اور اگر آپ بیک وقت ایک جمعہ کو قوم کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر دیں تو کوئی پٹھو حکومت آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ جب آپ خدا کی رضا اور خوشنودی کی خاطر کام کریں گے تو وہ یقیناً آپ کی رہنمائی اور مدد کرے گا اور منزلِ مقصود تک کا ساتھ دے گا۔ ہم نے ذاتی طور پر ایران میں اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے۔"

غرض میں نے جو کچھ وہاں دیکھا اور جو میرے تاثرات اس دید و شنید کے بعد پیدا ہوئے وہ میں نے اختصار کے ساتھ یہاں بیان کر دیے ہیں اور ایک واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میری دیانت اور امانت کا جو کم سے کم تقاضا تھا وہ

میں نے یہ تاثرات بیان کر کے ادا کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایران کا اسلامی انقلاب مسلمان ملکوں میں آنے والے اسلامی انقلابات کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے مسلمان ممالک کے حکمران اس سے ہراساں ہیں۔ کاش کہ وہ دیکھتے کہ جس انقلاب میں اسلام کی رُوح اور مسلمان عوام کی خوشنودی شامل ہے وہی مسلمان ملکوں کے استحکام کا واحد ذریعہ ہے۔

میری دعا ہے کہ ایران کا اسلامی انقلاب اپنے اثرات پورے عالم اسلام پر ڈالے اور پورا عالم اسلام اس کے نور سے منور ہو جائے اور میری یہ بھی دعا ہے کہ محترم سید اسعد گیلانی کی کتاب "سفر نامۂ ایران" کو قبولیتِ عام حاصل ہو اور بے خبر لوگوں کے لیے وہ بہترین خبر اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے وہ سرمۂ بصیرت ثابت ہو۔

رشید اَحمد صِدّیقی

یکم اگست ۱۹۸۳ء

صدر یو۔کے۔ اسلامک مشن، برطانیہ

احساسات

ابتدائیہ

تیس روشن سال ــــــ!

اور پھر اس کے بعد صدیوں کی تاریکی ــــ!

صدیوں کی تاریکی اور صدیوں کا انتظار ــــــ!

انتظار اس بات کا کہ وہ روشنی اپنی حقیقی صورت میں پھر نمودار ہو جس نے دُنیا کو اپنی ایک جھلک دکھا کر مسحور کر دیا تھا۔ زمین کے باشندے، پریشان حال بیچارے انسان نے بڑے انتظار کے بعد وہ دینِ حق حاصل کیا تھا۔ جو قیامت تک اس کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ لیکن اس کی جامع اور مثالی رہنمائی میں رکاوٹ ڈال دی گئی تھی۔ خلافتِ ربّانی کو ملوکیتِ طاغوتی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور انسان ظلم وستم کی چکّی میں پسنے کے لیے تاریخ کے دو پاٹوں کے درمیان دوبارہ پھنس گیا تھا۔ جن شاہانہ درباروں کو اسلام نے اُلٹ دیا تھا وہ دربار سج گئے تھے اور اُن کی طاغوتی شان وشوکت میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی اضافہ ہونے لگا تھا۔ اسلام کی انسان پرور تعلیمات جو کمزوروں، مسکینوں، مظلوموں اور محروموں کی پُشت پناہ تھیں پھر انسان کی نظر سے اوجھل ہو گئی تھیں۔

یہ کائنات اسی لیے تو پُرسکون اور پُرامن ہے کہ اس کے اندر اس کے پیدا کرنے والے کے قانونِ فطرت کا نفاذ ہے اور اس کے نفاذ میں ذرّہ برابر بھی کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے قافلۂ انسانیت اسی لیے تو مضطرب

کیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خون آلود پیشانی کو کون بھلا سکتا ہے جنہوں نے ملوکیت کی تیز رو گاڑی کو روکنے کے لیے اپنے خاندان کو کربلا کے میدان میں کٹوا دیا۔ ملوکیت کی گاڑی اپنی تاریخ کی پٹڑی پر انہیں دو ٹکڑے کرتی ہوئی آگے گزر گئی اور بس ہماری تاریخ میں ایک سُرخ نشان باقی رہ گیا کہ یہاں خلافت اور ملوکیت نے راستے بدل لیے تھے اور مسلمانوں کی تاریخ کا نٹا بدل کر ملوکیت کی منزل کی طرف نکل گئی تھی۔

❋

جبر سے مسلط حکومت کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے اور امام مالکؒ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ جبری طلاق وارد نہیں ہوتی۔ امام مالکؒ کے اس فتوے سے یہ بات نکلتی تھی کہ جس طرح جبری طلاق وارد نہیں ہوتی اسی طرح جبری بیعت بھی منعقد نہیں ہوتی۔ امام مالکؒ کے اس نظریے سے ظالم ملوک کی نام نہاد خلافت سخت ناراض تھی۔ ظالموں نے امام دار الہجرت کی مُشکیں کسیں اور ہاتھ بازوؤں سے اکھاڑ دیے۔ انہیں ستر کوڑوں کی ضربیں گن گن کر لگائی گئیں اور اُونٹ پر اُلٹا سوار کروا کر سارے شہر میں پھرایا گیا۔ اس جُرم پر کہ وہ ملوکیت کی جبریت کے خلاف زبان کیوں کھولتے تھے لیکن عین اسی حالتِ مظلومیت میں امام مالکؒ عزیمت کے ساتھ عزیمت کا پہاڑ بنکر اُونٹ پر کھڑے ہو گئے اور پکار پکار کر کہنے لگے۔

> "لوگو سُن لو جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالکؒ بن انس ہوں اور اس مسئلے کا اعلان کرتا ہوں کہ جس کے اعلان سے مجھے جبراً روکا جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جبری طلاق کوئی چیز نہیں ہے کوئی چیز نہیں ہے۔"

لوگ سمجھتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جبری بیعت بھی کوئی چیز نہیں ہے کوئی چیز نہیں ہے۔ یوں حوادثِ زمانہ کے باوجود اسلام کے کھیت میں پھول

ہے کہ اس کے اندر اس کے پیدا کرنے والے کے قوانین وضوابط جاری و ساری نہیں ہیں۔ یوں انسان کی سمتِ زندگی کائنات کی سمتِ سفر سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ جب اس کی زمین کائنات کا ہی ایک حصّہ ہے اور وہ خود خدا کی مخلوقات کا ہی ایک فرد ہے ظاہر ہے کہ جب تک وہ کائنات سے ہم آہنگ نہ ہو خالقِ کائنات کی شاہراہِ بندگی پر ساری کائنات کے ساتھ ساتھ ہمقدم ہو کر سفرِ زندگی طے نہ کرے اس کی دنیا فسادات سے معمور، اس کے شب و روز ظلمت وجہالت سے داغ دار اور اس کے در و دیوار اس کے اپنے ہی خون سے لالہ گوں رہیں گے۔

سلامتی کا راستہ تو یہی ہے کہ پوری کائنات بندگیِ خالق کا راستہ اختیار کرے اور کائنات کا ہر ذرّہ اور ہر گوشہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً کا منظر پیش کرے۔ یہی سکون واطمینان کا واحد راستہ ہے۔ درحقیقت بندگی و اطاعتِ خداوندی کا راستہ ہی سلامتی کا راستہ ہے اور سلامتی کے راستے کا نام ہی اسلامی نظامِ حیات ہے۔

دُنیا نے اس نظامِ حیات کی حسین وجمیل، پُرکشش، دلفریب، دلگداز، دلنواز، دلربا ایک جھلک، بس ایک ہی جھلک دَورِ نبوّت اور دَورِ خلفائے راشدین میں دیکھی تھی اور پھر دنیا اسے دیکھتی ہی رہ گئی اور وہ جھلک تاریخ کے دامن میں کھو گئی پھر ملوکیت کا گرد و غبار ہر طرف چھا گیا۔ برسوں بعد اگر عمر بن عبدالعزیز کے دَورِ خلافت میں وہ جھلک ازسرِ نو تاریخ کے دامن میں اُبھری تو اسے جلد ہی زہر کے سمندر میں ڈبو دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ کا دامن ایسی ہستیوں کے تقدس سے کبھی خالی تو نہیں رہا ہے جنہوں نے اس نظامِ حق کو ازسرِ نو دنیا میں بحال کرنے کی پیہم کوششیں

کھلتے رہے ہیں۔ جرأت و استقامت کے سُرخ سُرخ پھول !

ملوکیت نے چاہا کہ امام احمد بن حنبلؒ سے جبراً قرآن کو مخلوق منوالے تاکہ پھر اس میں تحریف کا دروازہ کھولا جا سکے لیکن وہ تو عصمتِ اسلام کی حفاظت کے لیے ڈٹ گئے۔ کہنے لگے :۔

" اللہ کی کتاب میں سے مجھے دکھا دو یا اللہ کے رسولؐ کا کوئی ارشاد پیش کر دو تو میں اقرار کروں گا اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا "

یہ بات جرأتِ ایمانی سے امام احمد بن حنبلؒ نے ملوکیت کے منہ پہ دے ماری۔ ملوکیت ایک درویش سے اپنی بات منوانے میں ناکام ہوگئی اور پھر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جھلستی ہوئی دھوپ میں کھڑا کر کے امام احمد بن حنبلؒ کو لگاتار کوڑے مارے گئے۔ ہر جلاد دو کوڑے لگا کر ہٹ جاتا تھا اور اس کی جگہ تازہ دم جلاد آتا تھا۔ لیکن وہ جوانمرد حق کی پشت پناہی کے لیے پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھا۔ وہ روزے سے تھا۔ پیٹھ زخموں سے خونچکاں تھی لیکن وہ کہہ رہا تھا۔

" مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہی جھکا سکتا ہے اور کوئی نہیں جھکا سکتا۔ صرف کتاب و سنت "۔ اور بلاشبہ اسے ملوک کا ظلم و ستم نہ جھکا سکا۔ کلمۂ حق مسلسل بلند ہی ہوتا رہا ملوک ظلم و ستم کرتے رہے اور مردانِ حق آگاہ کے سامنے خوار و زبوں ہوتے رہے۔

وہ شخص جسے ملوکیت اپنی عدالتوں کا منصفِ اعظم مقرر کرنا چاہتی تھی اس نے ملوک کے ظلم و ستم کی عدالت کا منصف بننے سے صاف انکار کر دیا اس

نے کہا:

"مجھے دجلہ میں ڈبو یا جانا منظور ہے لیکن قرآن و سُنّت سے ہٹ کر ملوک کی خواہشات کا کھلونا بننا مجھے ہرگز گوارا نہیں ہے۔"

اور اس کے بعد اس پر کوڑے برستے رہے وہ جیل میں عزیمت کا پہاڑ بنا رہا یہاں تک کہ پیٹھ کا خون ایڑیوں تک بہہ گیا اور اس کا جنازہ بھی ملوک کے جیل خانے سے ہی برآمد ہوا اس نے عمر بھر ظالم ملوک کے ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا وہ حق کا مستحکم پہاڑ ابو حنیفہ تھا۔

اور وہ شہیدین جو نفاذِ دینِ حق کے لیے اٹھے تھے اور اسلام دشمن سامراجی قوتوں کیخلاف مسلسل اور پیہم برسرِ پیکار رہتے دین کے لیے جینا اور دین کے لیے مرنا ان کا شعار تھا اور انہوں نے بالاکوٹ کی سرزمین کو ہی اپنی کربلا بنا لیا تھا۔ اگر دین کا نفاذ نہ ہو سکے تو اس کے لیے سر تو دیا جا سکتا ہے۔ یہی سودا تھا جسے وہ عُمر بھر اپنے سر میں لیے لیے پھرتے رہے تھے یہاں تک کہ سر دے کر ہی وہ اپنے رب کا قرض اور اپنا فرض ادا کر گئے تھے۔

مسلمانوں کی تاریخ کبھی خالی تو نہیں رہی ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ملّت کی سرزمین میں شہادت کے گل رنگ پھول کھلتے رہے ہیں اور لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اللہ کے راستے کو پُر رونق رکھنے کے لیے اپنے سُرخ سُرخ خون کا چھڑکاؤ کرتے رہے ہیں لیکن یہ محرومی بھی تاریخ کی شاہراہ پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہی ہے کہ بہ حیثیت ملّت اجتماعی طور پر جوق در جوق وہ اپنے آئمہ حق کا ساتھ دینے سے ہمیشہ کتراتے رہے ہیں۔ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ میں وہاں کی قوموں نے اجتماعی طور پر اُٹھ اُٹھ کر اپنے جابر بادشاہوں کا مقابلہ کیا اور انہیں عوام کے حقوق

تسلیم کرنے کے لیے بار بار مجبور کیا یہاں تک کہ پورا یورپ جمہوری دَور میں داخل ہو گیا لیکن مسلمانوں کی ملوکیت ایسی جابر و قاہر بن کر رہی اور مسلمان عوام اس کے سامنے اتنے مجبور اور منتشر رہے کہ وہ اپنے نظریات کے نفاذ کے لیے مدتوں تک، صدیوں تک، کوئی اقدام بھی اجتماعی طور پر نہ کر سکے جس کے نتیجے میں صدیاں ہی بیت گئیں۔ اور مسلمان جو شورائیت اور جمہوریت کے اوّلین علمبردار تھے وہ صدیوں تک ملوکیت کے جبر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو ترس گئے جن کے مذہب نے ظلم کے مقابلے میں کلمۂ حق کو جہادِ اکبر قرار دیا تھا افسوس کہ کلمۂ حق کہنے کے لیے ان میں اِکا دُکا افراد ہی اُٹھتے رہے اور پٹتے اور مار کھاتے رہے۔ مجموعی طور پر بہ حیثیت ملت ساری قوم جامد و ساکت رہی اور اس حالت میں ہی صدیاں بیت گئیں۔ دنیا کہیں سے کہیں جا پہنچی اور مسلمان تاریخ کے چوراہے پر اپنے جابر سلاطین کے سامنے مجبوری و بے بسی کا مجسمہ بنے کھڑے رہے۔

چنانچہ اسلامی نظام کا نفاذ اگر حکمرانوں کی خوشنودیٔ طبع پر ہی منحصر تھا تو انہیں اسلام کی مساوات، آزادی، حق گوئی، احتساب، حُریّتِ فکر اور اظہارِ خیال کی آزادی ہرگز پسند نہ تھی۔ وہ ایسے دین کو اپنی مرضی سے کیوں نافذ کرتے جو ان کے اختیارات میں کمی اور ان کی ملوکانہ آزادیوں پر قدغن لگاتا تھا۔

اس طرح اسلام کا نظام معطل رہا اور کسی امام مہدی کے انتظار میں ہی مسلمانوں نے اپنی ساری تاریخ گزار دی۔ اسلامی نظام کا نفاذ امام مہدی کے ساتھ وابستہ کر کے مسلمان عمل سے فارغ ہو گئے اور اس کے انتظار کی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور پھر وہ انتظار صدیوں پر پھیل گیا۔

انتظاریہ

اسلامی نظامِ زندگی ہی مسلمانوں کا مقصدِ وجود ہے اور صدیوں سے یہ مفقود ہے۔ مسلمان موجود ہیں اور اسلامی نظامِ حیات موجود نہیں ہے۔

اور مسلمانوں میں صدیوں سے اسکا انتظار ہو رہا ہے۔

صدیوں سے انتظار ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے روئے زیبا کے دیدار سے خلقِ خدا محروم ہے۔

گزشتہ چالیس سال سے میں بھی اس کا انتظار کر رہا ہوں جب سے میرے شعور نے آنکھ کھولی ہے۔ آنکھیں زمانے کی چوکھٹ پر لگی ہوئی ہیں کہ کب وہ محبوبِ زمانہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ اُمّیدیں بندھیں اور ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔ پاؤں کی دھمک عالمِ خیال میں گُونج گُونج کر کھو گئی۔ زبان مَرحَبا اھلاً وّسَھلاً کہنے کے لیے مضطرب ہو ہو گئی لیکن انتظار جاری ہی رہا۔ وہ نہ آیا، وہ نہ آیا جس کا مجھے اور سارے زمانے کو انتظار ہے۔

میرے والد نے بھی اپنی ساری عمر اس کے انتظار میں گزار دی۔ اب وہ مایوس ہو کر قبر کے کنارے بیٹھ گئے ہیں —— پاؤں اندر لٹکا دیے ہیں لیکن نظریں اب بھی اُفق پر اُبھرتی ہوئی گرد میں سے کسی روشن جبیں شہسوار کا مکھڑا دیکھنے کی منتظر ہیں۔ ساری عمر گزر گئی۔ سیاہ بال سفید ہو گئے، سیدھی کمر جُھک گئی۔ روشن نگاہیں ماند پڑ گئیں، مضبوط قدم ڈگمگانے لگے۔ کڑکتی ہوئی آواز تھرتھرا گئی۔ اب

وہ مایوس ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں" اب وہ نہیں آئے گا تم ناحق جان ہلکان کرتے ہو، ناحق کُڑھتے ہو، وہ نہیں آئے گا۔ وہ شاید کبھی نہ آئے۔" میں کہتا ہوں۔ "ابا جان وہ ضرور آئے گا۔ وہ زبانِ مقدس جس پر حق جاری تھا، جس پر وحی نازل ہوئی تھی، جس کا مالک سے براہِ راست تعلق تھا۔ اس نے جو کہا تھا کہ وہ آئے گا اسے ضرور آنا ہے وہ آکر رہے گا۔ وہ ایک دُور کے دَور میں پھر اُبھرے گا۔" وہ کہتے ہیں۔ "اچھا انتظار کرو۔ اور انتظار کرو۔"

"لیکن وہ کب آئے گا؟" یہ نہ میں جانتا ہوں نہ وہ جانتے ہیں اور نہ کوئی اور جانتا ہے۔ نہ میرے دادا جانتے تھے جو عمر بھر انتظار کرتے رہے اور اسی عالمِ انتظار میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔ میں نے اپنا شجرۂ نسب دیکھا ہے پوری اٹھارہ پُشتوں سے اس کا انتظار ہو رہا ہے۔ لیکن وہ ایک بار جو گیا تو پھر آج تک لوٹ کر نہیں آیا۔ وہ آئے گا ضرور۔ لیکن کب آئے گا، کہاں آئے گا، کون جانے!

میں اکیلا ہی اس کا منتظر نہیں ہوں۔ پوری ایک ملت اس کی منتظر ہے۔ صدیوں سے انتظار ہو رہا ہے۔ اس کی مدح میں قصیدے موجود ہیں، اس کی شان میں مضامین لکھے گئے، اس کی تعریف میں کتب تالیف ہو گئیں۔ اس کی حقانیت میں زمین سے آسمان تک دلائل کے انبار موجود ہیں۔ لیکن اس کے انتظار میں روزانہ ہی سینکڑوں اور ہزاروں افراد قبر میں جا لیٹتے ہیں۔

بڑے بڑے حاکم آتے ہیں، بڑے بڑے بادشاہ آتے ہیں۔ آکر اپنے تختِ طاؤس بچھاتے ہیں۔ اس کی شان میں قصیدے پیش کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ لیکن جو آتا ہے۔ اس کے راستے میں چند دیواریں اور کھڑی کر دیتا ہے۔ —— اپنی کوس لمن الملک بجاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

منڈی میں جاتا ہوں تو بلیک اور چور بازاری کے بھوت ناچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان سے بھاگتا ہوں تو زندگی کے ہر بازار میں کسی نہ کسی کی سفارش سے ہی کھڑا ہو سکتا ہوں یا کسی کو دے دلا کر ہی عزت و آبرو بچا سکتا ہوں۔ ہر طرف لوٹ مچی ہوئی ہے ہر طرف زندگی لٹ رہی ہے، آبرو لٹ رہی ہے شرافت سر پیٹ رہی ہے۔ خدا ترسی لرزاں و ترساں ہے۔ نیکی ہراساں ہے اور ضمیروں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ تاریکی ہے، گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے اور دُور دُور تک روشنی کی کوئی کرن اُفق سے جھانکتی نظر نہیں آتی۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

میرے ایک دوست نے جس کا کاروبار بہت پھیلتا جا رہا ہے۔ اگلے دن مجھ سے کہا۔ "تم کس خیال میں ہو۔ ابھی بیس سال تو صرف اس بات کا انتظار کرو کہ قلعے کا دروازہ کھلے اور آسمان کے مشرقی کنارے پر صبحِ کاذب کی وہ مدہم روشنی نمودار ہو جو صرف یہ پیغام لے کر آئے کہ ابنِ مسلم ابھی آزاد ہے اور اسے اپنا مافی الضمیر بے ضرر انداز میں مرنجان مرنج اصول کے مطابق، کہہ لینے کا حق حاصل ہے۔ ابھی بیس سال اور انتظار کرو۔" مجھے اس کی بات نے مایوس نہیں کیا۔ میرے دل نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ کوئی مجھ سے پوچھے کہ روشنی کی پہلی کرن کے نمودار ہونے میں ابھی کتنا وقت باقی ہے، تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ سپیدۂ سحری اُفق کے کس کنارے پر نمودار ہوگا، کدھر سے ہوگا ــــ لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔ بخدا میں بہت پُراُمّید ہوں۔ میں نے آدھی رات کے دانشور فلسفی کی یہ بات کبھی تسلیم نہیں کی کہ صبح کبھی نمودار نہ ہوگی اور اس رات کا ایک سرا صبحِ قیامت کے دامن سے وابستہ ہے۔ آدھی رات کا دانشور فلسفی جو بات چاہے کہے اس لیے کہ ظلمت میں بیٹھ کر ظلمت کی تعریف و توصیف

کر لینا بہت آسان ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ ایسے دانشور فلسفی صبح کی پہلی کرن کے مقابلے میں ہی غائب و خاسر ہو کر کسی تاریک گوشے میں چھپ جایا کرتے ہیں اور بیٹھے ہوئے اندھیری رات کا انتظار کیا کرتے ہیں۔

میں جس ملت کا فرد ہوں۔ وہ کوتاہیٔ عمل کے باوجود چودہ صدیوں سے مایوس نہیں ہوئی اور اُفق پر نظریں گاڑے زمانے کی تیز رفتار گاڑی پر سوار کسی خوشرو شہسوار کی منتظر ہے۔ جو نمودار ہو گا تو اپنے ساتھ سارے مسائل کے حل اور سارے خزانوں کی کنجیاں لائے گا۔ وہ کنجیاں جنہیں صرف محتاجوں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں اور ستم زدوں کے ہاتھ ہی گھما سکیں گے اور جن کے ہاتھوں سے ہی زمین کے خزانے اپنا سونا اگلیں گے اس لیے میں بھی مایوس نہیں ہوں اور اگر وہ نہ آیا جس کا مجھے انتظار ہے۔ تو میں اپنی ساری دولت، سارے خزانے، ساری جائیداد اور سارے کاروبار جو مقصدِ زندگی کی شکل میں مجھے حاصل ہیں اور جن کے ہونے سے میں دنیا کا امیر ترین انسان ہوں۔ اپنے بیٹے کے حوالے کر جاؤں گا اور جاتے ہوئے کہہ جاؤں گا۔

"بیٹا میں نے تمھیں اس لیے پرورش نہیں کیا تھا کہ تو دنیا کمائے اور عیش و عشرت کرے۔ میں نے ٹیوشنیں کر کر کے اور پسینہ بہا بہا کر حلال کے چند لقمے جو تیرے حلق میں ڈالے تھے تو اس لیے نہیں کہ تو کسی بھی نظامِ غالب کا کارندہ بن کر اس کی جڑوں کو مضبوط کرے۔ میں نے تو تمھیں اس لیے پالا تھا کہ تو وہ کام کرے جو معاذ و معوذ نے کیا تھا جو میدانِ بدر میں سر ہتھیلیوں پر رکھ کر رسولِ اکرمؐ کے دشمن لشکر کے سردار پر پل پڑے تھے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔ تمھیں بھی زندگی کے میدانِ بدر میں جن باطل پرستوں سے کشمکش ہے۔ تمھیں اپنا سارا خون ان کی قوت کو حق کے سامنے جھکا دینے کے لیے بہانا ہے۔ تمھاری چھوٹی چھوٹی فرمائشوں کو

میں اسی دن کے لیے پورا کرتا رہا ہوں کہ تم میری اس ایک بڑی فرمائش کو پورا کرو گے۔ میں قبر میں لیٹ کر بھی زمین پر تمھاری سرگرمیوں کی دھمک سنتا رہوں گا اور اس دن کا انتظار کروں گا جب تم سے پھر ملاقات ہو۔ اُس دن میں تم سے اپنے بہائے ہوئے پسینہ کے ایک ایک قطرے کی قیمت وصول کروں گا اور جب تک تم یہ ثابت نہ کرو گے کہ تم نے میرے مقصدِ زندگی کے دشمنوں کو عین میدانِ جنگ میں پچھاڑا، میں تمھارا اسلام قبول نہیں کروں گا۔

میں مرتے وقت اپنے ہونہار بیٹے سے کہہ جاؤں گا کہ باطل کے حامیوں سے جنگ جاری رہے، ان سے کشمکش ختم نہ ہونے پائے۔ اور اگر یہ جنگ طول کھینچے تو کھینچنے دو۔ جہاں باطل مقاصد کے لیے ابنِ آدم نے سو سالہ جنگیں لڑی ہیں وہاں حق کے لیے یہ جنگ بھی چلے، نسل در نسل چلے، رُکنے نہ پائے۔ تا آنکہ باطل مٹے اور حق غالب ہو اور سب سے بڑی سچی بات یہ ہے کہ حق کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ غالب ہی ہو اور باطل کے لیے یہی مقدر ہے کہ وہ تباہ و برباد ہو اور دھواں بن کر اڑ جائے۔

مجھے اُس دن کا بھی انتظار ہے جب اس ملت سے حساب طلب کیا جائے جو یزیدوں کو پالتی اور حسینوں کی شہادت پر چپ چاپ خاموش تماشائی بنی رہتی ہے جو بادشاہوں کے خاندانوں کے خاندان پیدا کرتی، پالتی، ان کے سامنے کورنش بجالاتی اور ان کے لیے ہر دور میں عیش و عشرت کے سامان فراہم کرتی ہے اور ایک حاکمِ مطلق کے احکام کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ہے۔ جو ملوکیتوں کو چودہ صدیاں تک اپنے خون سے سینچتی ہے۔ لیکن خلافتِ الٰہیہ کو تیس سال بھی اپنے اندر حفاظت سے نہیں رکھ سکتی۔ جو ظالموں کے لشکروں کی

رضاکار بنتی ہے. لیکن مظلوموں کے خون کو اپنی آنکھوں کے سامنے بہتے اور خشک ہوتے دیکھتی ہے اور دم نہیں مارتی۔ ان سب باتوں کا بھی حساب ہونا ہے۔ یہ ایک پوری اُمت کا بہت بڑا مقدمہ ہے جو ایک روز ایک عدالت میں پیش ہونا ہے۔ مجھے اُس دن سے خوف بھی آتا ہے۔ لرزتا بھی ہوں لیکن اس عظیم مقدمے کو دیکھنے کا بھی مجھے انتظار ہے۔

مجھے اس حاکم کا بڑا انتظار ہے جس سے میں سرِ راہ مل سکوں اور پوچھ سکوں کہ اس نے اپنے لباس میں اسراف سے کام کیوں لیا ہے. جس سے میں مسجد میں مل سکوں اور پوچھ سکوں کہ میرا ہمسائیہ کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ جس سے ایک ضعیف بُڑھیا بھی اپنا حق بلا روک طلب کر سکے اور جو لوگوں کی معاشی مرتبے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے علم و تقویٰ کے اعتبار سے قدر کرے۔

مجھے اُن ججوں کا انتظار ہے جو سلطنت کے حاکمِ اعلےٰ کو بھی اپنی عدالت میں کھینچ بلائیں اور انصاف کے تقاضے بے لاگ پورے کریں۔ جن کے ہاں پولیس کا اعتبار کم ہو اور شریف شہریوں کا اعتبار زیادہ ہو۔ جو پیٹھ پر کوڑے کھانا برداشت کریں لیکن حق کے خلاف فیصلہ کرنا قتل سے زیادہ بدتر جرم سمجھیں۔

مجھے اس پولیس کا بھی بڑا انتظار ہے جو قانون کو بے لاگ نافذ کرے اور جو دولت و قوت کے سامنے موم اور بے بس اور غربت کے مقابلے میں فولاد بن جانے والی نہ ہو۔ جو شریفوں کو اس لیے پریشان نہ کرے کہ غنڈے اس کے ذریعے شریفوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ جو بے لاگ، بے غرض، شرافت اور نیکی کی

قدر کرنے والی ہو۔

میں سراپا انتظار ہوں اور یہ انتظار میں نے وراثت میں پایا ہے۔ میں نے تہیہ کیا ہے کہ اس دن کا مسلسل انتظار کرتا رہوں گا جو اپنے ساتھ ابنِ آدم کی پائندار آزادیٔ ضمیر کا پروانہ لائے گا اور اس دن کو قریب تر لانے کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہوں گا۔ چاہے شبِ تاریک کے دانش ور فلسفی میرے خلاف عالی درباروں میں کتنی ہی چغلیاں کھائیں — اُمید اور انتظار میری کشتی کے، دو پتوار ہیں جو طوفانی سمندروں میں سے گزار کر مجھے ایک روز ضرور ہی ساحلِ مراد تک لے جائیں گے۔

اسلامی نظام کا انتظار میری زندگی کا سب سے بڑا طویل انتظار ہے۔

اس انتظار کی حالت میں، مَیں نے برس ہا برس تک اپنے مالک کے دشمنوں، طاغوتوں اور باطل پرستوں کے خلاف جنگ آزما ہوتے ہوئے اپنے بیٹے کو اپنی وصیت لکھوا دی ہے۔ میں نے برسوں پہلے اسے کہا تھا کہ میرے بیٹے، میرے لختِ جگر، لکھو، لکھو کہ:۔

"میں عبداللہ ابنِ مُسلم اپنے اور اپنے باپ کے دشمنوں، تمام اہلِ ایمان کے معاندوں اور احکم الحاکمین کے باغیوں سے عمر بھر جنگ آزما رہوں گا۔ کبھی ہتھیار نہیں رکھوں گا، کبھی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ جو خدا کے باغی ہیں اُن کا باغی اور دشمن بن کر رہوں گا۔ میری یہ جنگ خالص اللہ رب العالمین کے لیے ہو گی جو میرا اور سارے جہان کا اصل مالک و خالق و حاکم ہے۔ میں یہ جنگ جاری رکھوں گا تا آنکہ اس جنگ کا نتیجہ اہلِ ایمان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر نمودار ہو۔ یہ جنگ جاری رہے گی، نہ اس میں سُستی ہو گی

نہ مصالحت ہوگی نہ کمزوری آئے گی اور نہ دل شکستگی راہ پائے گی۔ میں اس جنگ کو زندگی بھر جاری رکھوں گا تا آنکہ مالک الملک کا بول بالا ہو۔ اس احکم الحاکمین کا حکم چار سُو جاری ہو اور اس کے باغیوں کا وقار اور غرور خاک میں مل جائے اور اگر اس جنگ نے طُول پکڑا اور میرا پیمانۂ زندگی لبریز ہوگیا۔ تو میں یہ عَلم اپنے پیچھے آنے والوں کے ہاتھ میں دے کر مالک الملک کے حضور میں جاؤں گا تاکہ یہ جنگ نسل در نسل اور زمانہ در زمانہ چلے اور اس وقت تک جاری رہے جب تک باطل سرنگوں نہیں ہو جاتا اور حق غالب نہیں آجاتا اور حقیقت یہ ہے کہ حق ہی کو زیب دیتا ہے کہ وہ غالب ہو۔ لکھو اور اس کے نیچے دستخط کرو، عبداللہ بن مسلم"۔

اس طرح اس جنگِ حق و باطل میں، مَیں نے لامتناہی جدّوجہد کرنے کے لیے اپنی جگہ پر اپنے آقا کا غلام ایک دوسرا سپاہی کھڑا کر دیا ہے۔

مجھے اپنے مالک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ابوجہل اور عتبہ کو معاف کر سکتا ہوں جن کے ہاتھوں رسولِ خدا کو بڑی تکالیف پہنچی تھیں لیکن — لیکن میں زمانے کے کسی عبداللہ بن ابی کو معاف نہیں کر سکتا، کبھی نہیں، کبھی بھی نہیں۔

یُوں میں نے اسلامی نظام کے انتظار کو نسل در نسل جاری رکھنے کے لیے اور اس کی خاطر باطل پرستوں سے جنگ کو نسل در نسل جاری رکھنے کے لیے انتظام کر لیا ہے۔ باطل کے خلاف جنگ اور اسلامی نظام کا انتظار، یہی میری زندگی کا حاصل ہے اور اسی سرمایۂ زندگی کو لے کر میں اپنے مالک کے حضور جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حرفِ آرزُو

دَورِ جدید کے برِصغیر میں اسلامی تحریک کے سب سے بڑے داعی سید ابو الاعلیٰ مودُودیؒ نے دینِ اسلام کا جب یہ تصوّر پیش کیا کہ کائنات کی عظیم الشان وسعت سے لے کر ایٹمی ذرّات تک ہر شے کا حاکم اور بادشاہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے اور رشتۂ بندگی میں سورج، چاند ستاروں سے لے کر انسان تک سب یکساں بندھے ہوئے ہیں تو اس تصوّر نے فی الحقیقت دل و دماغ کو پُرکیف جذب و مستی سے مسحور کرلیا۔ یہ کیفیّت کئی دن تک طبیعت پر فرحت بخش وجدان کی صورت میں طاری رہی۔ اس تصوّرِ دین نے خفتہ جذبات اور بے حس ضمیر میں ایک عجیب قسم کا دھماکہ کیا اور طبیعت نے روایتی روِش سے ہٹ کر انقلابی روِش اختیار کرلی۔

اور پھر تو ہم حاکمِ کائنات کی سپاہِ انقلابِ اسلامی کے ادنیٰ کارکن بن گئے اور اس سے بڑا اعزاز ہمارے علم میں کوئی اور نہ تھا کہ اللہ کے مزدور بن کر اس کے دین کی عمارت کی تعمیر میں جُت جائیں اور اس تعمیر میں اپنا خون، پسینہ اور ہڈیاں تک لگا دیں۔

مولانا مودُودیؒ نے بتایا کہ غیرُ اللہ کے قانون کی موجودگی فی الحقیقت اللہ سے بغاوت کے مترادف ہے اور خدا سے بغاوت پر مبنی ہر نظام سے تعاون کی ہر قسم مسلمان کے ایمان کے منافی ہے۔ جب یہ بات سُنی تو ہم نے انگریز کی اچھی بھلی ملازمتیں ترک کردیں۔ رزقِ حلال، جو نظامِ طاغوت میں تقریباً مفقود ہوتا ہے۔ اس پر

قناعت کرکے رزق کے باقی تمام دروازے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ پر خود بند کر لیے اور نظامِ باطل میں رواجی ترقیات پر لات مار کر راہِ حق کے قافلۂ سخت جان میں شامل ہو گئے۔

ہماری تمنّا اسلامی نظام کو جاری کرنا، ہماری آرزو اسلامی حکومت کا قیام اور ہماری جدّوجہد اسلامی نظامِ حیات کو رائج کرنے کے لیے نظامِ باطل سے کشمکش اور طاغوت سے دُو بدُو جنگ ٹھہری۔ طاغوت سے جنگ یہی ہمارا مسلکِ حیات ہو گیا۔ اسی کو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ قرار دے لیا۔

معلوم ہوا کہ مصر میں اخوان بھی یہی کام کر رہے ہیں تو ہمیں ان سے بھائیوں سے بڑھ کر محبت ہو گئی۔ ان کے رہنماؤں سے اپنے رہنماؤں کی طرح عقیدت ہو گئی جہاں جہاں اسلامی تحریک کی موجودگی کا ذکر سنا ہم ان دیکھے اس کے خادم اور معاون بن گئے۔ ہمارا رشتہ دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں کے ساتھ محبت و تعاون و اشتراکِ عمل کا رشتہ ہو گیا۔

ہمیں مولانا مودودیؒ نے بتایا کہ دین کی بنیادیں قرآن و سنت ہیں۔ قرآن و سنت کے ترازو میں افراد کو تولو اور جسے کھرا پاؤ اسے بلا تعصب قبول کرو۔ افراد کے پیمانے سے قرآن و سنت کو نہ ناپو۔ فرقے اسلام میں کوئی چیز نہیں ہیں۔ ان سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں، ان سے بالاتر رہ کر صرف مسلمان ہوتے ہوئے دین کا کام کرو۔ مسلمانوں کے زوال کا سبب اور اسلام کے نفاذ کی راہ میں سب بڑی رکاوٹ فرقہ ہوتا ہے۔ اس لیے فرقہ بننے سے بچو، فرقہ بندی سے بچو، مناظرہ اور مسائل پر شدت اختیار کرنے سے بچو۔ اسلام چند اصولوں کا نام ہے توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت۔ بس یہی دین کی اصولی بنیادیں ہیں، باقی سب فروعات اور تعبیرات ہیں۔ فروعات اور تعبیرات میں اختلاف کے باوجود دین کی خدمت ہو سکتی ہے۔ سب مسلمان بھائی

بھائی ہیں۔ جو لوگ ان اصولوں سے منحرف ہیں وہ اسلام سے باہر ہیں اور جو لوگ ان اصولوں کے اندر ہیں وہ سب مسلمان ہیں اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ چنانچہ ہم نے فرقہ وارانہ مسائل سے ہمیشہ دامن بچایا اور ان سے بالاتر رہ کر ہمیشہ دین اور مسلمانوں کی خدمت کرنے کی کوشش کی اور پھر اسی مسلک پر قائم رہ کر عمر گزار دی۔

ہمارے نزدیک اُمّت کی فلاح اتحاد میں مضمر ہے ہم نے ہمیشہ ملّت میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں میں علماء کرام ہی اس ملّت کے فطری رہنما ہیں۔ وہی علمِ قرآن وسنت کے حامل ہیں اور انہیں کی قیادت میں یہ اُمّت اپنے کھوئے ہوئے حقیقی نصب العین کو از سرِ نو پا سکتی ہے۔

ظالم بادشاہوں نے یہ نکتہ معلوم کر لیا کہ مسلمانوں کے اتحاد کا راز قرآن وسُنّت پر اتفاق میں مضمر ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن وسنت کی ان متفق علیہ بنیادوں کو پسِ پشت ڈالنے کے لیے دینی طلباء کے نصاب کی اس طرح تدوینِ جدید کی کہ اختلافات اور فتنوں کو خوب اُبھار اُبھار کر نصاب میں رکھا اور اشتراک و اتحاد کی حقیقی بنیادوں، علمِ قرآن وسنت کو مؤخر کر دیا۔ چنانچہ فرقوں کی باہمی اختلافی آراء موضوعِ نصاب بننے سے دینی طالب علموں کی بڑی تعداد اختلافی مسائل میں ہی اُلجھ کر رہ گئی۔ مسلمان ملوک کو بھی علماء کے اختلافات ہی مطلوب تھے تاکہ دین کی قوت مجتمع ہو کر دینی نظام لانے کی جدّ وجہد نہ کر سکے۔ غیر مسلم حکمرانوں نے تو مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو اُبھارنا اپنا ایک خصوصی فن بنا لیا اور اسی فن کی مہارت سے وہ مسلمانوں جیسی حرّیت پسند موحد اور کفار پر غالب رہنے کا داعیہ رکھنے والی بہادر قوم کو ملکوں ملکوں میں اپنا غلام بنانے میں کامیاب رہے، جن کے عذابِ غلامی میں مسلمان صدیوں تک مبتلا رہے۔

مسلمانوں کے ہر مرض کا علاج ان کا باہمی اتحاد ہے۔ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے جو دینِ اسلام ہم تک پہنچایا تھا وہ صرف قرآن و سنت پر مبنی دین تھا اور ان بنیادوں کو ماننے والے سب مسلمان تھے۔ اختلافِ رائے تو خاصۂ فطرتِ انسانی ہے۔ علمی اختلاف تو دین میں ترقی کا زینہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے دین کی ترقی کا زینہ ہی رہنا چاہیئے تھا تاکہ مسائل کی تحقیق و جستجو اور فکر و اجتہاد کا علمی راستہ کھلا رہتا۔ لیکن بدقسمتی سے ملوکانہ ماحول نے ایک طرف اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا اور دوسری طرف اختلاف و انتشار کا پھاٹک چوپٹ کھول دیا۔ مسلمانوں میں نقطۂ نظر کے علمی اختلاف کے سبب بلاشبہ اہلِ سنت، اہلِ تشیع، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، بریلوی، دیوبندی، علوی، صفوی غرض بیسیوں علمی مکاتبِ فکر ہو سکتے ہیں لیکن اگر یہ باہمی تصادم کرنے والے اور ایک دوسرے کو کافر قرار دینے والے متصادم گروہ بن جائیں تو اس سے بڑی مسلمانوں کی بدبختی اور اسلام کی تباہی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مکتبِ فکر جداگانہ مذہب کا نام تو نہیں ہے۔

یہ بات کہ اختلاف و افتراق میں مسلمانوں کی تباہی ہے اس کا احساس اب خود مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کہیں اور کبھی مسلمانوں میں کسی نوعیت کے اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے اور علماء کرام مل بیٹھتے ہیں تو مسلمان عوام خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور مسرت سے حلوے تقسیم کرتے ہیں لیکن جب یہی علماء اور رہنما باہمی جھگڑے اور جنگ آزما ہوتے ہیں تو یہی مسلمان بادلِ ناخواستہ انہیں کے چھوٹے چھوٹے لشکر بن کر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوتے اور جنگ آزمائی کرتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی ان کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ علماء کرام اور رہنمایانِ عظام کو باہمی متحد ہونا اور مسلمانوں کو باہمی بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیئے۔ ان میں یہ احساس شدت سے پایا جاتا ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہمی افتراق

موجود رہا تو مسلمانوں نے عالمِ کُفر کی چند صدیوں کی غلامی کے بعد جو آزادی حاصل کی ہے وہ اس کا بھی تحفظ نہ کر سکیں گے اسلام کی سربلندی کا راز عالم اسلام کے اتحاد میں پوشیدہ ہے جب کہ عالم کفر مسلمانوں اور ان کے دین کے مقابلے میں پہلے سے زیادہ متحدہ جارحیت پر آمادہ نظر آتا ہے۔

اگر مسلمان دشمنوں کو اپنے اور اسلام کے خلاف متحد دیکھ کر واقعی اور حقیقی اتحاد چاہتے ہیں تو انہیں دیکھنا ہو گا کہ ہمارے دشمن بھی ہمارے اندر فرقوں کے لحاظ سے کوئی امتیاز یا رعایت نہیں کرتے ہیں وہ تو صرف ہمارے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہی ہمارے ساتھ معاملہ کرتے اور ہمیں اسلام قبول کرنے کی سزا دیتے ہیں اس لیے لازم ہے کہ ہم بھی صرف مسلمان ہی بن کر رہیں۔ اس صورت میں ہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔ فرقہ کو اختلافِ قیادت اور معیشت کا ذریعہ نہ بنائیں اور فرقہ بندی سے بچنے کی مؤثر تدابیر اختیار کریں۔ اس لیے کہ اتحادِ ملت میں ہی فلاحِ ملت مضمر ہے۔

مسلمانوں کے بنیادی عقائد توحیدِ خداوندی، رسالتِ محمدیؐ، ختمِ نبوت، ایمان بالکتاب اور آخرت کی مسئولیت مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ ان میں کسی فرقے کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف کا آغاز ان عقائد کی تشریحات سے ہوتا ہے جن کے لیے مختلف لوگوں کے مختلف دلائل ہیں اور ظاہر ہے کہ دلیل کی بنا پر اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اس سے کسی کا ایمان زائل یا غیر معتبر نہیں ہوتا۔

ہمیں اتحاد و اتفاق کے لیے صدرِ اوّل کی فضا کو ہی بحال کرنا ہو گا اور اسی کو بنائے اتحاد بنانا ہو گا۔ وہ فضا پیدا کرنے کے لیے اختلاف کے مصنوعی خول

اتار کر ہمیں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرنا ہوگا :-

○ مسلمانوں کی تمام مساجد اللہ کی مساجد ہیں اس لیے ان کا فرقوں سے انتساب ختم کر دیا جائے۔

○ ہر مسجد میں ہر مسلمان نماز ادا کرے۔ کوئی مسجد کسی مسلمان کے لیے بند نہ ہو۔ ہر مسلمان کو ہر پیش امام کے پیچھے اپنے فقہی مسلک کے مطابق نماز ادا کرنے کا حق حاصل ہو۔ ہر مسلمان کی نماز ہر مسلمان کے پیچھے ادا ہو سکتی ہے جیسے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ہوتی تھی۔

○ مسلمانوں کے تمام اسلاف، سب مسلمانوں کے لیے محترم ہیں۔ کوئی گروہ کسی کے اسلاف کے بارے میں نازیبا زبان استعمال نہ کرے۔ یہی قرآن کی ہدایات ہیں۔ یہی اسوۂ رسولِ اکرمؐ ہے۔

○ جس آبادی میں جس مسلک کے مسلمان اکثریت میں ہوں، اس آبادی کا پیش امام اسی مسلک کا ہو اور دوسرے مسلک کے مسلمان اس کے پیچھے نماز ادا کریں۔

اگر ان امور کا اہتمام کر لیا جائے تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ چند سال کے عرصے میں مسلمانوں میں فقہی مسالک کی بنا پر جو تلخی اور جدائی ہے وہ کم ہوتی چلی جائے اور مسلمان بتدریج فرقہ بندی کے متفرق پلیٹ فارموں سے اُٹھ اُٹھ کر ملتِ واحدہ کے متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔ ہمارے نزدیک اتحادِ ملت کا یہی ایک نسخہ ہے اور اسی میں ملتِ مسلمہ کا مستقبل محفوظ ہے۔

◉

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو فکر پیش کی وہ یہی فکر تھی۔ ان کی اسی فکر کا مظہر ان کی وہ اسلامی تحریک بن گئی جس نے اپنی صفوں میں کسی نوعیت کی کسی فرقہ بندی کا کوئی احساس پیدا نہ ہونے دیا اور امت کو فقہی مسلک کی بجائے

قرآن وسنت کے متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی۔

اسی وسعتِ قلبی کا نتیجہ تھا کہ سید مودودیؒ کی فکر جس قدر اسلامی انقلاب کی داعی تھی، اسلامی اتحاد کی بھی اسی قدر داعی تھی۔ انہوں نے ہر موقع اور ہر اہم مسئلے پر اُمت کے اکابرین کو جمع کرنے کی کوشش کی چاہے وہ قرار دادِ مقاصد کا مسئلہ ہو یا اسلامی دستور کا مسئلہ ہو یا علماء کے متفقہ ۲۲ نکات ہوں یا فیملی قوانین پر علماء کا تبصرہ ہو، انہوں نے عمر بھر اتحادِ ملت کو ہی انقلابِ اسلامی کا ذریعہ شمار کیا۔

اوّل روز سے ہم اسلامی انقلاب کے علمبردار رہے ہیں۔ اسلامی انقلاب ہمیشہ ہمارے دلوں کی دھڑکن رہا۔ ہم اس کی چاپ اپنے خوابوں میں بھی سنتے رہے ہیں۔ ہم کبھی اس کی محبت اور اس کے قیام کی جدّوجہد سے فارغ نہیں ہوئے۔

اسلامی انقلاب سے ہماری قلبی محبت کا ہمیشہ یہ عالم رہا کہ جس کسی نے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہا، وہی ہماری آنکھ کا تارا بن گیا اور ہم نے اسے بھی اپنے ہی وفا آشنا گروہ کا ساتھی سمجھا۔ ان احساسات کی سرخوشی میں حالاتِ زمانہ پر نگاہ کرتے ہوئے کبھی ہم نے سوچا کہ اسلامی انقلاب پاکستان میں آئے گا اور ہم اس کے لیے جانیں لڑائیں گے اور کبھی ہم نے محسوس کیا کہ وہ مصر میں آئے گا اور ہم اس کے خادم ہوں گے۔ کبھی ہم نے ترکی میں اس کی آمد کی دھمک محسوس کی اور کبھی حالات نے انڈونیشیا کی طرف اشارہ کر دیا۔ غرض جس جس سمت سے انقلابِ اسلامی کا آوازہ بلند ہوا ہمیں ادھر سے ہی محبت بھری خوشبودار ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ اسی جنونِ عشق میں اگر ہم یہ سُنتے کہ وہ انقلاب جس کا انتظار ہم صدیوں سے کر رہے ہیں جو کبھی اِدھر سے آتا ہوا محسوس ہوتا ہے تو ہم اِدھر متوجہ ہو جاتے ہیں اور کبھی اُدھر سے آتا ہوا نظر آتا ہے تو ہم اُدھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ان حالات میں ہم یہ سُنتے کہ وہ انقلاب سائبیریا کے میدانوں اور ٹنڈرا کے برفستانوں

میں آگیا ہے تو بخدا ہم جو اسلامی انقلاب کے لیے نصف صدی سے زندگیاں لگائے بیٹھے ہیں ہم وہاں بھی سر کے بل پہنچنے کی کوشش کرتے اور اپنی پلکوں سے اس محبوبِ جہاں کا راستہ صاف کرتے اسلیے کہ اسلامی انقلاب ہمارے دل کی دھڑکن کا نام ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یکایک وہ انقلاب ایران میں رُونما ہو گیا ہے اور امام خمینی کی قیادت اس کی حدی خواں ثابت ہوئی ہے۔ جب بعض ایرانی دوست اس انقلاب کا پیغام لے کر سیّد مودُودی کے پاس آئے تھے تو ہمیں یاد ہے کہ سیّد مودُودی بیماری کے باوجود مسرت سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ انہوں نے اسے خالص اسلامی انقلاب قرار دیا تھا اور اس کی آمد پر اپنی دلی مسرّتوں کا اظہار کیا تھا۔ وہ اس تحریک کو بھی اسلامی تحریک قرار دیتے تھے جو اس انقلاب کو برپا کرنے والی تحریک تھی اور وہ اس انقلاب کو بھی اسلامی انقلاب قرار دیتے تھے جو اس تحریک کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ انہوں نے امام خمینی کو مبارکباد کا پیغام ارسال کیا تھا۔

اس لیے یہ تو واقعہ ہے کہ یہ اسلامی انقلاب ہے۔ اس میں کوتاہیاں اور کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ صدیوں کے بعد دَورِ جدید میں جو انقلاب منہاجِ نبوت کا راستہ اختیار کرے گا اس کے سامنے دَورِ جدید کا کوئی نمونہ تو نہ ہوگا۔ چنانچہ اس سے غلطیوں کا امکان موجود ہے وہ تمام مسلمان دانشوروں کے مشوروں کا محتاج ہے۔ لیکن وہ ایک اسلامی انقلاب ہے اور اسلامی انقلاب کے سوا اسے اور کچھ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس انقلاب میں مسلمان اللہ کے راستے میں خون بہائیں، شہادت قبول کریں، جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر اللہ کے راستے کو اپنے خون سے سیراب کریں اور صدیوں سے اسلامی انقلاب کے راستے کے سب سے بڑے پتھر ملوکیت کو اپنے خون کے سیلاب سے بہا کر لے جائیں اس کے اسلامی انقلاب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ملوکیت کی وہ چٹان جس نے ہمارے اسلامی تاریخی دھارے

کا رُخ انصاف سے ظلم کی طرف، اخوت سے بندگی اور آقائی کی طرف، توحید سے شرک کی طرف، حق گوئی سے خوشامد کی طرف موڑ دیا تھا۔ جس نے مسلمانوں کے کردارِ حریّت کو بُری طرح مسخ کر دیا تھا جس نے مسلمانوں کے اسلامی اور انقلابی کردار کو مجروح کر کے انہیں تاریخ کی شاہراہ پر بے جان لاش کی طرح ڈال دیا تھا۔

اس ظالم خون چوسنے والی ملوکیّت کا جس انقلاب نے جس معاشرے میں بھی ضربِ حیدری رضؓ سے کچومر نکال دیا ہے۔ وہ انقلاب یقیناً اسلامی انقلاب ہے۔ کسی الماوردی کو، فلسفۂ ملوکیّت کے کسی ماہرِ نظریہ ساز کو اپنے کسی نظریۂ ضرورت کے تحت اس انقلاب پر اعتراض ہو تو ہوا کرے۔ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کو اس انقلاب پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دینِ خدا کے ویران راستے پر، جس راستے پر مدّتِ دراز سے احقاقِ حق کے لیے کسی نے خون نہ بہایا تھا، افغانستان اور ایران کے انقلابی مسلمانوں نے راہِ خدا میں خون بہا بہا کر اس دور میں مسلمانوں کی تاریخ کو از سرِ نو مزیّن کر دیا ہے اور باطل کے راستے میں جہاں ہزارہا گمراہ انسان ملک ملک میں خون بہا رہے ہیں وہاں خدا و رسولؐ کے نام پر اسلام کے راستے میں خون بہا کر افغانی اور ایرانی مسلمانوں نے اسلام کی آبرو کا سامان کیا ہے۔ ہم اس انقلابِ اسلامی کا تہِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں

سفرنامه

maablib.org

آمد آں یارے

جس انقلاب کا انتظار تھا اور جس کے انتظار میں ہم لڑکپن اور جوانی گزار آئے تھے اور اب ابتدائی بڑھاپا گزار رہے تھے جس کیلئے یہ سارا عرصۂ حیات ہم نے مسلسل جدّوجہد میں ہی گزارا تھا۔ اس انقلاب کی آمد کا چرچا ہم نے ایران میں سُنا تھا ہم وہاں اُڑ کر پہنچنا چاہتے تھے۔ یہ انقلاب تو اگر قطب جنوبی میں بھی آتا تو ہم پیاسے چکوروں کی طرح اس آبِ حیات پر پہنچتے۔

معلوم ہوا تھا کہ جابر بادشاہ کے جبر و تشدّد کے سارے ہتھیار کُند ہو گئے تھے اور اس کا سب کچھ شہداء کے قلزمِ خوں میں ڈوب گیا تھا۔ وہ انقلاب اپنی پوری رعنائی اور آب و تاب کے ساتھ ایران میں آگیا تھا اور وہاں کے نوجوان اس کے پاسدار، وہاں کے دانشور اس کے محافظ، وہاں کے علماء اس کے دست و بازو، وہاں کی مستورات اس کے عقبی مورچے کی امین اور وہاں کے امام خمینی اس قافلے کے سالار تھے جو اپنے آپ کو خادمِ ملّت کہتے تھے۔

یہ بات اسلامی انقلاب کے سربراہ کے عین مزاج کے مطابق تھا۔ سادہ، درویش صفت، متوکّل اور صابر۔ مخدوم ہوتے ہوئے بھی خادم۔

اس طرح اسلامی انقلاب ہمارے دیکھتے دیکھتے موسم برسات کی طرح ایران میں رحمت کی گھٹا بن کر چھا گیا تھا اور ہم اسی کا مطالعہ کرنے کے لیے جا رہے تھے۔

ہمارا طیارہ تہران کے شہر پہ گردش کر رہا تھا۔ دھواں دھار بادلوں میں سے کہیں کہیں بہت نیچے شہر کا نقشہ سا نظر آتا تھا جیسے کسی شہر کا بڑا سا بلو پرنٹ نیچے بچھا ہوا ہو، جیسے وہ کوئی خوابوں کا شہر ہو۔

اسلامی انقلاب کے حوالے سے وہ ہر اسلامی انقلابی شخص کے لیے خوابوں کا شہر بن گیا تھا۔ کبھی اس شہر میں مغربی تہذیب کا دیو استبداد ناچتا تھا جو مظلوموں پر گولیاں برساتا اور کمزوروں کو اپنے مضبوط آہنی جبڑوں میں پیستا تھا۔ اس شہر کی ملوکیت اور شہنشاہیت کا دُور دُور تک چرچا تھا۔

پھر یہ چرچا بھی سُنا تھا کہ یہاں کے عوام ظلم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ظلم کے ٹینکوں، ظلم کی گولیوں اور ظلم کے لشکروں سے ٹکرا گئے تھے۔ اس ٹکراؤ میں بے شمار مظلوم شہید ہوئے، بس ایک کربلا ہی برپا ہو گئی تھی ۔ لیکن صدیوں بعد اس کربلا میں حسین بچ گیا اور یزید مارا گیا تھا۔ صدیوں بعد یہاں کربلا کا بدلہ پورا ہو گیا تھا ۔ خلافت جیت گئی اور ملوکیت ہار گئی تھی۔

◉

ہم اسی شہر آشوب پر محوِ پرواز تھے۔ اسی شہر کے ائرپورٹ پہ جہاں چوبدار شہنشاہیت شاہ پور بختیار نے ٹینک کھڑے کر دیے تھے تاکہ امام خمینی کا طیارہ اُترنے نہ پائے لیکن جو طیارے قضائے مجرم بن کر آتے ہیں ان کو اُترنے سے روکنا قضا کو روکنے کے مترادف ہوتا ہے۔ امام کا طیارہ اُتر گیا تھا اور شاہ پور بختیار کا چڑھا ہوا نشۂ اقتدار بھی ساتھ ہی اُتر گیا تھا۔ اب اسی ائرپورٹ پر ہمارا طیارہ بھی اترنے کے لیے منڈلا رہا تھا۔

کتنی ہی باتیں دل و دماغ میں دھوم مچا رہی تھیں اور دل سینے میں دھڑک رہا تھا۔ یہاں ایک اسلامی انقلاب آگیا تھا۔ یہ تاریخ کا عجوبہ اور چودھویں صدی کے آخری

عشرے کا معجزہ تھا۔ صدیوں کے بعد تاریخ نے اپنا ورق اُلٹ دیا تھا۔ یہاں شیعہ حضرات کی اکثریت نے شہنشاہیت کا بُت اکھاڑ پھینکا تھا۔ کیا یہ کوئی شیعہ انقلاب ہے؟ کیا یہ صرف ایرانی لوگوں کی اپنے جبّاروں سے قومی آزادی کا حصول ہے؟ کیا یہ لوگ اس انقلاب کو اشتراکیوں کی چالبازیوں اور دست برد سے محفوظ رکھ سکیں گے؟ کیا یہ لوگ دوسری طاقتوں کو بار بار چیلنج کر کے اپنی ہستی کو بچا لے جائیں گے؟ ایک طویل سیاسی عوامی تحریک نے ان کی اقتصادی بنیادوں کو کھوکھلا تو نہیں کر دیا ہو گا۔ کیا یہ مغرب کی اقتصادی بالادستی کا مقابلہ کر سکیں گے؟ خیالات بادلوں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اُفقِ ذہنی پر مسلسل منڈلا رہے تھے اور طیارہ بھی فضا میں منڈلا رہا تھا۔

یکایک ائر ہوسٹس کی آواز طیارے کی فضا میں گونجی۔ "تمام بہنوں اور بھائیوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اسلامی جمہوریہ ایران کے شہر تہران میں اُتر رہے ہیں۔ یہاں اسلامی احکام کی پابندی ضروری ہے اس لیے تمام بہنوں سے التماس ہے کہ وہ اسلام کی ہدایات کے مطابق شرعی حجاب کا اہتمام کر لیں۔" ہمارے لیے یہ انتہائی خوشگوار اعلان تھا جس نے مسرت کی ایک زندہ لہر ہماری رگوں میں دوڑا دی۔

ایرانی طیارے کی ائر ہوسٹس سر سے پا تک مکمل باپردہ لباس میں تھی اور وہ صرف خواتین اور بچوں کی خدمت پر مامور تھی۔ مردوں کی خدمت کے لیے مرد خدّام علیحدہ موجود تھے۔ اس صورتِ حال سے دل مسرّت سے سینے میں اچھلنے لگا۔ جیسے ہم اپنے روحانی وطن میں آ گئے تھے۔

یہ تو اسلامی انقلاب کی مبارک سرزمین کی پُر محبت فضا تھی۔ اس فضا کے لیے ہم صدیوں سے ترس رہے تھے۔ بالکل سامنے ائرپورٹ کی عمارت پر کپڑے کا نمایاں

کتبہ لگا ہوا تھا جو ہوا میں پھر پھر اپھر پھر اکر ہمیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

"مہمانانِ گرامی قدر۔ خوش آمدید، خوش آمدید"

اور جب ہم عمارت کے اندر داخل ہوئے تو ہوائی کمپنی کا عملہ اور پاسدارانِ انقلاب کا ایک چھوٹا سا دستہ ہمارا استقبال کرنے کو موجود تھا۔ ہم ایئرپورٹ میں داخل ہو گئے اور یوں محسوس ہوا جیسے اپنے ایک گھر سے نکل کر اپنے دوسرے گھر میں آ گئے تھے۔

معمولی سے توقف اور آرام کے بعد ہمیں چلنے کے لیے اشارا ہوا، باہر نکل کر ہم ایک بس میں بیٹھ گئے جو مہمانوں ہی کو لینے آئی تھی۔

○

ایئرپورٹ سے آزادی ہوٹل تک کا سفر تہران کو دیکھنے اور اس کی دیواروں پر انقلابِ اسلامی کے نشانات و اعلانات پڑھنے کا پہلا تجربہ تھا۔ ساری تحریکِ اسلامی، سارا عوامی جوش و خروش اور سارے مراحلِ انقلاب دیواروں پر درج تھے۔ در و دیوار انقلاب کی تاریخ، انقلاب کے مراحل، انقلاب کی نوعیت اور کیفیت اور انقلاب کی سمت اور منزل بتا رہے تھے۔ کونسی شے تھی جو دیواروں پر کندہ نہ تھی۔ ہم بوندا باندی کے سماں میں محوِ حیرت و نظارہ چلے جا رہے تھے۔

تہران میں آزادی ہوٹل مہمانوں کے ٹھہرانے کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ یہ ہوٹل پہلے کسی یہودی کا تھا جو انقلاب کے دوران میں بھاگ گیا تھا اور اب حکومت نے یہ ہوٹل بنیاد شہداء کے حوالے کر دیا تھا۔ بنیاد شہداء (MARTYRS FOUNDATION) کا ادارہ انقلاب اور جنگ میں شہید ہونے والے شہداء کے خاندانوں کی امداد و وظائف کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اپنے پہلے دور میں یہ ہوٹل شراب نوشی اور فحاشی کا اڈہ اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا اور اب "ہوٹل آزادی" بننے کے

بعد اس میں نمازیں، اسلامی موضوعات پر مذاکرے، اسلامی تعلیمات کی چہل پہل اور ہر طرف اسلامی انقلاب کے چرچے تھے۔

○

اس سالانہ تقریبِ اسلامی انقلاب میں شمولیت کے لیے جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی وہ حکومتوں کے نمائندے نہ تھے بلکہ یہ سب وہ لوگ تھے جو اپنے ملکوں میں اسلام کی تبلیغ اور اسلامی انقلاب کے لیے کام کر رہے تھے۔ یہ سب انقلابی اور نظریاتی لوگ تھے۔ ان میں سے کسی کا نقطۂ نظر بھی سرکاری یا کسی مخصوص گروہی پالیسی کا پابند نہ تھا۔ ۸۰ ملکوں کے تقریباً ۵۰۰ نمائندے آئے تھے جو تمام تر اسلامی انقلاب کے علمبردار اور اسلامی تعلیمات کے مبلّغ تھے۔ ان کے درمیان اسلام ایک نظریۂ حیات اور ایک مشن کی حیثیت سے قدرِ مشترک تھا۔ ان کے موضوعات اسلامی تھے، ان کے پروگرام اسلامی تھے اور ان کی جد وجہد کا منتہائے مقصود بھی اسلام تھا۔ کوئی جاپان سے آیا تھا اور کوئی دور دراز کے افریقی ممالک کینیا، زمبیا اور ایتھوپیا سے۔ اس طرح مختلف اسلامی تحریکوں کے عالمی سطح کے ہم رنگ کارکن جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اجتماع جو تہران میں انقلابِ اسلامی کے علمبرداروں نے بلایا تھا۔ یہ اپنی نوعیت، کیفیت، ضرورت اور ہیئت کے لحاظ سے ایک "اسلامک انٹرنیشنل" (ISLAMIC INTERNATIONAL) کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی سرگرمیوں اور ہفتہ بھر کے پروگراموں میں یہی رُخ نمایاں تھا۔ اسلامی انقلاب ان لوگوں کے دلوں کی دھڑکن، ان کی گفتگوؤں کا موضوع اور ان کی جد وجہد کا عنوان تھا۔ اس اعتبار سے اس اجتماع کو ایک تاریخی حیثیت حاصل تھی۔ یہ اجتماع اس امر کا منہ بولتا ہوا ثبوت تھا کہ صدیوں بعد اسلام نے ایک عالمی مشن کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور وہ دَور گزر گیا تھا جب اس کے ماننے والے دنیا کے سامنے اپنے

معتقدات کے لیے معذرت خواہانہ روش اختیار کیا کرتے تھے۔ اب اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا دَور شروع ہو چکا تھا اور اسلام ایک انقلابی اور جہانی مشن کی حیثیت سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس انقلاب کے ذریعے دَورِ جدید میں اسلام کی انقلابی قوت کا سب سے پہلا دھماکا ایران میں ہوا تھا جس کے مطالعے اور مشاہدے کے لیے دنیا بھر سے اسلام کے انقلابی کارکن یہاں چل کر آئے تھے۔

○

ہوٹل ۲۶ منزلہ عمارت تھی اور اب کئی دن کے لیے یہ اسلام کے عالمی کارکنوں اور خادموں کی عارضی قیام گاہ تھی۔ اس امر کا اہتمام کیا گیا تھا کہ تمام نمائندے بار بار ملتے رہیں۔ کبھی مذاکرے کے ہال میں، کبھی ایرانی تحریک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نشر و اشاعت کے میزوں، گوشوں اور کمروں میں اور کبھی اندرونی اور بیرونی مرتّب شدہ پروگراموں میں، ایک بھرپور مرتّب شدہ پروگرام ہمارے سارے اوقات کو مصروفیت کے دائرے میں لیے ہوئے طبع شدہ موجود تھا۔ ہوٹل کے کوریڈور، کمرے، سیڑھیاں، ہال، چائے خانے، کھانے کے کمرے، لفٹ کے دائرے اور دروازے تک اسلام کے نظریاتی لٹریچر کے اقتباسات، کتبوں، جملوں اور انقلابی نعروں سے سجے ہوئے تھے۔ اس میں ایک طرف چھوٹا سا بنک تھا، بک سٹال تھا، جنرل اسٹور تھا اور ہر جگہ ایران کی اسلامی تحریک جگمگاتی، مسکراتی، جدوجہد کرتی، کٹھن مراحل سے گزرتی، قربانیاں دیتی، عوام کو اپنے دلکش دھارے میں بہاتی اور بالآخر اسلامی انقلاب برپا کرتی دکھائی دیتی تھی —— اس نوعیت کی جگہ تھی جس میں ہم جا کر اترے تھے اور ہمارے لیے شناختی کارڈ، رہائشی کمرہ کارڈ اور خادم کا انتظام ہو گیا تھا۔ یوں ہم اپنی اسی انتظار بھری زندگی میں ایک اسلامی تحریک کے توسط سے ایک اسلامی انقلاب کے مہمان ٹھہرے تھے۔ بس یہ ایک ابوالحسن کا سوتے جاگتے کا خواب معلوم ہوتا تھا۔

اسلامی انقلابؒ اور ملوکیّت

ایران میں اسلامی انقلاب لانے والی اسلامی جماعت اپنے فلسفۂ انقلاب کو بہت اہمیّت دیتی ہے۔ اس کے نزدیک ہر دَور کا حقیقی طاغوت ملوکیّت ہے۔ چاہے وہ دَورِ قبلِ اسلام کے انبیاء کا ابراہیمی یا موسوی دَور ہو یا بعد اسلام کے انقلابی امام خمینی کا دَور ہو۔ ہر جگہ ملوکیّت غیر اللہ کی حمایت میں اپنا خاص کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی تحریک بھی وہیں نمودار ہوتی ہے جہاں طاغوت موجود ہوتا ہے اور غیر اللہ کی بندگی سے ہی طاغوت کا وجود تشکیل پاتا ہے۔ یہی ملوکیّت درحقیقت پورے دَورِ انسانی میں اسلامی انقلاب کی حریف رہی ہے۔ خود مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اسلام کی تعلیمات سے منحرف اور سرکش حکمران کا کردار بہت ہی ہولناک کردار ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ جابر حکمران ہی ہے جس نے پوری اسلامی تاریخ کو مسخ کرکے رکھ دیا ہے تو یہ بات حقیقت کے عین مطابق ہے۔ مسلمانوں کے طرزِ حکومت میں ملوکیت کا ادارہ صریحاً اسلام کے مزاج کیخلاف اسلامی تاریخ میں جبراً نصب کیا گیا ہے اور اس طرح ایک طرف ادھر مسلمان انقلابیوں کے دُنیا کی راہنمائی کے لیے بڑھتے ہوئے قدم روکے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کو دنیا کی دیگر قوموں کے مقابلے میں مسلسل پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ رکھا ہے۔

جابر حکمران کے ملوکانہ کردار کے سبب ہماری تاریخ جبر و تشدد اور بُنیادی

حقوق کے اتلاف کی تاریخ بن گئی ہے اور ہمارے اندر ملوکیت کی روایت نے صدیوں کے دور کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے جہاں ہمارا اصلاح یافتہ دور دنیا سے منفرد ہے وہاں ہمارے بگاڑ کا دور بھی دنیا بھر سے نرالا ہے۔ ہم اصلاح یافتہ ہوں تو خلافت راشدہ کے طرز پر ایسی مثالی اسلامی ریاست قائم کرتے ہیں جس کی مثال پوری انسانیت کے پاس موجود نہیں ہے اور ہم بگاڑ کا شکار ہوں ـــــ تو جبر و تشدد کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ نواسۂ رسول کو کربلا میں ذبح کرتے۔ اور امام احمدؒ بن حنبل جیسے حق گو متقی شخص کو برسوں تک کوڑے لگاتے ہیں کہ وہ قرآن کو مخلوق کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ ہمارے مثالی دور میں ہمارے نوجوان سپاہی حمص کے بازاروں میں گزر جائیں تو ان کی نگاہِ تقویٰ شعار بالاخانوں پر آراستہ و پیراستہ حسن سے ملوث نہیں ہوتی اور بگاڑ کے زمانے کے واجد علی شاہ سیڑھیاں چڑھنے کے لیے بھی بیسواؤں کا سہارا لیتے ہیں جہاں ہم اپنے خلیفہ کا برسرِعام احتساب کر سکتے ہیں وہاں ہم شاہوں کے قصیدے کہنے میں بھی سب سے بازی لے جاتے ہیں۔ ہمارا یہ مزاجی عدمِ اعتدال حیران کن ہے۔ دنیا میں قوموں کے عوام نے اٹھ اٹھ کر اپنے جابر بادشاہوں سے پنجہ کشی کی۔ انہیں اپنے حقوق ملنے پر مجبور کیا۔ ان کے اختیارات کو تحریری دساتیر اور ذمہ داریوں کے دائرے میں محدود کیا اور ان کے تقرر اور معزولی کا ایک باضابطہ انتخابی ٹائم ٹیبل مرتب کر لیا لیکن ہمارے پاس بادشاہی اور مطلق العنانی کے نمونے آج بھی دنیا میں ہر کہیں موجود ہیں۔ دوسروں کے ہاں بادشاہت حرام نہ تھی لیکن انہوں نے اس سے پیچھا چھڑا لیا۔ ہمارے ہاں مشاورت لازم کی گئی تھی لیکن ہمارے ہاں مطلق العنانی کا دور دورہ اب تک جاری ہے۔

اس زوالِ فکر و عمل اور حریت و آزادی سے عدمِ دلچسپی کا حقیقی سبب

ہماری بے علمی اور بے حسی ہے اور ہمارا علاج آگاہی شعورِ ذات اور بیداری میں مضمر ہے۔ درحقیقت ہمارا بحران کردار کا بحران ہے۔ جو قوم اصولوں پر قائم کی گئی ہو وہ ان اصولوں کے کمزور ہوتے ہی نظریاتی قوم نہیں بلکہ ایک چڑیا گھر بن جاتی ہے۔ اگر ایک بار اس قوم میں قول وفعل میں یکسانیت پیدا ہو جائے اور ایک بار اس کے اندر اور باہر کا انسان باہمی مماثلت پیدا کرلے تو پھر سارا فتنہ مٹ جاتا اور ساری مایوسی کافور ہو جاتی ہے۔ قوموں میں جبر وتشدد، ظلم وزیادتی، بے انصافی اور بے عدلی، قطع رحمی اور بے مروتی عدل واحسان فراموشی اور قانون کی پامالی یہ سب بیماریاں کردار کے بحران سے ہی نمودار ہوتی ہیں۔ کردار کے بغیر ہمارے سارے خوش آئند نعرے ہوائی بلبلے بن جاتے ہیں۔ ہماری اعلیٰ مقاصد کی تحریکات اس سبب سے سیل ارم ثابت ہوتی ہیں۔ ہمارے سارے ادارے اس کے سبب دھوکے کی ٹٹیاں بن جاتے ہیں۔ ہمارے سارے وعدے اس کے سبب پامال ہو جاتے ہیں۔ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ ہمارے ملی کردار کا بحران ہے۔ اس ملی کردار کے طویل بحران کے نتیجے میں ہمارے اندر بالآخر وہ ہولناک کردار پیدا ہوا جو اقتدار کا دیوانہ۔ کرسی کا متوالا اور جبر وتشدد کا شائق کردار ہے۔ یہ جابر حکمران ہے۔ یہ مر سکتا ہے لیکن کرسیٔ اقتدار سے نہیں ہٹ سکتا۔ ہمیں منصب کی امیدواری سے روکا گیا لیکن حصولِ منصب کے بارے میں ہماری ملی کمزوری اس کمال کو پہنچی ہے کہ لوگ اپنے باوں بھائیوں اور اہل بیت تک کو تلوار کی نوک پر رکھ لیتے رہے جابر حکمران کا یہ کردار اسلام کے اصولوں کو زبان پر رکھتا اور اسلام کے ماننے والوں کو تلوار کی دھار پر رکھتا ہے۔ یہ کردار ہمارے تاریخی بگاڑ کی پیداوار ہے۔ ہماری تاریخ کا خوفناک عفریت فاسق اور فاجر حکمران کا بھیانک کردار ہے۔ جو اپنی حکومت کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔

ہماری پوری تاریخ میں جابر حکمران کا یہ ہیبت ناک کردار حیرت انگیز قوت و ہیبت کے ساتھ اسلامی تعلیمات اور مسلمان ملت کی ساری روایات پر پانی پھیرتا اور ان کے سارے اعتقادات کو اُلٹ پلٹ کرتا چلا آرہا ہے۔ یہ کردار ایک بلائے بے درماں ہے۔ ایک غولِ بیابانی ہے۔ بُرائی کا ایک رواں دواں سرچشمہ ہے۔ فسق و فجور کا بہتا ہوا لاوا ہے۔ خرابیوں کا جھکڑ اور تباہیوں کی آندھی ہے۔ اس نے مسلمانوں کی ساری تاریخ کو دنیا کے چہرے پر بدنام کرکے رکھ دیا ہے۔ اس نے مسلمان قوم کو آج تاریخ انسانی میں وہ کچھ بنا کر رکھ دیا ہے جو کچھ بننے کے لیے وہ برپا نہیں کی گئی تھی۔

یہ کردار یزداں کے مقابلے میں گویا اہرمن کا وجود ہے۔ نیکی کے مقابلے میں بدی کا مظہر ہے۔ شرافت کے مقابلے میں ظلم و ستم کا نمونہ ہے۔ سنت کے مقابلے میں بدعت کا علمبردار ہے۔ حق کے مقابلے میں باطل کا ہمالہ ہے۔ یہ کردار مسلمانوں کی نظریاتی تباہی اور عملی بربادی کا سبب سے بڑا ذمہ دار بلکہ علمبردار ہے۔ اسی نے مسلمان قوم کو دنیا کی رہنمائی سے پستی کے مقام پر دھکیل دیا ہے۔ کیمیا سے راکھ اور کندن سے مٹی بنا دیا ہے۔ ہیرے سے کوئلہ اور تلوار سے چھڑی بنا دیا ہے۔ اس بُرے کردار نے مسلمان کو آزاد سے غلام اور اللہ کے بندے سے بندۂ ہوا و ہوس بنا دیا ہے۔ اس کردار نے مسلمان کی ایسی صورت مسخ کی ہے کہ اسے تاریخ کے چہرے پر دنیا کے لیے پہچاننا مشکل ہوگیا ہے۔ کیا یہ وہی مسلمان ہیں جنہوں نے خلافتِ راشدہ قائم کی تھی ــــــ دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ گو ہمیں اسلام پسند ہے لیکن موجودہ مسلمان جس اسلام کا پیرو ہے اسے قبول کرکے ہم ذلت و نکبت کے گڑھے میں گرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ فاسق حکمران کا کردار ہے جو ہم پر صدیوں سے مسلط چلا آتا ہے اور جس نے ہماری ملت کے سارے تالاب کے پانی کو گندا کر دیا ہے۔ یہ

غیروں کے مقابلے میں بزدل لیکن اپنوں کو کچلنے میں ہمیشہ شیر دل رہا ہے ۔ ہمارے بحرانوں کا سب سے بڑا ذمہ دار فاسق حکمران اور فاسق قیادت رہے ہیں ۔ ہم انفرادی طور پر اتنے بُرے نہیں ہیں جتنا ہماری اجتماعی زندگی کے ذمہ دار لوگوں نے ہمارا چہرہ مسخ کر دیا ہے ۔

ہماری تاریخ میں جب کبھی کوئی نیک حکمران آیا تو گویا معاشرے کی دُنیا ہی اچانک بدل گئی اور یوں محسوس ہوا جیسے اندھیری رات میں اچانک چاند طلوع ہو گیا ہے لیکن جب موسم بدلا اور فاسق کردار اُوپر آیا تو بس پھر پوری قوم کی شامت آ گئی ۔ کہیں حسینؓ کی کربلا منعقد ہو گئی ۔ کہیں احمد بن حنبلؒ پر کوڑے برسنے لگے ۔ کہیں ابنِ تیمیہؒ اور ابو حنیفہؒ جیل خانوں میں دم توڑتے دکھائی دینے لگے ۔ کہیں حق گو مجددؒ کو گوالیار کے قلعے کے حوالے کیا گیا اور کہیں کسی شاہ ولی اللہؒ کے پنجے اتروا دیئے گئے ۔ غرض مسلمانوں کے اندر یہ ایک ایسا ہولناک کردار ہے جس نے نیکی کو مٹانے اور برائیوں کو پھیلانے کی مہم صدیوں سے شروع کر رکھی ہے ۔ یہ رہنمائی کے نام پر ہماری رہزنی کرتا ہے ۔ یہ قوم کو بزدل اور قابلِ فروخت مال بناتا ہے ۔ اس نے ہمیں روندتے ہوئے ۱۴ صدیوں سے زیادہ مدت گزار دی ہے اور ہم وہ سخت جاں قوم ہیں جو اس ساری رگید کے باوجود اب بھی اپنی اقدار کو پہچانتے ہیں ۔ اپنی آرزوؤں کو خالص رکھتے اور انہیں سینے سے لگائے چلے آتے ہیں ۔ ہماری ہڈی بڑی مضبوط ہے لیکن صدیوں تک ہم نے اس کردار کے خلاف اگر کوئی جد و جہد کی ہے تو وہ صرف انفرادی کوشش تک محدود رہی کوئی ایک فرد اٹھ کر للکارتا ہے اور رحمۃ اللہ علیہ ہو کر عجائب خانۂ ملت میں اپنا قابلِ احترام مقام پا لیتا ہے ۔ باقی سب لوگ سوئے رہتے ہیں ۔ یہ قافلہ ۱۴ صدیوں سے دنیا کے چوراہے پر سو رہا ہے ۔

آج چودہ صدیوں بعد ایران کے مسلمانوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ وہاں پوری قوم نے اس کردار کے غیر محمودی رویہ کو چیلنج کیا ہے۔ اس کی مخالف عوام کارروائیوں پر احتجاج کیا ہے۔ یورپ کے غیر مسلم معاشروں میں یہ کام پوری پوری قومیں خود کرتی رہی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے آمروں سے بہت جلد نجات پاگئیں اور اگر کوئی شخص قوم کی غلطی سے نشہ پاکر جابر بن بھی گیا تو قوم نے تھوڑی سی اجتماعی جد وجہد سے اسے اکھاڑ پھینکا لیکن ہمارے ہاں تو اجتماعی جد وجہد کا تصور ہی مفقود چلا آتا تھا۔ اس میں بے شمار فقہی رکاوٹیں بیان کی جاتی تھیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب مسلمان قوم کے مستقبل میں واضح انقلابی تبدیلیوں کا آغاز ہوگیا ہے۔ یہ بڑا ہی مبارک وقت ہے کہ مسلمان قوم صدیوں کے بعد اپنی نیند کو جھٹک کر بیدار ہو رہی ہے۔ انسانوں کی انفرادی قربانیاں دنیا و آخرت میں بلند درجات پانے کا ذریعہ بنتی ہیں لیکن جب کوئی پوری قوم بیدار ہو کر کوئی عمل کرتی ہے تو اس سے معاشرے میں اصلاحی اور عملی تبدیلی کا انقلابی آغاز ہوتا ہے۔ پھر کوئی سیاسی، اقتصادی داخلی اور خارجی بحران بھی اس کی منزل کھوٹی نہیں کر سکتا۔ اصل مطلوب شے ملت میں شعورِ ذات کی اجتماعی بیداری ہے۔ یہ شے حاصل ہو جائے تو پھر کوئی نقصان بھی دیرپا نہیں ہوتا اور کوئی نفع بھی پہنچ سے باہر نہیں رہتا۔ اب ہمارے گردونواح میں اسلامی انقلابات انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ اب بظاہر ہمارے حالات کا جمود ٹوٹ رہا ہے۔ یہ جمود ٹوٹ گیا تو ترقی و سرخوشی کے چشمے پھوٹ پڑیں گے اور ہمارا کوئی غم بھی جان لیوا ثابت نہ ہوگا۔ دنیا کی مختلف قومیں تاریخ کے سٹیج پر اپنا اپنا کردار ادا کر چکی ہیں۔ اب تاریخ کی گیند ہمارے صحن میں آپڑی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔ میں فارغ اوقات میں انہیں خیالات میں غلطاں رہا۔

احیاءِ اسلام کے فرض کو ادا کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہمیں اپنی جدوجہد کی جہت اور سمت سے آگاہی ہو اور ہمیں اپنے مدِمقابل قوتوں کی گہرائی اور گیرائی کا شعور ہو۔ جب تک ہم ان عوامل کو متعین نہ کریں جو ہماری پستی اور تباہی کا سبب ہیں اور جنہوں نے دنیا کی رہنما قوم کو دنیا کی پس ماندہ قوم بنا دیا ہے اس وقت تک ہمارے لیے اپنی جدوجہد کو صحیح رُخ دینا ممکن نہیں ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کے داعی لوگ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہر مسلمان معاشرہ جو اسلام کے اجتماعی نظام سے محروم اور اس کی برکات سے دُور ہے اُس پر کوئی نہ کوئی طاغوت مسلط ہے جو پورے معاشرے کو غیر اللہ کے قوانین وضوابط میں جکڑ کر اسے اسلام کی منزلِ فلاح کی طرف نہیں بڑھنے دیتا۔ جب تک اس طاغوت سے چھٹکارا نہ ہو منزلِ فلاح تک مِلت کا پہنچنا دشوار ہے۔ جب ہم طاغوت کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے نمرودوں اور فرعونوں کی مثالیں آتی ہیں لیکن ہمارے مسلمان معاشرے خدائی کے دعویدار نمرودوں اور فرعونوں سے تو بالکل پاک ہیں۔ پھر وہ کون سا طاغوت ہے جس کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ اس پر انہوں نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہر اسلامی تحریک دراصل اطاعتِ الٰہی اور بندگیٔ رب کی تحریک ہوتی ہے اور خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی اور اطاعت کی دعوت دینا ہی اس کا مشن اور نصب العین ہوتا ہے۔ جب انسانی معاشرہ خدا سے سرکشی، خالقِ کائنات سے بےتعلقی، فرض ناشناسی، جبروتشدد، ظلم وستم، حق ماری، مظلوم آزاری، مادہ پرستی اور ظاہر پرستی کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سامان کر دیتا ہے کہ خدا کے بندوں کو ان کے مقصدِ زیست سے آگاہ کرنے کا انتظام کیا جائے اور مظلوموں کی دست گیری کی جائے۔ کمزوروں اور مظلوموں کی دست گیری کے لیے

ہی اسلامی تحریک وجود میں آتی ہے۔

ہر تحریک اسلامی تین نکات پر مشتمل دعوت لے کر اٹھتی ہے۔

۱۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی حقیقی الٰہ ہے۔ اسی کی بندگی اور طاعت زندگی کے ہر گوشے میں کرنی چاہیئے۔

۲۔ انسانوں کی زندگیوں میں سے وہ سب کچھ خارج ہونا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کے نتیجے میں پیدا ہوگیا ہے۔

۳۔ ان تمام طاغوتوں کو اقتدار اور احکام دہی کے مناصب سے علیحدہ کرنا چاہیئے جو خالقِ کائنات کے احکام سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر اپنی خواہشات نفس کے مطابق احکام جاری کرتے اور انسانیت کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتے ہیں۔

انکے خیال میں ہر اسلامی تحریک کو کسی نہ کسی طاغوت سے واسطہ پڑتا ہے اور طاغوت وہی ہوتا ہے جو اپنی سرکشی سے خدا کے قوانین کو نظر انداز کر کے اپنے احکام جاری کرتا ہے۔ وہ طاغوت جو ہر اسلامی تحریک کا حریف ہوتا ہے اس کے بارے میں آگاہی بہت ضروری ہے۔

مشہور مفکر اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن جلد اول میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۶ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ

ترجمہ۔ جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ؛

طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی

کی حد سے تجاوز کرکے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرنے لگے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔

خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔

۱: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً تو خدا کی بندگی کو ہی برحق مانے مگر عملاً خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس طرزِ عمل کا فسق ہے۔

۲: سرکشی یا طاغوت کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ خدا کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہوکر یا تو خود مختار بن جائے یا خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔

۳: سرکشی کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک کی بندگی سے باغی ہوکر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے۔

یہی پوزیشن نمرود، ہامان، فرعون اور دوسرے سرکش لوگوں نے اپنے اپنے دورِ اقتدار میں اختیار کی تھی۔ یہ خدا کے احکام کی موجودگی میں اپنے احکام جاری کرنے کا مقام ہے۔

اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے اور اس کے خلاف جنگ کرنا مومن کے ایمان کا عین تقاضا ہے۔ کفر بالطاغوت کا یہی مفہوم ہے۔

جب تک کوئی شخص اس طاغوت کا انکار نہ کرے، وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ قرآن یہی بات کہتا ہے۔ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ کی کیفیت ایمان کی علامت ہے۔ یہی وہ مضبوط سہارا ہے جسے پکڑنے کا حکم مومن کو دیا گیا ہے۔ اس لیے اللہ پر ایمان کا تقاضا لازماً طاغوت سے کفر اور اس کے حکم اور اختیار سے انکار ہے۔

اس سے تعاون کرنا یا اس کی سربراہی کو جائز تسلیم کرنا ایمان کے منافی ہے۔ اس لیے کہ جو اللہ سے سرکشی اختیار کرتا ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ اس سے بغاوت کا راستہ اختیار کرے۔

جو شخص خدا سے مُنہ موڑ کر زندگی کے راستے پر چلتا ہے خود ایک طاغوت ہی نہیں ہے بلکہ وہ بے شمار طواغیت کے نرغے میں آجاتا ہے۔ ان میں ایک طاغوت انسان کا اپنا نفس یا شیطان بھی ہوتا ہے جو اس کے سامنے نت نئی ترغیبات کے سبز باغ سجا سجا کر پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے قریبی چاہنے والے ہوتے ہیں جن کے مفادات اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ اسے اپنے چکروں میں لیے پھرتے ہیں۔ حد یہ کہ خاندان، دوست، احباب، سوسائٹی، قوم، پیشوا، رہنما، حکومت اور اس کے کارندے سب طاغوتوں کا غولِ بیابانی بن کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں جن میں سے ہر ایک اس سے اپنی اغراض کی بندگی کرانا چاہتا ہے اور بیشمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اس چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضی سے بچے۔

قرآن مسلمانوں کو اس امر سے متنبہ کرتا ہے کہ جب کوئی گروہ خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت کو پسِ پُشت ڈال دیتا ہے جو ایسے سرداروں اور رہنماؤں کے پیچھے لگ جاتا ہے جو خدا ورسولؐ کے مطیع فرمان نہ ہوں جو اپنے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی حاکموں سے ان کے اعمال و احکام کے بارے میں کتاب و سنت کی سند پوچھے بغیر ان کی اطاعت کرنے لگ جاتا ہے تو وہ گروہ ان خرابیوں میں مبتلا ہونے سے نہیں بچ سکتا جس میں طاغوتوں کی شکار پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔

اسی بات کو سورۃ النساء کی آیت ۶۰ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

"اے نبیؐ! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعوے تو کرتے ہیں کہ

ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے
اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ
اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں
حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

(النساء : ۶۰)

یہاں طاغوت سے واضح مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ یہ اس نظام کا ذکر ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہے اور نہ اپنے فیصلے میں اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو عدالت قانونِ الٰہی سے روگردانی کے سبب طاغوت کے حکم میں آتی ہے اس کے پاس فیصلہ حاصل کرنے کے لیے جانا بھی ایمان کے منافی ہے۔ قرآن کی رُو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر لازم و ملزوم ہے اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا منافقت ہے۔ اسی لیے ان لوگوں کو ظالم، فاسق اور کافر قرار دیا گیا ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی حاکمیت کا حقیقی مالک ہے تو پھر فیصلہ کرنے کے لیے دوسرا جو بھی ہوگا وہ سرکش، مشرک، ظالم اور فاسق ہی شمار ہوگا۔

یہ طاغوت ایک فرد بھی ہو سکتا ہے۔ ایک نظامِ مملکت اور نظامِ عدالت بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پارلیمنٹ بھی ہو سکتی ہے جو خدا کے قوانین کی بجائے اپنے قوانین آزادی سے وضع کرے اور وہ کوئی ہیئت حاکمہ بھی ہو سکتی ہے جو خدا کے قوانین کو نظر انداز کر کے اپنے ضابطے جاری کرے۔ ایسے طاغوت کو بدلنا اور احکامِ الٰہی کو جاری کرنا ہی ہر تحریکِ اسلامی کا مقصدِ وحید ہوتا ہے۔

درحقیقت سب سے بڑا طاغوت تو خود نظامِ باطل ہی ہوتا ہے جسے کوئی نظام

حکومت چلاتا ہے ۔ یہ نظام اپنے مجموعی اثرات سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں اپنی حاکمیت کو نافذ اور جاری کرتا ہے اور جہاں باطل نافذ اور قائم ہوتا ہے وہاں دین حق قائم نہیں ہوتا ۔ ایسی حالت میں مومن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ ایسے سرکش طاغوت اور اللہ کے باغی نظام کو ہٹا کر اللہ کا مطلوبہ نظامِ اسلامی جاری کیا جائے جس میں حاکمیت صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی قائم ہو اور احکام سارے خدا اور رسولؐ کے چلیں

یہ کام سرانجام دینے کے لیے صرف اتنی سی بات کافی نہیں ہے کہ طاغوتی نظام کے سرغنہ کو ہٹا دیا جائے ۔ ایران کے اسلامی انقلابیوں نے اس کا بار بار تجربہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سرکشی پر قائم نظامِ باطل محض کسی ایک فرد کا کرشمہ نہیں ہوتا بلکہ نظامِ باطل یا طاغوتیت کی جڑیں پورے انسانی معاشرے میں دُور دُور تک پھیلی ہوتی ہیں ۔ جیسے آکٹوپس کی آٹھ ٹانگیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے شکار کو پکڑتا اور اس کا خون چُوستا ہے ۔ اسی طرح طاغوتی نظام بھی کسی انسانی معاشرے میں آکٹوپس کی مانند مسلط ہوتا ہے اور اس کی بھی دورِ حاضر میں کم از کم آٹھ جڑیں ایسی ہوتی ہیں جن کو اگر مکمل طور پر اکھاڑا نہ جائے اور صرف طاغوتی نظام کے سرغنہ کا ہی سر کاٹ دیا جائے تو اس کی جگہ اگر کوئی ولی اللہ بھی لا کر بٹھا دیا جائے تب بھی معاشرے میں پیوست طاغوتی نظام کی جڑیں اپنے نئے ولی اللہ سربراہ کو تھوڑی سی مدت میں اپنی غذائی اور فکری تعلیم و تربیت سے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں اور نیا سربراہ طاغوتی نظام کی جڑوں سے پیوست اور منسلک ہو کر ویسا ہی طاغوت بن جاتا ہے جیسا ایک طاغوتی نظام اسے اپنے مقصد کے لیے بنانا چاہتا ہے ۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی تدریجی اور اصلاحی عمل سے طاغوت کی جڑیں اور اس کے دست و بازو اپنا مزاج بدل کر اسی نظام کے کل پُرزے بننے کے قابل ہو جائیں ۔ اِلّا یہ کہ ان کی مؤثر ماہیئتِ قلب اس تدبیر کے تحت کی جائے جو تدبیر اللہ اور اس کے رسولؐ نے انقلابِ اسلامی کے

لیے مغز کی ہے

ایرانی انقلاب کے اسلامی مفکرین کی رائے میں آج کے اس دور میں طاغوت کی آٹھ جڑیں ہوتی ہیں جن کے سہارے آج کا ایک نظام طاغوت کھڑا ہوتا ہے جب تک یہ جڑیں موجود ہوں یہ ممکن نہیں ہے کہ محض ملکی سربراہ کی تبدیلی سے نظام زندگی میں تبدیلی آسکے۔

طاغوتی نظام کے آکٹوپس کی نظام حق برپا کرنے کے لیے وہ آٹھ جڑیں کاٹنا اور ان سے طاغوتی نظام کا سہارا قطع کرنا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان آٹھ جڑوں میں سب سے بڑی جڑ معاشرے کے وہ بدکردار چوہدری ہیں جو عوام پر جبر و زور سے مسلط ہوتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جو کسی معاشرے کے بگاڑ کے دور میں معاشرے کی ہر سطح پر عوام میں چوہدراہٹ اور سربراہی کے مقام پر فائز رہتا ہے۔ نظام طاغوت اپنے ان کارندوں کو مراعات دیتا ہے۔ جاگیریں، تمغے، انعامات اور خطابات مہیا کرتا ہے اور انہیں عوام کو اپنے ظالمانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے رکھنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وہ نظام طاغوت کے کارندوں سے ملی بھگت رکھتے، باہمی مشترک مفادات رکھتے اور ایک دوسرے کے تعاون سے عوام کو اپنے شکنجے میں کس کر رکھتے ہیں۔ اگر جمہوری نظام ہو تو عوام کے ووٹوں کو سمیٹنے کے لیے تمام غیر اخلاقی حربے استعمال کرتے ہیں۔ نظام طاغوت کے کارندوں سے مل کر عوام کو مختلف قانونی شکنجوں میں پھانستے اور پھر انہیں رشوت بدلے میں چھوڑ کر ممنون کرتے اور ان سے تبادلے میں ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ یہ شیطانی چکر چلتا رہتا ہے اور ہر دفعہ عوام ان چوہدریوں کے شکنجے میں کسے ہوئے۔ ان کے مظالم سے نالاں، لیکن انہی کو ووٹ دے کر بار بار اپنے اوپر لادنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ فرداً فرداً کسی شخص میں یہ ہمت نہیں ہوتی کہ ان سے بغاوت کرسکے اور اگر کرنے کی جرأت کرے تو نظام طاغوت کے یہ کارندے مل جل کر

غنڈوں، چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کی مدد سے ایسے خود دار افراد کو کچل دیتے ہیں اور انہیں ایسی عبرت ناک سزا دیتے ہیں کہ پھر کسی میں حریت فکر کی یہ جرأت اور عزیمت کی یہ روشنی نمودار نہیں ہوتی۔

یہ نظامِ طاغوت کا وہ ستون ہے جس پر سارا طاغوتی معاشرہ کھڑا ہوتا ہے۔ آپ بار بار انتخاب کرائیے، لوگوں کو وعظ و تلقین کیجئے۔ اچھے لوگوں کی صفات اور بُرے لوگوں کے کرتوت بتائیے لیکن نتیجہ صفر نکلتا ہے کوئی فرد جرأت نہیں کرسکتا کہ ہمت کرکے ان ظالموں کے خلاف جائے جو ظالم لوگوں کے مویشی چوری کروا سکتے ہیں۔ انہیں قتل کے مقدمات میں پھنسا سکتے اور ان کی بہو بیٹیوں کو اغوا کر سکتے ہیں، جب تک عوام کو ان کے مظالم سے تحفظ نہ ملے، وہ ان کے خلاف جانے کی جرأت نہیں کرسکتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلافت کا بوجھ اٹھاتے ہی جو کام سب سے پہلے کیا تھا وہ سابقہ نظام کی دی ہوئی جاگیروں اور مراعات کا خاتمہ تھا۔ لیکن اس سے زائد انہیں بھی اس طبقہ نے مہلت نہ دی۔

ایرانی انقلابیوں کے خیال میں نظامِ طاغوت کا دوسرا مضبوط پایہ افسر شاہی ہوتی ہے جس پر سارا نظام کھڑا ہوتا ہے۔ افسر شاہی میں ایک ایک فرد ذاتی حیثیت میں کتنا ہی تعلیم یافتہ یا شائستہ کیوں نہ ہو، وہ مِل جُل کر جو طبقہ بنتا ہے وہ جبر و تشدد، ناجائز استحصال، کرپشن، غیرملکی دل و دماغ، ذہنی غلامی، مغرب زدگی، غیرملکی رجحانات، اسراف و تبذیر، آمدن سے زائد خرچ اور خرچ سے زائد خواہشات کا مجمل مرکب طبقہ ہے۔ یہ بکاؤ مال ہے۔ یہ سگریٹ کے قیمتی پیکٹ سے لے کر کروڑوں روپے کے ہیر پھیر میں مبتلا طبقہ ہے، اس کا دین مفاد پرستی، اس کا مذہب زر پرستی اور اس کا قبلہ و کعبہ افسر بالا کی خواہش پرستی ہوتی ہے۔ اس کو ہر نئے حکمران کو اپنے طلسمی شیشے میں اتار لینے کا فن آتا ہے۔ خوشامد، شائستہ غلامی اور حکمران کے اشارہ چشم و ابرو پر اپنی

عزتِ نفس تک نچھاور کر دینے کی مہارت ہوتی ہے۔ یہ اپنے سے بڑے کے لیے موم کی ناک اور اپنے سے چھوٹے اور کمزور کے لیے لوہے کا چنا ہوتا ہے۔

یوں تو گرگٹ کی طرح اسے ہر رنگ میں ڈھلنا آتا ہے، لیکن بالعموم اس کے دو ہی رنگ پائیدار ہوتے ہیں۔ اس کا اصلی رنگ اور نقلی رنگ۔ ہر نئے حکمران کے رنگ میں راتوں رات ڈھل جانا یہ اس کا نقلی رنگ ہوتا ہے اور پھر بتدریج حکمران کو اپنے رنگ میں رنگ لینا یہ اس کا اصلی رنگ ہوتا ہے اور اس کا اصلی رنگ عیش پرستی اور ترقیاں مارنا ہے۔ خدا، رسول، ملک، قوم، حب الوطنی، ایثار و قربانی، ہمدردی، حمیت، غیرت یہ سارے الفاظ اس کی لغت میں درج ضرور ہیں، لیکن ان کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اس کی لغت میں یہ الفاظ اپنے معنی کھو چکے ہیں۔ یہ طبقہ اپنے اس مزاج کے ساتھ جب تک کسی معاشرے میں موجود ہو وہاں کسی اسلامی نظام کی آمد کا تصور کرنا سراب سے پانی نچوڑنے کے مترادف ہوتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ طاغوت کا تیسرا پایہ تاجروں کا بددیانت طبقہ ہے جو نظامِ باطل کا ایک مضبوط ستون ہوتا ہے۔ یہ طبقہ اسی قدر بگڑا ہوا ہوتا ہے جس قدر بدکردار چوہدری اور خائن افسر بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ مہنگائی، ملاوٹ، اشیاء کی بلیک، اشیا کا مصنوعی قحط اور نایابی، مارکیٹ میں بحران پیدا کرتے رہنا۔ نفع کا تناسب شے کی حقیقی قیمت سے دو تین گنا رکھنا اور اس پر بھی مطمئن نہ ہونا، بلکہ جعل سازی، قحط سازی اور اخلاق سوزی کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ یہ بدکردار افراد کا پشت پناہ، راشی افسروں کا مرغِ دست آموز اور سرکاری خزانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے بجائے رشوت کے ذریعے اپنے اور درمیانی افسر کے درمیان لاٹھیوں کے گز سے سرکاری ٹیکسوں کو باہم بانٹ لینے والا فنکار ہوتا ہے۔ معاشرے میں بار بار کے معاشی بحران یہ پیدا کرتا ہے اور اس کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ جس قوم کے اندر بیٹھ کر وہ یہ ساری ظالمانہ کارروائیاں

کرتا ہے۔ وہ اس کی اپنی قوم ہے۔ اگر ایک چور، درحقیقت بے ہی خواہش نفس کو یکجا کرلیا جائے تو اس وہ بددیانت تاجر بنتا ہے جو نہ جائز و ناجائز کی پروا کرتا ہے، نہ حلال و حرام کے چکر میں پڑتا ہے اور نہ حب الوطنی اور ملت دوستی کا خیال کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں معاشی سرنخ ہوتی ہے اور وہ ایک ایک گاہک کا خون اس کی رگوں کے آخری قطرے تک نچوڑنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

ایسے تاجر کی موجودگی میں کسی صالح انقلاب کی توقع رکھنا زہر سے تریاق تلاش کرنے کی آرزو ہوتی ہے۔

ایرانی انقلابیوں کی رائے میں سرمایہ پرست مترفین طاغوت کا چوتھا ستون ہوتا ہے۔ جو لوگ کسی نظام میں مال و دولت جمع کرتے اور سرمایہ دار بن جاتے ہیں وہ یا تو اس نظام کے چہیتے لوگ ہوتے ہیں یا کم از کم وہ اس نظام کے مزاج کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نظام کا معاشی پہلو ان کو سازگار ہوتا ہے اور وہ اسکی رواداری اور مدد و تعاون سے ہی مالدار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں جس نے انہیں مال و دولت سے نوازا ہوتا ہے۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ حالات ایسا پلٹا کھا جائیں کہ ان کے لیے مالی منفعت کی سازگاری باقی نہ رہے۔ اس لیے قرآن نے نظام باطل کے مترفین کو سخت وعیدیں سنائی ہیں۔ اس لیے کہ وہ مفاد پرستی، ذات پرستی، عیش پرستی اور زر پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قرآن نے فرمایا :-

"ہر اس طعنہ باز، نکتہ چین پر تباہی ہے جس نے دولت سمیٹی اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی دولت ہمیشہ اس کا ساتھ دے گی"۔

مزید فرمایا :

"جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو
اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دیجئے"
اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ :
"سونے، چاندی کی ٹکیوں کو تپا تپا کر ان سے ان کی پیشانیوں کو داغا
جائے گا۔" مزید فرمایا گیا کہ
"ان بخیلوں (مالداروں) کے متعلق یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال انہیں دے
رکھا ہے۔ وہ ان کے لیے مفید ہے۔ نہیں بلکہ وہ ان کے لیے مضر ہے۔ قیامت کے
دن ان کی کنجوسی کا یہ سارا حاصل طوق بنا کر ان کی گردنوں میں لٹکایا جائے گا۔"
خود حضور اکرمؐ نے فرمایا۔
"خدا کی قسم وہ لوگ خسارے میں ہیں، وہ لوگ خسارے میں ہیں، جو
یوں اور یوں دائیں بائیں خرچ نہیں کرتے۔"
ان مترفین کی ساری تگ و دو اپنی دنیا سنوارنے اور بنانے پر صرف ہوتی
ہے۔ وہ دنیا جس کے بارے میں حضورِ اکرم نے فرمایا۔
"بخدا دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے حقیقت ہے،
جتنا تمہارے نزدیک بکری کا مردہ بچہ ہے۔"

(صحیح مسلم)

مزید فرمایا :-
"دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں۔ ان بکریوں
کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا آدمی کو مال اور عزت وجاہ
کی حرص تباہ کرتی ہے۔" (ترمذی)
مزید فرمایا :

"بندۂ دنیا رخدا کی رحمت سے محروم ہو۔ بندۂ درم خدا کی رحمت سے دُور ہو۔" (ترمذی)

مترفین اور سرمایہ دار کسی معاشرے کی جڑیں ہوتی ہیں جو بے زر نادار لوگوں کا خون چوستی اور نظامِ باطل کی پرورش کا سامان کرتی رہتی ہیں جس معاشرے میں ایسے مترفین کی قدر ہو اور کثرت بھی ہو وہ معاشرہ نظامِ باطل کے لیے نہایت سازگار ماحول رکھتا ہے۔

دنیا دار علمار سو کو بھی وہ طاغوت کا پایہ کہتے ہیں۔ لفظ عالم سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ علم دین کو دنیا کمانے کے لیے استعمال کرنے والے دنیا دار مولوی کا کام سب سے زیادہ ناپاک اور گھٹیا کام ہوتا ہے۔ وہ دوزخ کی سب سے نچلی موری کی اینٹ ہوتا ہے۔ حضورِ اکرمؐ نے جن تین افراد کا حشر ارشاد فرمایا، ان میں پہلا وہ ہے جو بظاہر علمِ دین حاصل کر کے درسِ اخلاق دیتا ہے لیکن اس کا مقصد درسِ اخلاق نہیں، بلکہ جلبِ منفعت ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو بظاہر شہید ہوتا ہے، لیکن اسکا حقیقی مقصد بہادری جتانا ہوتا ہے اور تیسرا وہ جو وعظ کہتا ہے، لیکن مقصد اپنے علم کی نمائش ہوتا ہے۔ دنیا دار عالم سے بڑھ کر دین کا دشمن اور کوئی نہیں ہوتا اور نظامِ باطل کی مضبوط جڑوں میں سے یہ بھی اس کی ایک مضبوط جڑ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ دین کا راستہ روکنے کا فن جانتا ہے۔ اسلامی تحریک کو ملعون کرنا اور اسکے بے لوث کارکنوں کو کافر قرار دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں میں تفرقے ڈالتا اور ان کو آپس میں لڑا کر طاغوت کو طاقت پہنچاتا ہے۔ وہ بُت خانے کا وہ پاسبان ہوتا ہے جو کعبہ کا نام لے کر بتوں کی حفاظت اور انکا حقِ قدامت ثابت کرتا ہے۔ دنیا دار مولوی سے دین و ایمان پناہ مانگتے ہیں۔

دنیا دار عالم کتاب و سنت کی بجائے اپنے مخصوص وضع کردہ بے دلیل

معتقدات کو معیارِ حق قرار دیتا ہے وہ اپنے لیے علیحدہ مسجدیں بناتا اور دوسروں کے ساتھ مسجدوں کے جھگڑے کرتا ہے۔ وہ اُمتِ مسلمہ کو فرقوں میں بانٹتا۔ ان کو باہم لڑاتا اور اس لڑائی کے ذریعے اپنی لیڈری، معیشت اور مشیخت پیدا کرتا ہے۔

انہی علما رسو کے بارے میں حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا :۔

"یہ فقیہہ اور فریسی (حاملانِ شریعت) اپنے سب کام لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں۔ اپنے تعویز بڑے بناتے، اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے۔ ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ مسندیں، بازاروں میں سلام اور لوگوں سے ربی (علامہ) کہلانا پسند کرتے ہیں۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو، نہ آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا سفر کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے۔ تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔"

"اے اندھے راہ دکھانے والو۔ تم مچھر کو تو چھانتے ہو اور اُونٹ کو نگل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے۔ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیاں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں۔ تم بھی لوگوں کو ظاہر میں راست باز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہوتے ہو۔"

غرض علما رسو کا طبقہ ہر دور میں خدا اور رسول اور دین کو اپنے لیے مالِ تجارت سمجھتا رہا اور انہیں اپنے گھٹیا مقاصد کے لیے طاغوت کے ہاتھ فروخت کرتا رہا ہے۔ یہ طبقہ ہر اسلامی تحریک کا سب سے پہلا مخالف ہوتا ہے اور پوری ڈھٹائی سے ہر

اقتدار کا ساتھ دینا اور ہر حق پرست کا مخالف ہوتا ہے ۔ علماء یہود حضرت عیسیٰ کے علاوہ خود حضورِ اکرم کی مخالفت میں بھی پیش پیش تھے اور دُنیا دار مولویوں نے امام اعظمؒ کے خلاف بھی فتوے دیا اور امام احمد بن حنبلؒ کے خلاف بھی ۔ مجدد الف ثانیؒ کے خلاف بھی فتوے دیا اور تحریکِ مجاہدین اور شہدائے بالاکوٹ کے خلاف بھی ، علامہ اقبالؒ کو بھی انہوں نے کافر قرار دیا اور قائدِ اعظمؒ اور مولانا مودودیؒ کو بھی انہوں نے معاف نہ کیا ۔ ہر دور میں طاغوت کی جڑیں مضبوط کرنا اس گروہ کا تاریخی کردار رہا ہے ۔

وہ ضمیر فروش صحافت کو بھی باطل نظام اور طاغوت کی جز قرار دیتے ہیں یہ ضمیر فروش صحافت ہی ہے ، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناتی ہے ، جس کا کام اپنے ممدوح کے مخالفین کی کردار کشی ہوتا ہے ۔ کردار کشی جو اسلام میں بدترین سفاکانہ قتل سے بھی زیادہ گھناؤنا فعل ہے ، جس میں بہتان تراشی ، غیبت ، جھوٹ اور ریاکاری کی آمیزش ہوتی ہے ۔ حضورِ اکرمؐ نے تو فرمایا تھا کہ ایک مومن دوسرے مومن کی آبرو کا محافظ ہوتا ہے ، لیکن ضمیر فروش صحافی مومن کی آبرو کا دشمن اور اس کے کردار کا قاتل ہوتا ہے ۔

وہ طاغوت کے ظلم کو رحم ثابت کرتا ۔ اس کی زیادتیوں کو رفاہِ عامہ کے کام قرار دیتا ۔ اس کی حماقتوں کو بقراطیاں بتاتا ۔ اس کی بودی شخصیت کو سجا سجا کر پیش کرتا اور اسے عوام کے دل و دماغ پر مسلط کرنے کے لیے اخبارات میں رہ کر اس کے صفحات کو ، ریڈیو میں جا کر اس کی لہروں کو اور ٹی وی میں پہنچ کر اس کی اسکرین کو حق کی مخالفت باطل کی حمایت ، صداقت کے چہرے پر سیاہی ملنے اور بھوتوں کو فرشتے بنا کر پیش کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے ۔ اس کی ضمیر موم کی ناک ۔ اس کا اخلاق طوائف کا مسلک اور اس کا معیارِ صحافت نیلام گھر کا مال ہوتا ہے ۔ اس کا مذہب چڑھتے سُورج کی پوجا ہوتا ہے اور طلوع ہونے والے سورج کی شناخت اسے خوب ہوتی ہے ۔ اس کا سجدہ طلوع ہونے والے سُورج کے ساتھ

تحویلِ قبلہ کرتا ہے اور وہ ہر طاغوت کی جڑ بن کر مظلوم عوام کی ناک میں طاغوتی نکیل کا کام دیتا ہے۔

اُن کے خیال میں سیاسی موقع پرست لوگ بھی طاغوت کا ستون ہوتے ہیں ظالم طاغوت کی خوفناک جڑوں میں سے ایک سیاسی موقع پرست بھی ہے جو انسان صورت میں انسان اور سیرت میں گرگٹ ہوتا ہے۔ جب کوئی نظامِ طاغوت کسی معاشرے میں زیادہ عرصہ تک انسانی ضمیر و اخلاق کو تاخت و تاراج کرتا رہے، تو بتدریج اس معاشرے میں ایک پیشہ ور سیاسی طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا پیشہ ہی سیاست بازی ہوتا ہے۔ وہ چھوٹی سطح پر کام کرے تو سیاسی کارکن اور بڑی سطح پر کام کرے تو سیاسی رہنما کہلاتا ہے، لیکن مزاجاً اور طبعاً دونوں میں کیفیت کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ طاغوتی نظام میں یہ سیاسی طبقہ بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ایک دوسرے کو کہنیاں مارنے کے فن میں مہارتِ تامہ رکھتا ہے۔

اس گروہ کا کام مفاد کی سمت میں سجدہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ راتوں رات وفاداریاں بدل سکتا ہے۔ کرائے پر نمائشی ایجی ٹیشن چلا سکتا ہے۔ اپنے مخالفین پر غداری، وطن دشمنی اور حکومت سے ملے ہوئے ہونے کے الزامات لگانے میں طاق ہوتا ہے، جب کہ اس گروہ کے بیشتر افراد خود محکمۂ خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے وظائف حاصل کرتے اور اس کے اشاروں کے مطابق تحریکوں کے سودے کر لیتے ہیں۔ یہ گروہ مذاکرات میں پیش پیش اور مفادات کے حصول میں آگے آگے ہوتا ہے۔ یہ عہدہ و منصب ملنے کی توقع پر سوٹ سلواتا، سودا ہو جانے پر خوشیاں مناتا اور سودا ٹوٹ جانے پر افسردہ ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد معاشرے میں کوئی حقیقی تبدیلی لانا نہیں ہوتا، بلکہ طاغوتِ وقت سے اپنا حصہ وصول کرنا ہوتا ہے بعض اوقات معاشرے کے حقیقی بہی خواہ عناصر کا راستہ روکنے کے لیے بھی یہ ان

میں آدھمکتا ہے۔ اس طرح وہ طاغوت کے اشارے پر اہلِ حق پر تشدد کرنے کے لیے اُسے موقع فراہم کرتا اور انہیں گھیر گھار کر ان کی حقیقی اسکیم کے خلاف طاغوت کے آگے لا ڈالتا ہے۔ یہ گروہ عین منجدھار میں عوام کی گاڑی کو بریک لگاتا اور حادثہ رونما کر دیتا ہے۔ یہ گروہ طاغوتِ وقت اور اپنے نفس کے سوا کسی کا وفادار نہیں ہوتا۔

یورپ کی بدکردار اخلاق باختہ جمہوریت نے یہ طبقہ پیدا کیا ہے اور جب تک مغربی جمہوریت کا نظام، سودی معیشت کی گاڑی پر سوار، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے دو پہیوں پر کسی معاشرے میں رواں دواں رہتا ہے۔ یہ طبقہ موجود رہتا ہے اور اپنے ناپاک کردار سے طاغوت کے ہاتھ مضبوط کرتا اور اس کی جڑوں کو اپنی حرص و ہوس کی رالوں سے سیراب کرتا رہتا ہے۔

یہ گروہ نفاق اور دورُخے پن کا مریض ہوتا ہے۔ حضورِ اکرمؐ نے ان کے اس دورُخے پن کی شدید مذمت فرمائی ہے

"قیامت کے دن خدا کے نزدیک تم سب سے بُرا دورُخے آدمی کو پاؤ گے۔ جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رُخ اور ہوتا ہے اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔" (بخاری)

مزید فرمایا:۔

"دنیا میں جس کے دو رُخ ہوں گے، قیامت کے دن اس کے مُنہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔" (ابوداؤد)

جب تک یہ طبقہ کسی معاشرے میں سے ختم نہ ہو جائے اس میں فساد کی بنیاد قائم رہتی ہے۔

ماہرینِ اقتصادیات کو بھی وہ طاغوت کی جڑ کہتے ہیں اگرچہ بظاہر ماہرینِ اقتصادیات دورِ حاضر کی اہم ضرورت اور آج کی معاشیات کا اہم ستون شمار ہوتے ہیں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان ماہرینِ اقتصادیات نے جو مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت کے ماہر اور اسی معیشت کی ضروریات کی زرد عینک سے سارے جہاں کو دیکھتے ہیں پسماندہ مسلمان ملکوں میں ان کا کردار سود پر مبنی مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کے نمائندوں اور محافظوں کا بن گیا ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد الحاد پر رکھی گئی ہے یعنی رزق کے وسائل کا کوئی تعلق کسی رازق سے نہیں ہے اور کسی خدا کا کوئی تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی مسئلے سے نہیں ہے۔ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے اور اسے سیاسی معاشی، عمرانی اور اجتماعی مسائل میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ ان تمام مسائل میں انسان سیکولر ہے اور وہ بے خدا رہ کر کام کرتا ہے۔

مغرب کی اس سرمایہ دارانہ معیشت کو انفرادیت اور ذاتی منفعت پرستی پر استوار کیا گیا ہے۔ اس معیشت میں اگر" سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات بنتا ہے۔ تو یہ عین مطلوب ہے اور یہی آزاد معیشت کا طریقہ ہے۔ اس معیشت کے ذریعے دولت کا ارتکاز چند خاندانوں میں ہوتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے" اس لیے کہ یہ مغربی سرمایہ دارانہ سودی اصولِ معیشت کی بنیاد ہے۔ اس میں اخلاق کی بھی پابندی نہیں ہے۔ اگر اخلاق ساز کتاب کی بجائے اخلاق سوز کتاب زیادہ فروخت ہوتی ہے تو پھر یہ اصولِ معیشت اخلاق سوز کتاب کی اشاعت کے حق میں ہی رائے دیتا ہے۔

یہی سرمایہ دارانہ معیشت طبقات بناتی ہے لذت پرستی سکھاتی ہے اور اپنی فلاح کے لیے دوسرے انسانی گروہوں کو تباہ و برباد کرنے۔ ان کا اخلاق تباہ کرنے اور ان کا خون چوسنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ اس اصولِ معیشت کے ماہرین جب کسی پس ماندہ ملک میں طاغوت کے چاکر بن کر کام کرتے ہیں تو غیر ملکوں سے سود پر

قرضے لینے۔ معیارِ زندگی کو بلند کرنے، لذت پرستانہ سامانِ تعیش درآمد کرنے اور غیر قوموں کے قرضوں پر اپنے نادار ملکوں میں مصنوعی امارات کی نمود و نمائش کے غیر پیداواری مظاہرے کرنے کے راستے دکھاتے ہیں۔

یہ ہر پس ماندہ قوم کو مغرب کے سرمایہ داروں کی ساہوکاری کے لیے دام غلام بناتے اور ان کی نقل کرنے کے مشورے دیتے ہیں۔ یہ خود کفالتی کے نام پر لوگوں کو مستقل ناداری کا راستہ بتاتے ہیں۔ یہ مغرب کی جونکیں ہیں جو پسماندہ ممالک کی معیشت کو لگی ہوئی ہیں جب تک یہ جونکیں کسی معاشرے کی معیشت سے چمٹی رہیں اور اس معاشرے کی معیشت کے کسی پہلو سے بھی خود کفیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ماہرینِ معاشیات پس ماندہ قوموں کی خود داری، خود اعتمادی، باضمیری اور حریتِ فکر و عمل کے دشمن نمبر ایک ہوتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ مغربی معیشت نے نادار ملکوں کو یہ معاشی بحران دے کر ان کی ملی خود داری، ایمان توکل و قناعت اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے مجاہدانہ جذبے کو تباہ کرنے کا سامان فراہم کر رکھا ہے۔ جب تک کسی معاشرے میں ان مغرب پرست ماہرینِ اقتصادیات کا عمل دخل کم نہ ہو، اس کے لیے طاغوت کے شکنجے میں سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ یورپ ہمارے مشرق کے طاغوت کی مدد ان ماہرینِ اقتصادیات کے ذریعے ہی کرتا ہے۔ جو ہمارے کھانے والے مونہوں کو گنتے، ہمارے اناج کو تولتے اور پھر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ جب تک یورپ کی مدد نہ آئے گی ہم بھوکے مرجائیں گے۔ حالانکہ وہ ہمارے کمانے والے دو ہاتھوں کو کبھی نہیں دیکھتے۔ ان کو ترقی یافتہ کافر ملکوں کی مشینیں رازق نظر آتی ہیں اور اپنے کھیت بنجر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ماہرینِ اقتصادیات خدا کی رزاقی اور قوم کی پیداواری صلاحیت کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ بنے رہتے ہیں اور جب تک ہماری سوسائٹی میں سے ان کا عمل دخل ختم نہ ہو ہم کبھی بیرونی اور مقامی طاغوتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

ایرانی انقلابی راہنماؤں کے نزدیک یہ وہ آٹھ جڑیں ہیں، جن کے سہارے مسلمان ملکوں میں دورِ حاضر کا طاغوت کھڑا ہے۔ اگر کسی ناگہانی تدبیر سے ایک طاغوت ہٹ جائے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے اور ان جڑوں سے غذا حاصل کرکے پہلے سے بڑا طاغوت بن جاتا ہے۔ بفرضِ محال اگر کسی خوشگوار حادثے یا مسلمان ملت کی اجتماعی جد وجہد کے ذریعے طاغوت کو ہٹا کر تختِ اقتدار پر کوئی ولی اللہ بھی لاکر بٹھا دیا جائے تو چند ہی ایام میں طاغوت کی یہ مذکورہ جڑیں اس ولی اللہ سے اپنا پیوند لگا لیتی ہیں اور اپنی ناپاک غذا پہنچا کر اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں، زیادہ دن نہیں گذرتے کہ وہ مانوس خدا پرست چہرہ جسے مسندِ اقتدار پر ملت نے بڑی تمناؤں کے ساتھ بٹھایا تھا، ان طاغوتی جڑوں سے وابستہ ہوتے ہی انہی کے نشہ آور جال میں صیدِ زبوں کی طرح پھنس جاتا ہے۔

مغربی طاغوت کی یہ جڑیں اس کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، ناک، دانت، زبان اور دل و دماغ بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ اس شخص کو اپنا محبوب دوست کا جنازہ تو کہہ سکتے ہیں، لیکن پھر اس میں وہ اُمید اور اُمنگ نہیں پا سکتے جس امنگ کے ساتھ اس نے اقتدار کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اس لیے کہ طاغوت کی جڑیں اس کی رگوں کا خون تک بدل دیتی ہیں۔ اصلاح احوال کے ایسے تجربات اکثر ناکام ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا لایا ہوا اسلامی انقلاب انہی طاغوتی جڑوں کے ذریعے ان کے انتقال کے ساتھ ہی رخصت ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا لایا ہوا انقلاب، جہانگیر کے ارباب من دون اللہ کے ہاتھوں بیرم خان کی جلاوطنی اور خان خاناں کی گوشہ نشینی پر منتج ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا لایا ہوا اسلامی، قانونی انقلاب ان کے انتقال کے ساتھ ہی دربارِ شاہی سے رخصت ہو گیا۔ قائداعظمؒ کا لایا ہوا سیاسی سلامی انقلاب ملک بن جانے کے بعد خائن بیوروکریسی کی نذر ہو گیا، غرض ہر قابلِ قدر

اسلامی تبدیلی کو طاغوت کی یہ جڑیں اکٹوپس کے آٹھ شاخہ شکنجے کی طرح لگا جاتی ہیں۔
اس کا علاج اسلام کا دیا ہوا عظیم ہتھیار جہاد ہے۔ وہ جہاد جو طاغوتوں کی جڑیں اکھاڑنے کا بہترین آلہ ہے۔ وہ جہاد عوام کی اجتماعی قوت کو سمیٹ کر طاغوت سے ٹکرانے سے ہی برپا ہو سکتا ہے۔ ایک عوامی نظریاتی تحریک کے نتیجے میں عوام کا سیلِ رواں چاہے انتخابی بکسوں اور پولنگ اسٹیشنوں کو رائے عامہ کے زور سے جل تھل کر دے، چاہے طاغوتی اقتدار کے شکنجے کو بے بس کر کے اسلام کی قوت سے اسے رضائے الٰہی کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دے۔ دونوں صورتوں میں سیاسی قوت کا جو عظیم خزانہ پیدا ہوتا ہے وہ اس طاغوت کی تمام جڑوں کو اکھاڑنے اور اس کی تمام شاخوں کو تراشنے کا کام کر سکتا ہے۔

جب تک طاغوت کی تمام جڑیں نہ اکھاڑ دی جائیں پائیدار اسلامی انقلاب لانا ممکن نہیں ہے اور ان جڑوں کو اکھاڑنے کے بعد انقلابِ اسلامی کا جو علم نصب کیا جائے گا، پھر اسے کوئی اکھاڑ نہ سکے گا۔

اسلامی انقلاب ایران لانے والے انقلابیوں کے یہ نظریات سنجیدگی سے غور طلب ہیں اور ہر اسلامی تحریک ان سے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کر سکتی ہے۔

بہرحال اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک ہماری تاریخ کا جابر کردار، فاسق حکمران اور ہمارے معاشرے میں غیر اللہ کے قوانین و ضوابط کا محافظ و نگران طاغوت اقتدار سے محروم نہ کیا جائے اور تمام تر اقتدار اللہ وحدہٗ لا شریک کے لیے خاص نہ ہو جائے مسلم معاشرے کا دنیا میں رہنمائی کرنا تو دور کی بات ہے اس کے لیے فلاح و سلامتی کی ضمانت کا حصول بھی ممکن نہیں ہے۔ انقلاب ایران سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔

اسلامی تحریک کے رُوبرُو

مہمانوں کی آمد، رجسٹریشن اور تیاریاں جاری تھیں اور دوسرا دن فراغت اور ملاقاتوں کا دن تھا۔

تعارف اور ملاقاتوں کی خاطر ہم ہوٹل کے بڑے ہال میں میزوں کے گرد جا کر بیٹھ گئے جہاں اکثر مہمان بیٹھے باہمی بات چیت کر رہے تھے۔

اچانک مجھے چائے کے کمرے میں بہن ڈاکٹر شاہین طباطبائی اعتمادی دکھائی دیں۔ میں نے ان کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ میرے امریکہ کے دورے پر ڈاکٹر عاصم حسین اور ڈاکٹر کوکب صدیق نے ان سے میرا تعارف کرایا تھا اور یہی تعارف درحقیقت ایران کی اسلامی تحریک سے میرا پہلا تعارف تھا۔ انہوں نے ملوکیت اور بادشاہت کے بارے میں میرا نقطۂ نظر معلوم کیا تھا اور میں نے عرض کیا تھا کہ یہ سب طاغوت کے مختلف مظاہر ہیں جس پر وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ ان دنوں شاہِ ایران سے ان کی تحریک کی جنگ اپنے پورے شباب پر تھی۔ کلیولینڈ (CLEVE LAND) کی یونیورسٹی کے ایک وسیع کمرے میں ہندوستانی، پاکستانی اور ایرانی طالب علموں کے ایک اجتماع میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

"آپ نے مجھے پہچانا۔ بہن شاہین"۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کیوں نہیں بھائی گیلانی۔ ہم نے امریکہ میں ایرانی اسلامی تحریک کے بارے میں باتیں کی تھیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

میں نے ان سے کہا۔" میں اُس وقت ایرانی تحریک کا مطالعہ کرنے کے لیے سفر نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ میرا دعوتی دورہ تھا لیکن اب میں ایران کی اسلامی تحریک کا مطالعہ کرنے آیا ہوں۔ کیا آپ مجھے اس مطالعہ میں کچھ مدد دیں گی۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" انہوں نے کہا۔

اور پھر ہم ایران کی اسلامی تحریک کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"بہن آپ مجھے اس تحریک کی مختصر سی تاریخ سے متعارف کرائیے۔ کیا یہ اچانک ایک دھماکے کی صورت میں رُونما ہوئی ہے یا اس کا کوئی نظریاتی پس منظر بھی ہے۔" میں نے کہا۔

ڈاکٹر شاہین طباطبائی کہنے لگیں۔" اس تحریک کا ایک طویل نظریاتی پس منظر ہے۔ جس طرح آپ کی پاکستان کی تحریک اور مصر کی اخوان المسلمون کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ ہم چاہیں تو اس کا نظریاتی رشتہ حضرت امام حسینؓ کی جدوجہد ملوکیت کے خلاف اور خلافت اسلامیہ کے حق میں' والی داستانِ عزیمت سے بھی جوڑ سکتے ہیں اس لیے کہ ہم نے ملوکیت کو اکھاڑا ہے اور امام حسینؓ نے بھی ملوکیت ہی کے خلاف جہاد کیا تھا لیکن یہ محض نظریاتی اور اصولی رشتہ ہے۔ ورنہ ہماری موجودہ تحریک ۱۹۰۰ء سے ایران میں برپا ہے ہم اسے سید جمال الدّین افغانی کی تحریک پان اسلام ازم کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ جب وہ ایران میں آئے تو انہوں نے بادشاہوں اور طاغوتوں کے خلاف اسلامی نظامِ زندگی کے مکمل نفاذ کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس وقت برطانوی حکومت ایران کی ہر شئے پر قابض تھی۔ سیّد جمال الدّین افغانیؒ نے علماء کا ایک عظیم الشان کنونشن بلایا۔ سلطنتِ برطانیہ کے طاغوت کے خلاف آواز بلند کی اور علماء نے تمباکو کی حرمت کا فتویٰ دیا کہ انگریز تمباکو کی صنعت پر قابض تھا۔ اس فتوے کے نتیجے میں قاچار بادشاہ کی

چلم تک بھرنے سے اس کے درباری ملازم نے انکار کر دیا تھا۔ آپ یاد رکھیے کہ ایران میں علماء کا اثر ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے۔"

"تو کیا اُس وقت کوئی تحریک موجود تھی؟" میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر شاہین کہنے لگیں۔ "اُس وقت تحریک موجود تھی اور علماء نے اُس وقت بھی شریعت کے قوانین کا اجراء، برطانوی حکومت سے مراعات کی واپسی اور عوام النّاس کی بہبود و معاشی فلاح کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ یہ ناصر الدین قاچار کے خلاف فتویٰ تھا جس کے نتیجے میں زبردست تحریک چلی۔ ناصر الدین قاچار قتل ہوا اور ملک میں مطلق العنان بادشاہت (AUTOCRETIC KINGSHIP) کی جگہ دستوری بادشاہت (CONSTITUTIONAL KING-SHIP) قائم ہو گئی۔ یہ ہماری تحریکِ اسلامی کی پہلی کامیابی تھی۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی تو اس وقت بھی ایران کی اسلامی تحریک جاری تھی۔ اسی تحریک کو دبانے کے لیے انگریز قاچار خاندان کا خاتمہ کر کے رضا خان کو برسرِ اقتدار لائے اور انہوں نے جمال الدّین افغانیؒ کی جاری کردہ پان اسلام ازم کی تحریک کے مقابلے میں جگہ جگہ "پان ترک ازم"، "پان عرب ازم" اور "پان ایران ازم" کی تحریکیں چلائیں تاکہ اسلام کے نظریاتی مؤقف کی جگہ ملّتِ اسلامیہ علاقائی قومیتوں میں بٹ جائے۔ ان تحریکوں نے ترکوں، عربوں اور دوسرے مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔ اس لیے کہ اسلام کی حقیقی قوت تو ملّتِ واحدہ کے تصوّر میں پوشیدہ ہے اور سارے سامراج ہماری اس قوت سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ اس لیے ہمارے دشمن ہمارے درمیان علاقائی تحریکیں چلا کر ہمیں توڑتے ہیں۔"

"کیا رضا خان اوّل کا دَور بھی جبر و ستم کا دَور تھا؟" مَیں نے ڈاکٹر شاہین سے پوچھا۔

وہ کہنے لگیں۔ "بے حد مظالم ہوتے تھے۔ اس نے بستیوں کی بستیاں اجاڑیں۔ علماء کو قتل کرایا جس کے نتیجے میں علماء کی تحریک زیرِ زمین کام کرنے لگی۔ اس دور میں بہت سا تنظیمی، دعوتی اور دینی کام ہوا۔ فکری کام بھی اس دور میں ہوا۔ لیکن موجودہ تحریک جو کامیاب ہوئی ہے یہ ۱۹۴۰ء میں شروع ہوئی تھی جب رضا شاہ کو تخت سے ہٹا کر اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس وقت ملک میں تودہ پارٹی (کمیونسٹ پارٹی) بھی بہت مضبوط تھی۔ ڈاکٹر مصدق کا نیشنل فرنٹ بھی تھا جس میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ پھر فدایانِ اسلام اٹھے جو نواب صفوی نے منظم کیے تھے۔ نواب صفوی بڑے مجاہد، پختہ عقائد کے مالک اور قدیم طریقِ کار کے حامل تھے لیکن ہماری اسلامی تحریک جو علماء، دانشوروں، طالب علموں، نوجوانوں اور کالجوں کے زیرِ تعلیم نوجوانوں پر مشتمل تھی، علیحدہ چل رہی تھی اور یہ حلقۂ اسلامی کہلاتی تھی۔ اس کے رُوحِ رواں سید محمود طلیقانی تھے۔ اس وقت ایک انجمنِ اسلام بھی تبلیغ کا کام شروع کر رہی تھی۔ علامہ طلیقانی کی کوشش سے حلقۂ اسلامی اور انجمنِ اسلام باہم مدغم ہو گئیں اور موجودہ اسلامی تحریک کی ابتدائی تنظیم ۱۹۴۳ء میں وجود میں آگئی۔" ڈاکٹر شاہین یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"اس کا طریقِ کار کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر شاہین کہنے لگیں۔ "حلقہ ہائے درس و تفسیر، کالجوں میں دینی لیکچر اور دین کا حقیقی فہم پیدا کرنے کی کوشش۔ اس تحریک نے نوجوانوں میں سے مذہبی اور مسلکی تعصبات کو نکالا۔ ہماری تحریک صرف کلمۂ طیبہ کو بنیاد بناتی ہے۔ فقہی مسلک، شیعہ سُنّی کے اختلافات اور دیگر انحرافات کا کوئی تعلق اس تحریک سے نہیں ہے۔ طاغوت سے نجات، کلمۂ طیبہ کے تقاضے پورے کرنا، ہم نے ہمیشہ نوجوانوں کے یہی ذہن نشین کیا کہ ان کا حقیقی دشمن طاغوت ہے اور طاغوت سے جنگ اس

وقت تک ہے جب تک وہ یا ہم مٹ نہ جائیں۔"

"کیا آپ کے پروگرام میں جہاد و قتال پہلے سے شامل تھا۔" میں نے پوچھا شاہین کہنے لگیں۔" ظاہر ہے اسلامی نظام کے لیے جو مرحلہ بھی آئے گا، اسلامی تحریک کو اس میں سے گزرنا ہو گا اور جس جگہ وہ جھجک جائے گی اسی جگہ وہ ناکام ہو جائے گی۔ طاغوت سے ٹکر لینے کے بعد یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہم یہ کام کریں گے اور یہ کام نہیں کریں گے۔"

ڈاکٹر شاہین کی اس بات نے مجھے اسلامی تحریکِ ایران کے حقیقی چہرے سے آشنا کیا۔ بات واقعی یہی ہے کہ جب اسلام کے انقلاب کا نام لیا جائے تو پھر کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ جب طاغوت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنج کرے تو مردِ مجاہد کے لیے یہ کہے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ "اے میرے محبوب حق! تیرے راستے میں بچھانے کے لیے میری کھال اور تیری راہ کو گرد سے بچانے کے لیے میرا خون حاضر ہے۔ میری جان، میرا جسم اور میری ساری پونجی حاضر ہے۔" عشق مقصد اسی چیز اور اسی جذبے کا نام ہے۔ جو اس سے پہلو تہی کرتے ہیں وہ تاریخ کے اسٹیج پر اپنے آپ کو اضحوکہ بنا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر شاہین نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا۔

" ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۳ء تک دس سال ہمارے خالص نظریاتی سال تھے۔ تعلیم و تربیت اور تنظیم افراد اور کردار سازی کے۔ لیکن جب امریکن سی۔ آئی۔ اے نے ڈاکٹر مصدق کو برطرف کر کے شاہ کی فوجی آمریت قائم کر دی تو پھر اندر ہی اندر تحریک مزاحمت (NATIONAL RESISTANCE MOVEMENT) کا آغاز ہو گیا جو ۱۹۶۰ء تک مکمل خفیہ رہی۔ وہ سخت جبر و تشدد کا دور تھا۔ البتہ ۱۹۶۰ء میں جب ذرا سیاسی آزادی ملی تو اسلام کی تحریکی سرگرمیاں بڑھنے لگیں۔ امام خمینی

جو قُم کے مرکزِ علما میں ایک مقتدر عالم تھے اسی دَور میں نمایاں ہوئے اور تحریک اسلامی کے سالار بنے۔

جون ۱۹۶۳ء میں قُم میں عاشورے کے مظاہرے شاہ کے خلاف مظاہروں میں تبدیل ہو گئے۔ قُم کے مدرسے میں طلبا کو ساواک نے شہید کر دیا اور امام خمینی کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن ۱۹۶۵ء میں "سازمانِ مجاہدین خلقِ ایران" کے نام سے ایک مسلح تنظیم وجود میں آ گئی جس نے علامہ طلیقانی کے نظریات کے تحت جنگِ آزادی کا اعلان کیا پھر اس تنظیم میں اشتراکی لٹیرے گھس آئے جس کے سبب ۱۹۷۰ء میں یہ تنظیم توڑ دی گئی اور اشتراکیوں سے نجات حاصل کر لی گئی "۔ شاہین دم لینے ذرا رُکیں تو میں نے کہا۔

" بہن شاہین آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ جون ۱۹۶۳ء میں جب قُم میں علماء، طلبا اور عوام پر شاہ نے گولیاں چلائیں اور ہزاروں مسلمان شہید کر دیے تو جماعت اسلامی پاکستان کے ترجمان رسالے "ترجمان القرآن" میں اس ظلم و ستم کے خلاف ایک مفصّل مضمون چھپا۔ یہ رسالہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ وہ جنرل ایوب خاں کا دَورِ آمریت تھا۔ ایوب خاں نے جماعت اسلامی پاکستان کو خلافِ قانون قرار دیا۔ رسالہ کو بند کیا اور جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے ۶۳ افراد کو جیلوں میں بند کر دیا جن میں مَیں بھی شامل تھا۔ ہمیں جیل میں جو چارج شیٹ دی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ تمھارے رسالے نے ایک ایسا مضمون ایران کے بارے میں شائع کیا ہے جس سے ہمارے تعلقات ایران کی حکومت کے ساتھ خراب ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم نے بھی انگلی کٹا کر ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک کے شہدا میں اپنا نام لکھوایا ہوا ہے "۔

اس نے مسکرا کر مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ " ٹھیک ہے لیکن تم تو

جنگجو نہیں ہوا البتہ ہمارے نوجوان یاسر عرفات کے کیمپوں میں فوجی ٹریننگ لینے بھی گئے تھے اور ۱۹۷۱ء سے موجودہ تحریک کا آغاز ہوا جو مسلسل ۱۹۷۸ء تک جاری رہی۔ اسی تحریک کے دوران میں علامہ خمینی کا لڑکا نجف اشرف میں شہید ہوا، ڈاکٹر علی شریعتی شہید ہوئے اور پھر تو یہ تحریک بیحد زور پکڑ گئی۔ شہداء کے چالیسویں کے جلوس نکلتے۔ ان پر گولی چلتی، مزید لوگ شہید ہوتے اور پھر ان کے چالیسویں کے جلوس نکلتے۔ اس طرح یہ جلوسوں کا سلسلہ باہمی اس طرح مربوط ہوا کہ طاغوت کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس کی گولیاں ختم ہو گئیں لیکن مجاہدین کے سینے موجود رہے۔ علامہ خمینی کا طریقِ کار یہ رہا کہ وہ اپنے پیغامات اور تقاریر ٹیپ کر کے مختلف ذرائع سے ایران بھجوا دیتے اور وہ یہاں آ کر ہزاروں اور لاکھوں ٹیپ میں تبدیل ہو کر شہر شہر، گلی گلی اور گھر گھر پھیل جاتے جو لوگوں میں قوتِ ایمانی، جذبۂ جہاد اور ظالم کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کی ہمت پیدا کرتے۔ بس اس طرح جب ہم نے اللہ کے راستے میں ہار ماننے سے صاف انکار کر دیا اور خون دیتے رہے، سر کٹاتے رہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی اور طاغوت میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"ڈاکٹر شاہین یہ بتایئے کہ آپ کی اسلامی تحریک کا بنیادی نظریاتی فلسفہ اور طریقِ کار کیا ہے۔" میں نے ان سے استفسار کیا۔

ڈاکٹر شاہین نے جواب دیا" ہمارا فلسفۂ انقلابِ اسلامی پانچ نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ دعوت و تبلیغ ۲۔ تنظیم و تربیت

۳۔ طاغوت کے خلاف جدوجہد اور کش مکش

۴۔ ہجرت ۵۔ جہاد، شہادت اور کامیابی

یہ یاد رہے کہ ہجرت بھی انقلابِ اسلامی کے لیے ایک ناگزیر مرحلہ ہے اور اس کی دلیل حضور اکرمؐ کی اسلامی تحریک کی مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے۔ ڈاکٹر

علی شریعتی مشہور انقلابی دانشور "حسینیہ ارشاد" کے عظیم اجتماعات میں اس موضوع پر کثرت سے اظہارِ خیال کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جہاد سے پہلے ہجرت ضروری ہے۔ ہجرت نفس سے اللہ کی مرضی منوانے میں بھی ہے، لیکن یہ صرف داخلی طور پر نفسِ انسانی کی تربیت کا مرحلہ ہے۔ حقیقی ہجرت یہی ہے کہ انسان مال و دولت، گھر بار، کاروبار اور عزیز و اقارب سے کٹ کر تحریکِ اسلامی کے لیے جدّوجہد کرے۔"

میں نے کہا۔ "اس ضرورت کو آپ نے ایران میں کیسے پورا کیا؟"

کہنے لگیں۔ "ہم نے ہزاروں کی تعداد میں نوجوانوں کو ملک سے باہر بھیج کر یہ ضرورت پوری کی اور وہ ملک سے باہر جا کر ہمارے لیے بہت ممد و معاون ہوئے۔ تحریک کی کامیابی میں اس ہجرت کا بہت بڑا دخل ہے۔ ہم نے اس طرح افراد بھی تیار کیے اور طاغوت کے خلاف جدوجہد بھی کی۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے لیے تیاری کرنا اسلامی تحریک کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہوتا ہے۔"

"جابر قوت سے مذاکرات کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"مذاکرات توبہ توبہ"۔ ڈاکٹر شاہین نے کہا۔

"۔ طاغوتی قوت جو اسلامی نظام کے اجراء میں رکاوٹ ہو اس کے خلاف جب عملی جدوجہد ہو گی تو اس سے مذاکرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باطل سے حق کے مذاکرات ممکن نہیں ——— طاغوت سے مصالحت نہ کی جائے گی اور نہ کسی مصلحت کے تحت مذاکرات یا لین دین کے اصول پر بات ہو گی۔ اگر طاغوت سے مذاکرات ہوں تو پھر جو بھی درمیانی فارمولا بنے گا وہ اسلامی تحریک کو اُس کے مُوقف سے ہٹا کر ذرا باطل کے قریب کر دے گا اور باطل کو کچھ مزید مہلت دینے کا راستہ ہموار کرے گا۔ اس لیے جب جدوجہدِ مخالفانہ کا آغاز ہو گا تو پھر طاغوتِ وقت سے مصالحت کسی مصلحت کی بنا پر بھی نہ کی جائے گی، یہاں تک کہ اقتدار کلی طور پر اسلامی تحریک کے کارکنوں کے

ہاتھ میں آجائے۔ ظاہر ہے کہ طاغوت ہر وہ قوت ہوتی ہے جو اسلامی نظام کے اجرا میں بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر رکاوٹ ڈالے۔ وہ نمرود اور فرعون ہی نہیں، نام نہاد مسلمان حکام بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرے غیر مسلم بھی۔ بہرحال اس جنگ کو آخری طور پر نتیجہ خیز ہونا ضروری ہے۔"

میں نے کہا۔" آپ لوگ اس قدر متشدد کیوں ہیں؟"

" اس کا سبب یہ ہے کہ طاغوت کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں جو معاشرے میں پیوست ہوتی ہیں۔ سنیئے، معاشرے میں بدکردار چودھری، بگڑے ہوئے تاجر، دنیادار مولوی، بیوروکریسی اور نوکرشاہی، مفاد پرست اخبارات، ماہرین اقتصادیات، سیاسی موقع پرست لوگ اور ملت فروش اشتراکی عناصر، یہ سب طاغوت کی جڑیں ہیں اور قوم کا خاص اسلامی کردار بنانے اور اُس میں سے اُن بدکردار طاغوتی جڑوں کو اکھاڑنے کے لیے جہاد اور عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔ اگر جہاد اور تحریک کے بغیر کسی دوسرے طریقے سے انقلاب آئے تو یہ جڑیں قائم رہتی ہیں اور طاغوت کی مرضی پھر بھی پوری ہوتی رہتی ہے۔ اس سے اسلامی انقلاب بار آور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی انقلاب کے لیے ان جڑوں کا اکھاڑنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ اسلامی رنگ میں ڈھل سکے ـــ اور پھر طاغوت کو ان جڑوں کے سہارے دوبارہ مسلّط ہونے کا موقع میسّر نہ آسکے۔"

"کیا تدریجی اصلاحی عمل سے خون خرابی سے نہیں بچا جاسکتا تھا" میں نے کہا۔

کہنے لگیں۔" تدریج سے کوئی انقلاب نہیں آتا اور انقلاب کے بغیر کوئی نظام نہیں بنتا۔ اگر آپ دیکھیں تو ایران کا انقلاب فرانس کے انقلاب کے بعد موجودہ تاریخ کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ ایسے واقعات صدیوں میں رُونما ہوتے ہیں اور صدیوں تک اُن کے اثرات قائم رہتے ہیں۔ ایسے واقعات کے ساتھ تاریخ بدلتی ہے، بلکہ تاریخ

ایسے ہی واقعات کے ظہور میں آنے سے وجود میں آتی ہے۔ ورنہ تاریخ کیا ہے وقت کا ایک بھیانک خلا جس میں انسان تیرتا ہوا گزرتا چلا جاتا ہے۔ یہ انقلابی واقعات ہی ہیں جو تاریخ کے خدوخال متعین کرتے، اُس کی کردار سازی کرتے اور اس کا چہرہ نکھارتے ہیں۔ ایران کا انقلاب انہی تاریخ گر واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے۔ ایسے ہی واقعات کی مدد سے تاریخ اپنے وجود کا جواز ثابت کرتی ہے۔ یہ کام تدریج سے ممکن نہیں تھا۔ تدریجی اصلاح کا عمل (EVOLUTION) تو جمے جمائے نظام کی بعض خرابیوں کی اصلاح کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ عملِ اصلاح موجود نظامِ زندگی سے بغاوت نہیں، بلکہ اُس میں رہتے ہوئے اس کی اصلاح کا عمل ہوتا ہے۔ مُصلح، انقلابی نہیں ہوتا اور مصلح، نظام بدلنے کے لیے نہیں، بلکہ اس نظام کی بعض خرابیوں کی اصلاح کے لیے اٹھتا ہے تاکہ چلتا ہوا نظام زیادہ بہتر اور منصفانہ طریقے سے چل سکے۔ وہ اس کی درازیٔ عمر کا باعث تو ہو سکتا ہے، لیکن اسے ختم کرنے کا کوئی پروگرام اپنے سامنے نہیں رکھتا۔ نظام بدلنے والے لوگ ہمیشہ انقلابی ہوتے ہیں۔"

"کیا آپ کے خیال میں نظام بدلنے کے لیے انقلاب ضروری ہے؟" میں نے کہا۔

"جی ہاں۔" ڈاکٹر شاہین نے کہا۔

"انقلاب ہی نظام بدلتا ہے۔ تدریجی اصلاح دراصل رائج الوقت نظامِ زندگی کو سنوارنے کے لیے ہوتی ہے۔ نظام کو بدلے بغیر اصلاح ٹاٹ میں ریشم کا پیوند لگاتی ہے یا پھٹے ہوئے ٹاٹ کی مرمت کر کے اُسے مزید کچھ عرصے تک استعمال کے قابل بناتی ہے۔ یہ ٹاٹ کو بدل کر قالین بچھانے کا عمل نہیں ہے۔ جو شخص ٹاٹ کو لپیٹ کر اس کی جگہ قالین بچھاتا ہے وہ ٹاٹ کو کلیتہً ہٹائے بغیر یہ عمل سرانجام نہیں دے سکتا، اس لیے اصلاح کا عمل نظامِ موجود کی زندگی دراز کرتا ہے اور انقلاب کا عمل اُسے ختم

کرکے دوسرا نظام لاتا ہے۔ اسلامی نظام برپا کرنا نظامِ باطل کے مقابلے میں ایک انقلابی قدم ہے۔"

کہنے لگیں۔ "یہ بات تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ کسی فاسد نظام کی کلی اصلاح اُس کے اندر رہتے ہوئے، اُس کے سارے حدُود و شرائط کی پوری پابندی کرتے ہوئے بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ اگر کسی نظامِ فاسد کی گاڑی اپنی تباہی کی منزل کی طرف انسانیت کے قافلے کو لادے ہوئے دوڑی چلی جا رہی ہے تو اصلاح کا عمل صرف اس کی تباہی اور مکمل فساد کی منزل تک پہنچنے والی رفتار پر بریک کا کام کرتا ہے۔ وہ اس کی سمت بدلنے پر کبھی قادر نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کی سمت متعیّن کرنے اور اس سمت میں اس کا رُخ قائم رکھنے والا غالب ہاتھ محض اصلاح کا عمل کرنے والے مُصلح کے ہاتھوں سے بالا اور طاقت ور ہوتا ہے۔ ہمارے انقلابی پاسدارانِ انقلاب کا یہی فلسفہ ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ تدریجی اصلاح سے بھی کوئی نظام بدلا جا سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر شاہین خاموش ہو گئیں۔

مہمان اب آہستہ آہستہ اُٹھ اُٹھ کر کھانے کے ہال کی طرف جا رہے تھے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر شاہین اعتمادی طباطبائی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے مجھے ایران کی اسلامی تحریک کے فکری اور تاریخی پس منظر سے آگاہ کر کے اس کے روبرو لا کھڑا کیا تھا۔ البتہ ان کو شکوہ تھا کہ مسلمان ممالک ان کی تائید کرنے کی بجائے اُلٹا مزاحمت کر رہے تھے اور اسلامی تحریکوں کے قائدین کا رویہ بھی سرد مہری پر مبنی تھا جب کہ اسلامی نظام لانے کی کوشش شاہ کے ملوکانہ نظام کے مقابلے میں بہرحال زیادہ تائید و حمایت کی مستحق ہے۔ افسوس کہ مسلمان ملکوں کے جس نوعیت کے تعلقات شاہ اور اس کی حکومت سے تھے، مسلمان حکمرانوں نے ویسے تعلقات بھی اب تک موجودہ اسلامی حکومت سے استوار نہیں کیے تھے۔ یہ سرد مہری اسلامی نظام کی کوششوں کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔

گلستانِ شہداء

یکم فروری کو تقریباتِ انقلاب کا آغاز بہشت زہرہ میں فاتحہ کے لیے روانگی سے ہوا۔ تمام مہمان ۱۲ بسوں میں سوار تھے جن کی تعداد ۵۰۰ سے زائد تھی۔

بہشتِ زہرہ دراصل ان شہداء کا قبرستان ہے جو ایران کی انقلابی تحریک کے دوران میں شاہ کے جبر و تشدّد کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اتنے بڑے پیمانے پر شاید ہی نہتے مظلوم عوام کی کسی انقلابی تحریک نے قربانیاں دی ہوں جو ایران کی اسلامی تحریک نے پیش کیں۔ کسی تحریک کے موقعہ پر ہی یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اقتدار کے لیے ظالم لوگ کس درجہ ظلم و ستم کر سکتے ہیں۔ خداترس انسانوں کا اقتدار ظلم و ستم کا ہی دوسرا نام ہوتا ہے۔ کسی ایسی تحریک کے موقع پر ہی تاریخ کے دامن میں خانوادۂ رسولؐ اور ان کے رفقاء ۷۲ انسانوں کا ذبح ہونا بھی سمجھ میں آجاتا ہے اور یہ مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے کہ اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کے لیے جابر ملوک کس حد تک جا سکتے ہیں۔ پھر حجاج بن یوسف کے مظالم بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ظالم لوگ اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے اگر پوری انسانیت کو ذبح کروا کر اپنا اقتدار بچا سکتے ہوں تو وہ اس سے بھی کبھی گریز نہیں کیا کرتے۔

ایران کی اسلامی تحریک نے اس انقلابی جدوجہد میں جس عزم و ارادے اور جرأت و بہادری کا ثبوت دیا وہ بھی بے مثال ہے اور اس تحریک کے عزم و ارادے کو توڑنے اور ایک فردِ واحد کا اقتدار باقی رکھنے کے لیے انسانیت کو ٹینکوں، ہیلی کاپٹرز

اور توپوں کے زور سے جس طرح اڑایا گیا وہ بھی بے مثال ہے۔ ان دونوں مثالوں کے وجود میں آنے سے ہی بہشتِ زہرہ کا لالہ گوں گلستانِ شہدا، آباد ہوا ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے آخری مرحلے میں جو عظیم الشان انقلابی کشمکش ہوئی اس میں نہتے شہریوں اور اسلام کے لیے آزادی چاہنے والوں نے خدا و رسولؐ کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں وہ حیرت ناک اور تاریخ انقلاب کا سنہرا خونیں باب ہیں۔ انہیں قربانیوں میں سے گزر کر کوئی قوم سر سے پا تک خون میں نہانے سے زندۂ جاوید ہو جاتی ہے۔ ایرانی اسلامی انقلابیوں کے الفاظ میں:

"قطرۂ خونِ شہید گلِ سرخ برائے ہدیۂ ملت است"

"خونِ شہید کا ہر قطرہ ملّتِ اسلامیہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک سرخ پھول ہے"

ایسے لاتعداد پھول مجاہدوں نے بر سرِ میدان پیش کیے تو ملّت اور اس کا دین دونوں آزاد اور سر بلند ہو گئے۔ ہمیں ایک فلم دکھائی گئی جو تحریک اسلامی ایران کی عظیم انقلابی جدوجہد پر مشتمل تھی جس میں لاکھوں عوام کا جلوس اللہ اکبر کے نعرے لگاتا عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں پر مشتمل جا رہا ہے اور آگے سے شاہی ٹینک آتے ہیں اور گولیاں برساتے ہوئے ہجوم میں گھس جاتے اور انسانوں کو دانوں کی طرح دلتے پیستے اور کچلتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ جلوس جا رہا ہے اور اوپر سے ہیلی کاپٹر گولیاں برساتے ہوئے آتے ہیں اور ہزاروں انسانوں کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیتے ہیں۔ فوجی گاڑیاں مشین گنیں نصب کیے ہوئے آتی ہیں اور ہجوم کو بھونتی کچلتی چلی جاتی ہیں۔ مائیں اپنے معصوم بچوں کو گود میں اٹھائے کفن باندھے ٹینکوں کے سامنے آتی ہیں اور اسلام پر نچھاور ہو جاتی ہیں۔ ایران کا کوئی شہر ایسا نہیں جس کے قبرستان شہدا، کی قبروں سے لالہ زار نہ ہوں۔ بہشت زہرہ تہران میں ۱۲ میل

کے فاصلے پر قبرستان ہے جس میں ۴۵ ہزار سے زائد نوجوان شہدا کی قبریں ہیں جن پر ان کی پیدائش اور وفات کی تختیاں لگی ہیں۔ مشہد میں ۱۰ میل کے فاصلے پر بہشتِ رضا ہے جس میں ۱۵ ہزار سے زائد شہدا کا گلستان لہلہا رہا ہے۔ یہ سب اسلامی انقلاب کے شہید ہیں جن کو صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کا فخر حاصل ہے۔

اسی لیے امام خمینی نے خوب بات کہی تھی۔ انہوں نے کہا

"ظلم کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کرنا چاہیئے جتنا عرصہ ظلم کو برداشت کیا جائے اتنی ہی بڑی قربانی اسے ہٹانے کے لیے دینی پڑتی ہے۔"

شہدائے انقلابِ اسلامی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے ہاتھوں صدیوں بعد ایک جابر ملوکیت ان کے خون کے دریا میں غرق ہو گئی ہے۔

۵

ایک طویل راستہ طے کر کے تہران سے ۱۲ کلومیٹر باہر قم کی شاہراہ پر ہم بہشتِ زہرہ میں پہنچ گئے۔ اس قبرستان نے اب تاریخی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس قبرستان میں تحریکِ اسلامی ایران کے شہدا کا ایک پُربہار قافلہ دفن پڑا ہے۔ اس روز تقریبات انقلاب کا افتتاح ہو رہا تھا اس لیے پورا تہران اُمنڈ کر باہر نکل آیا تھا۔ جب امام خمینی اپنی ۱۶ سالہ ہجرت اور جلاوطنی گزار کر پہلی بار ایران میں ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آئے تھے تو انہوں نے سب سے پہلے بہشتِ زہرہ میں جا کر شہدا کی قبروں پر فاتحہ پڑھی تھی اور قوم کو اسی جگہ سے خطاب کیا تھا۔ آج ایران میں جو اسلامی انقلاب موجود ہے یہ انہیں شہدا کی قربانیوں کا ثمرہ ہے اس لیے ہر سال انقلاب کی تقریبات کا آغاز بہشتِ زہرہ میں شہدا کی قبروں پر فاتحہ خوانی سے ہی ہوتا ہے۔ یہ اُن زندہ انسانوں کی قبریں

ہیں جن کی قربانی نے ایران کو اسلامی نظام عطا کیا ہے۔ ان کے احسان سے ملّتِ ایران کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ آج کا ایران انہیں کے دم قدم سے ہے۔ غرض ایسے تاریخی موقعہ کے احترام میں پورا تہران اُمڈ کر نکل آیا تھا اور اس قبرستان میں فاتحہ کہنے کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ شہدا کسی قوم کی حُریّت و آزادی کا اثاثہ اور اُس کے ایمان اور رُوحانیت کا سرمایہ ہوتے ہیں، بلکہ قوموں کا حقیقی سرمایہ صنعتی ادارے، عظیم الجثہ آبی بند اور کارخانے نہیں ہوتے بلکہ اس کا جوش و جذبہ اس کے ایمان و اعتقاد کے لیے جان دینے والے شہدا ہوتے ہیں جن کے وجود سے ملّت کی کھیتی لہلہاتی اور جن کے خون سے اُس کی جوانی پائدار رہتی ہے۔

ایران میں قبرستان کو بہشت کہتے ہیں اور ایران کے ہر بڑے شہر کے بہشت میں اس کی آبادی کے تناسب سے سینکڑوں اور ہزاروں شہدا دفن ہیں۔ ایران کی سرزمین خونِ شہدا سے لالہ زار ہے اور اس خون نے اُس کے ماضی کی ساری سیاہی اور رُوسیاہی دھو کر اُسے سرخرو کر دیا ہے۔ ایرانِ جدید اپنے ہیبت ناک ماضی کی راکھ سے کُندن بن کر نکلا ہے اور اس کی غلامی کی ساری عادات کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

ہماری تیرہ بسیں آہستہ رو ہو گئیں۔ ان بسوں میں ساری دُنیا سے آئے ہوئے اسلامی ملکوں کی اسلامی تحریکوں کے نمائندے بیٹھے تھے اور وہ داستانِ حریت کے اس عظیم قافلے کی قدر و قیمت جانتے تھے جو بہشتِ زہرہ کی چہار دیواری میں تاحدِ نظر پڑا تھا۔

ہمارے دل ماحول کی سوزناکی سے موم ہو گئے۔ ہماری نگاہیں احترام سے بہشتِ زہرہ کی دیوار اور اس کے اندر نظر آنے والی قبروں کو چومنے لگیں اور ہم باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ یہ شہرِ خموشاں تھا۔ اس میں قیامت تک

لیٹنے والے، خاموشی سے لیٹے تھے۔ یہ سب اپنے مالک کے پاس زندہ و تابندہ تھے۔ لیکن ہم ان کی زندگی سے بے خبر ان کی قبروں کی خاموشی کو نگاہوں سے چومتے ہوئے گزر گئے۔ انہی لوگوں کی قربانیوں کا یہ ثمر تھا کہ ہم اتنی دور سے ایران میں آئے تھے۔ انہوں نے اگر پروانہ وار جانیں اسلام اور اسلامی تحریک کے لیے نذر نہ کی ہوتیں تو ہمارے یہاں آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ یہ زندوں کی قبریں تھیں، لافانی روحوں کے مسکن تھے۔ یہ مغفور زندگیوں کی آخری قیام گاہیں تھیں۔ ہم احترام اور خاموشی سے آہستہ آہستہ اس کئی میل لمبے بہشتِ ارضی میں ایک ایک قبر پر ٹھہرتے رہے اور گزرتے رہے۔

اس وقت میرے ہاتھ میں پاسدارانِ انقلاب کا دیا ہوا وہ پیغام تھا جو امام خمینی، رہبرِ انقلاب نے بہشتِ زہرہ کی فاتحہ کی اس اولین تقریب پر قوم کے نام دیا تھا۔ یہی پیغام گویا تقریباتِ انقلاب کا اختتامی پیغام تھا۔

اُنہوں نے پیغام میں کہا تھا:

"ہم اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں جس نے ہم کمزور بندوں کو اپنے دین کے لیے اُٹھنے کی ہمت دی جس نے ہمارے کمزور ہاتھوں میں اتنی قوت دی کہ ہم ظالموں کے ہاتھ کاٹ سکیں۔ ہم اس مقدس دن اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ وہ مشرق و مغرب کے طاغوتوں کے خلاف اٹھیں اور سپر قوتوں، آمروں اور کمیونزم اور مغربی جمہوریت کے علمبرداروں کو ان کے گھروں میں شکست دیں۔

ہم نے اللہ کے دین کا عَلم ایران میں اس وقت اٹھایا جب یہاں جاہلی ملوکیت کا جھنڈا ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کے نام پر بلند کیا جا رہا تھا۔ ہم اس وقت اُٹھے جب سنگینی نے عدل کا اور قید و بند اور اذیت نے آزادی و حریت کا مقام حاصل کر لیا تھا، جب ظلم و تشدد نے سلامتی کا رُوپ دھار لیا تھا۔ ہم نہ اُٹھتے تو ظلم کی تاریکی ہمیشہ کے لیے چھا جاتی۔ ہم اُٹھے اور اللہ کا مضبوط ہاتھ مظلوموں کے ساتھ اٹھا اور اس نے ظالموں کو کچل کر رکھ دیا۔ اللہ اکبر

کا نعرہ بلند ہوا تو ساری طاغوتی قوتیں اُس کے آگے سرنگوں ہوگئیں۔ دُنیا نے وہ نظّارہ نہیں دیکھا جب ہمارے بھائیوں کا خون اور ہماری بہنوں کی آبرو ایران کے گلی کوچوں میں ارزاں کر دی گئی تھی۔ اب اللہ نے ہمیں آزادی کی نعمت دی ہے تو ہم دُنیا کے تمام مظلوموں کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں۔ مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض مظلوموں اور محروموں کی دست گیری اور پشت پناہی کرنا ہے۔ ہم دنیا بھر میں اپنے بھائیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہم آواز ہو کر مظلوم اور پامال انسانیت کی حمایت کریں گے اور حق و صداقت اور دینِ اسلام کا جھنڈا اٹھائیں گے جس کے لیے پوری انسانیت منتظر ہے۔"

امام خمینی کا یہ ولولہ انگیز پیغام تمام مہمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سب لوگ خاموشی سے اس کا مطالعہ کر رہے تھے اور بسیں مہمانوں کو لیے ہوئے بہشت زہرہ سے واپس قیام گاہ کی طرف روانہ ہو رہی تھیں اس لیے کہ رات کا کھانا مہمانوں کے اعزاز میں علما، مجاہدین کی طرف سے تھا۔ وہ علما، جو فوج میں بھرتی ہو کر جہاد کے لیے جا رہے تھے۔

تعمیرِ نو کا جہاد

ایران تعمیرِ نو کے دَور سے گزر رہا ہے اور ۲ فروری کا دن ہم سب مہمانوں کے لیے اسی تعمیرِ نو کے منصوبوں اور کاموں سے تعارف کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہ پہلو دیکھنے کا ہمیں بہت اشتیاق تھا۔

ناشتہ کے بعد صبح ۸ ۱/۲ بجے سے ۱۲ ۱/۲ بجے تک تو اسلامی جمہوریہ ایران کے ذمہ دار حکام سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے تعمیرِ نو اور انقلابِ ایران کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ پھر نمازِ ظہر اور دوپہر کے کھانے کے معمولی وقفہ کے بعد تین بجے سارے مہمان بسوں میں تعمیرِ نو کے دفاتر، کارخانوں اور ذمہ دارانِ تعمیرِ نو کی کارگاہوں میں لے جائے گئے اور سب کے لیے موقع فراہم کیا گیا کہ وہ فرداً فرداً تعمیرِ نو کے ایک ایک کارکن سے معلومات حاصل کریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انقلابِ اسلامی نے گزشتہ چار سالوں میں جہاں دشمنانِ انقلاب کے خلاف کشمکش میں فتوحات حاصل کی ہیں وہاں ان کا داخلی تعمیری محاذ بھی گرانقدر نتائج پیدا کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس جوش و جذبہ سے ایران کے انقلابی مجاہد جنگی محاذ پر دادِ شجاعت دے رہے اور معاشرے کے اندر اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں معروف ہیں، بالکل اسی تندہی اور سرگرمی سے وہ تعمیرِ نو کے محاذ پر بھی پوری طرح سرگرم

ہیں۔ ان کا انقلابی جذبہ پوری شانِ ایثار و قربانی سے کئی سالہ تخریب کے ملبے میں سے تعمیر کی عالیشان صورت پیدا کر رہا ہے۔ یہ پہلو بڑا ہی حوصلہ افزا سامنے آیا ہے۔

ہم نے جن ذمہ داران سے معلومات حاصل کیں وہ بیشتر اعلیٰ تعلیم یافتہ، جدید معلومات اور فنی مہارت سے لیس اپنے اپنے شعبہ جات کے ماہرین حضرات تھے۔

مجھے اس سلسلہ میں بیحد تجسّس تھا اس لیے کہ پاکستان میں رنگ برنگی خبروں اور مغربی ملکوں کی خبر رساں ایجنسیوں نے عجیب شک و شبہ کی فضا پیدا کر رکھی تھی اور ہمارے لوگوں کا پُرجوش جذبۂ ہمدردی بتدریج سرد مہری کا شکار ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مسلمان ملکوں کے عوام کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے میں مغربی خبر رساں ایجنسیاں کافی حد تک کامیاب ہوئی تھیں اور جو بات ایران کے انقلابِ اسلامی کی آمد پر سارے مسلمان ملکوں میں مسرّت اور غیر مسلم ملکوں میں حیرت بن کر پھیل گئی تھی اب وہی بات شکوک و شبہات کے درمیان گھر گئی تھی۔ بدقسمتی سے اس چیز میں مزید اضافہ عرب ملکوں کی مخالفانہ پالیسی نے بھی کیا تھا اور اب بیسویں صدی میں برپا ہونے والا یہ انقلابِ اسلامی اپنوں کی سرد مہری اور دشمنوں کی سرد جنگ کا شکار ہو رہا تھا۔ یہ چیز اسلامی انقلاب کے بہی خواہوں کے لیے سخت تشویش کا باعث تھی۔ مَیں اس حوالے سے بھی زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کی فکر رکھتا تھا۔

چنانچہ محترم عالمِ دین آیت اللہ یحییٰ آبادی نے مجھے بہت مفید معلومات مہیا کیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت ملّی تعمیرِ نو کے کاموں میں حصہ لینے کے لیے عوام میں بڑا جوش و خروش موجود ہے وہ رضاکارانہ طور پر اپنے روزمرہ کے کاموں سے نکلتے ہیں اور کئی کئی ہفتوں اور مہینوں کے لیے موقع پر جا کر ایسے کاموں میں حصہ لیتے اور تعاون کرتے ہیں جو تعمیرِ ملت کے لیے ناگزیر کام ہیں۔ یہ تو ایک

معمول بن رہا ہے کہ لوگ اپنی ملازمتوں سے سال میں ایک ماہ کی رخصت لے کر چلے جاتے ہیں اور مفت کام کرتے ہیں۔ بعض جہاد کے لیے محاذِ جنگ پر چلے جاتے ہیں۔ بعض شاہراہوں، پلوں، سڑکوں اور مکانات کی تعمیر میں حصہ لیتے ہیں اور بعض اسکولوں اور دیگر سرکاری اداروں میں بلا معاوضہ دفتری اور تدریسی کام کرتے ہیں۔ گویا عوام میں یہ فیشن بن رہا ہے کہ سال میں ایک ماہ ملت کی بہبود کے کاموں کے لیے وقف کیا جائے۔

بعض لوگ اپنی ہفتہ وار رخصت کو بھی انہیں کاموں میں تعاون کے لیے صرف کرتے ہیں اور اپنے قریب ترین پراجیکٹ پر جاکر اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا۔ "عام لوگوں کی مالی حالت کیسی ہے اور بے روزگار لوگوں کا مسئلہ کیسے حل کیا جا رہا ہے؟"

مولانا یحییٰ آبادی کہنے لگے۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ پورے ملک میں تمام ملازمتوں سے ریٹائرمنٹ کی پنشن پوری تنخواہ کے برابر دی جا رہی ہے۔ جو شخص جس تنخواہ پر ریٹائر ہوتا ہے وہی تنخواہ بطور پنشن اس کو ملتی رہتی ہے۔ اس کے باوجود عوام میں جو لوگ بے روزگار یا بے سہارا رہ جاتے ہیں ان کو سرکاری طور پر فی مرد اور فی عورت پانچ سو تومان ماہوار وظیفہ ملتا ہے جس سے ان کا گزارا ہوتا رہتا ہے۔"

یحییٰ آبادی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ایک "امدادِ امام کمیٹی" بنی ہوئی ہے جس میں لوگ حاجت مندوں اور مساکین کے لیے مسلسل رقوم جمع کراتے رہتے ہیں اور یہ کمیٹی اس کی ذمہ دار ہے کہ تمام حاجت مندوں کا سروے کر کے ان کی امداد کا بندوبست کرے۔ یہ انتظام ملک گیر سطح پر ہے۔

انہوں نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی حکومت ایران کا سارا زور مظلوموں محروموں، مسکینوں، کمزوروں اور پس ماندہ لوگوں کی فلاح و بہبود اور امداد و تعاون پر

ہے۔ وہ حکومت کے مقصدِ وجود میں اس مقصد کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے اس لیے موجودہ حکومت معاشرے کے تمام کمزوروں اور مسکینوں کی فلاح کو اپنے کاموں میں درجۂ اوّل دیتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات فراموش نہ کریں جس کا مشاہدہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ حکومت انتظامیہ پر کم سے کم اخراجات کر رہی ہے اور سادہ ترین زندگی کو اپنے روزمرّہ معمولات میں رواج دے رہی ہے۔ سادہ لباس، سادہ کھانا اور کم معاوضہ۔ اس سے ہمارے انتظامی اخراجات بہت کم ہو گئے ہیں۔ ہم شان و شوکت کی بجائے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے دَور کی سادگی کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ امام خمینی اس پر زور دیتے ہیں اور اسی کو معمول بنایا جا رہا ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ "معاشرتی رسوم کی اصلاح کے بارے میں بھی کچھ اقدامات کیے گئے ہیں"؟

انہوں نے کہا: "سب سے بڑی اصلاح تو یہ ہے کہ ایران کے مسلم معاشرے میں جہیز کی لعنت بہت بڑی مصیبت تھی جس کے سبب والدین اپنی بچیوں کی شادی کرنے سے معذور رہتے تھے۔ لڑکیوں کے بال سفید ہو جاتے تھے اور شادیاں نہیں ہو پاتی تھیں جس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ اسی طرح لڑکی والے جہیز کے مقابلے میں بڑے بڑے مہر طلب کرتے تھے جس کی وجہ سے غریب لڑکے شادی سے محروم رہتے تھے۔ اس خرابی کے سبب معاشرے میں نکاح کرنا سخت دشوار ہو گیا تھا اور جب کسی معاشرے میں نکاح کرنا دشوار بنا دیا جائے تو اس کے نتیجے میں حرام ذرائع کا کھل جانا فطری بات ہوتی ہے۔ لیکن اب ایران کی اسلامی حکومت نے حکم جاری کیا ہے کہ کوئی شخص لڑکی والوں سے کوئی جہیز طلب نہیں کر سکتا اور کوئی لڑکی والا بڑا مہر نہیں مانگ سکتا۔ بس معمولی مہر ۳۲ تومان سے ہزار تومان کے درمیان رکھا جائے اور جس کے پاس یہ رقم بھی نہ ہو حکومت اسے مہر ادا کرنے میں مدد کرنے کو تیار ہے۔ اس کے نتیجے میں

ہزاروں شادیاں ہونے لگی ہیں اور نکاح کا راستہ آسان ہوگیا ہے۔ اس سے معاشرتی خرابیوں پر قابو پایا جارہا ہے۔

"شیعہ سنی مسئلہ جو فقہی اختلاف کا مسئلہ ہے اسے کیونکر حل کیا گیا ہے"۔ میں نے پوچھا۔

وہ کہنے لگے۔ "امام خمینی نے کہا ہے کہ جو شخص شیعہ سنی کا مسئلہ چھیڑتا ہے وہ نہ شیعہ ہے اور نہ سنی ہے وہ سامراج اور استبداد کا ایجنٹ ہے۔ شیعہ سنی بھائی بھائی ہیں۔ دونوں مل کر ایک دوسرے کی مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ ایسے کئی واقعات ہیں حتیٰ الوسع یہ تفریق مٹائی جارہی ہے"۔

"لیکن اس دور میں جداگانہ مساجد اور جداگانہ نمازیں بھی تو فرقہ وارانہ نزاع کا ذریعہ بن چکی ہیں"۔ میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے"۔ انہوں نے کہا۔ "لیکن اس کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ ساری مساجد اللہ کی ہیں۔ کوئی مسجد کسی فرقہ سے منسوب نہ کی جائے۔ جس علاقہ یا محلے یا بستی میں اہلسنت کی اکثریت ہو وہاں اہلِ سنت کا امام ہو اور سب شیعہ نمازی اس امام کے پیچھے اپنے طریقے پر نماز ادا کریں اور جس آبادی میں اہلِ تشیع کی اکثریت ہو وہاں کا امام اہلِ تشیع میں سے ہو اور سب اہلِ سنت نمازی اس امام کے پیچھے اپنے طریقے پر نماز ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ نماز تو خدا کی ہے اور وہ اپنے ہر بندے سے براہِ راست اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ تو نہیں دیکھتا کہ اس نے کس مسلک کے امام کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ اس طرزِ عمل سے بتدریج فرقہ وارانہ تعصب کم ہوجائے گا اور اُمّتِ واحدہ کا تصوّر اُبھرے گا جس کے نتیجے میں مسلمان ملّتِ واحدہ بن سکیں گے"۔

اس کے بعد ہم مختلف حضرات سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ایک امریکہ سے تعلیم یافتہ نوجوان موسوی سے ملاقات ہوگئی جس کے سبب ہمیں بات چیت

اور معلومات حاصل کرنے میں مزید آسانی ہوگئی۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "تعمیرِ نو کا رُخ زیادہ تر کس نوعیت کی آبادی کی طرف ہے؟"

اس نے کہا: "اس وقت ہمارا زیادہ رُخ دیہی آبادی کی طرف ہے جو صدیوں سے پس ماندگی کا شکار رہے۔ شہروں کی کچی بستیاں اور پس ماندہ آبادیاں اور دیہی آبادی ہماری توجہ کا حقیقی مرکز ہیں۔ اس لیے کہ دیہاتوں کے لوگ سب کے سب ہر قسم کی سہولتوں سے محروم ہیں اور شہروں کی کچی بستیاں اور پس ماندہ محلّے ہیں جن پر کبھی کسی نے توجہ نہیں کی۔ اب ہم سب سے پہلے انہیں علاقوں کی تعمیر و ترقی پر ساری قوت صرف کر رہے ہیں تاکہ پہلے تو محرومین کی محرومی رفع ہو اور پھر جب بڑی حد تک مساوات قائم ہو جائے تو پھر یکساں نوعیت کے ترقیاتی منصوبے بنا لیے جائیں۔"

میں نے پوچھا۔ "بجٹ میں آپ کی ترقیاتی رقوم ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں کس تناسب سے خرچ ہو رہی ہیں؟"

موسوی نے کہا: "بس یہ سمجھ لیجئے کہ شہروں میں بلدیاتی ادارے اپنے بجٹ کا ٪۸۰ فیصدی حصہ کچی بستیوں اور پس ماندہ محلوں کی تعمیر و ترقی پر صرف کر رہے ہیں اور ٪۲۰ فیصدی حصہ پہلے سے ترقی یافتہ علاقوں کو ٹھیک ٹھاک رکھنے پر۔ یہی تناسب ملکی ترقیاتی بجٹ کا شہروں اور دیہاتوں کے لیے ہے۔ ٪۸۰ فیصدی بجٹ دیہاتوں کے لیے صرف ہو رہا ہے اور ٪۲۰ فیصدی بجٹ شہروں کے لیے صرف ہو رہا ہے۔"

"ترقیاتی کاموں میں کس نوعیت کے کام سب سے پہلے پیشِ نظر ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ بنیادی ضروریات کو اولیت حاصل ہے۔" موسوی نے کہا۔

"مثلاً سڑکوں اور پختہ راستوں کی تعمیر، پینے کے پانی کی فراہمی، رہائشی مکانات

کی فراہمی، اسکولوں اور مدرسوں کا قیام، ڈسپنسریوں اور ہسپتالوں کا قیام، بجلی کی فراہمی۔ چنانچہ سب سے پہلے انہیں چیزوں کو تمام آبادی تک پہنچانے کے لیے سارا سرکاری منصوبہ صرف ہو رہا ہے اور ہماری ساری قوتیں اسی پر مرکوز ہیں کہ ان بنیادی ضرویات سے پوری آبادی بہرہ ور ہو جائے۔ البتہ اس کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ ترقیاتی کاموں کا اہتمام جاری ہے۔ لیکن ہمارا پہلا کام محرومین کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنا ہے"۔

اس کے بعد اس نے ایک نقشہ نکالا جس میں ایران کے صرف ایک صوبہ خراسان میں ترقیاتی کاموں کی کچھ تفصیل دی گئی تھی۔ اور کہنے لگے۔

"دیکھئے اس نقشے میں خراسان کی ولایت میں سرکاری سطح پر ترقیات کا ایک موازنہ کا چارٹ ہے جس میں شاہ کے زمانے میں جو جو کام ہو چکے تھے ان کے ساتھ ان چار سالوں میں جنگ کے باوجود موجودہ حکومت نے جو ترقیاتی کام کیے ہیں ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

صوبہ خراسان تین لاکھ تیرہ ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۷ بڑے شہر اور ۴۳ چھوٹے شہر یعنی قصبات ہیں۔ یہ ایران میں سب سے بڑا صوبہ ہے جس کی آبادی ۵۰ لاکھ افراد پر مشتمل ہے جن میں دس لاکھ سے زیادہ کاشت کار اور مزدور ہیں۔ اس کا صوبائی دار الحکومت مشہد ہے جو شہادت گاہِ امام رضا ہونے کے سبب مشہور و معروف شہر ہے۔

اسلامی انقلاب کے گزشتہ چار سال میں اس صوبہ میں ترقیات اور تعمیرِ نو کا نقشہ درج ذیل ہے:

نمبر شمار	نام ترقیاتی پراجیکٹ	قبل از انقلاب شاہی دور کی ترقی	بعد از انقلاب اسلامی دور کی ترقی
۱-	سڑکیں۔ دیہاتی علاقہ	۸۷۱ کلومیٹر	۶۱۷۶ کلومیٹر
	" شہری علاقہ	۲۵۲ "	۱۴۱۴ "

۲۔ پینے کا پانی :	دیہاتی علاقہ	۳۸۷ مقامات	۱۱۶۱ مقامات
	شہری علاقہ	۳۳ "	۱۱۰ "
۳۔ رہائشی مکانات :	دیہاتی علاقہ	— مکانات	۷۷۸۶ مکانات
	شہری علاقہ	۳۴۶۰ "	۱۲۰۵۰ "
۴۔ پُل :	دیہاتی علاقہ	۲۳ پراجیکٹ	۳۷۶ پراجیکٹ
	شہری علاقہ	۴۵ "	۲۱۶۸ "
۵۔ اسکول :	دیہاتی علاقہ	۲۵۴ یونٹ	۱۴۲۸ یونٹ
	شہری علاقہ	۲۴۳ "	۷۰۹ "
۶۔ گیس سپلائی :	دیہاتی علاقہ	—	۲۳۳۸ کیس
	شہری علاقہ	۱۲۳۴	۲۴۰۹۸ "
۷۔ ڈاک خانے :	دیہاتی علاقہ	۱۵۲	۴۴۸ یونٹ
	شہری علاقہ	۲۲۵۴۴	۲۴۱۱۵ "
۸۔ شفاخانے اور ڈسپنسریاں :	دیہاتی علاقہ	۱۱۶ یونٹ	۱۹۴ یونٹ
	شہری علاقہ	۱۵ "	۲۶ "
۹۔ بجلی سپلائی :	دیہاتی علاقہ	۳۵۹ کلومیٹر	۱۲۴۴ کلومیٹر
	شہری علاقہ	۴۸۲ "	۱۱۴۹ "

یہ مختصر سا نقشہ ہے جو ایران کے ایک صوبے میں تعمیرِ نو کے کاموں کا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صرف چار سالوں میں ہی ترقیاتی کام شاہ کے طویل دَور کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ چونکہ اب ایک انقلابی جذبے کے تحت کام ہو رہا ہے اور کام کا آغاز ملک کی سب سے زیادہ مظلوم اور پس ماندہ دیہی آبادی سے کیا گیا ہے۔

میں نے پوچھا۔ "موسوی صاحب، دیہات میں تعلیم کا کیا حال ہے۔ تعلیم کے بغیر ترقی بے معنی ہے۔"

وہ کہنے لگے۔ "ہماری تعمیر نو کی جدوجہد کا سارا رُخ دیہات کی طرف ہے اور ہم شہروں سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے گروپ بنا کر دیہاتی آبادی کی تعلیم کی مہم شروع کر رہے ہیں۔ انقلابی نوجوانوں نے یہ محاذ بھی سنبھال لیا ہے اور ہمارا پروگرام ہے کہ چند سال میں دیہات کی آبادی کی تعلیم ۷۰ ۔ ۸۰ فیصدی تک لے جائیں۔"

میں نے کہا۔ "کیا یہ تعلیم نوشت و خواند تک محدود ہے یا اس کا کوئی خاص رُخ ہے۔"

موسوی نے کہا۔ "اس کا رُخ مذہبی، سیاسی اور ذاتی شعور کی بیداری ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ وہ مسلمان ہیں۔ مسلمان ہونے کے تقاضے کیا ہیں اور بہ حیثیت انسان، مسلمان اور ایرانی ان کے کیا فرائض ہیں۔ آپ کو سُن کر مسرت ہوگی کہ امام خمینی نے ایران کے ہر گھر میں سے ایک بچے کو لازماً دینی تعلیم دلوانے کی اپیل کی ہے۔"

"واقعی۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"یقیناً۔ اور لوگوں کا رجحان دینی تعلیم کی طرف بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ وہی ملک ہے جہاں دینی تعلیم بتدریج مٹتی جا رہی تھی۔" موسوی نے کہا۔

"تعمیرِ نو کا یہ پروگرام حکومت نے کب شروع کیا؟" میں نے پوچھا۔

موسوی نے بتایا کہ یہ پروگرام انقلاب کے چند ماہ بعد یعنی جون ۱۹۷۹ء میں شروع کر دیا گیا تھا۔ امام خمینی نے حکم دیا کہ اب خستہ حال اور برباد شدہ ایران کی تعمیر کا آغاز کر دیا جائے اور پھر اس کے بعد تعمیرِ نو کا یہ محاذ کھل گیا۔ اس کے دو مقاصد ہیں۔ پوری آبادی میں روحانی بالیدگی اور دینی احساس کی بیداری اور مادی سہولتوں کی فراہمی۔ اس میں دیہی آبادی کو ترجیح اوّل حاصل ہے اس لیے کہ وہ آبادی صدیوں سے محرومیوں

کا شکار ہے۔ امام خمینی کی اسی اپیل کے نتیجے میں ہزاروں اور لاکھوں افراد نے جن میں عورتیں، مرد، بوڑھے، جوان، مزدور، کاشت کار، دوکاندار اور طلبا سب شامل تھے۔ اپنے آپ کو اس جہادِ تعمیرِ نو کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح تعمیرِ نو کی ایک داخلی فوج تیار ہو گئی۔ اس نوعیت کے متعدد انقلابی ادارے وجود میں آ گئے ہیں۔ مثلاً:

- بنیاد مستضعفین —— محتاجوں اور مساکین کی امداد اور سرپرستی کے لیے۔
- بنیاد مسکن —— بے گھر لوگوں کو مکان بنا کر دینے کے لیے۔
- بنیاد شہدا —— انقلاب اور جنگ کے شہدا کے خاندانوں کی کفالت کے لیے۔
- بنیاد ازدواج —— شہدا کی بیوگان کے نکاح ثانی اور دیگر مسائل حل کرنے کے لیے۔
- بنیاد امور جنگ زدگان —— جنگ سے برباد لوگوں کی نئی آبادکاری اور امداد کے لیے۔
- ہیئت ہفت نفر زمین —— زمین کی تقسیم نو کے لیے سات علما پر مشتمل بورڈ جو ہر ضلع میں زمین کی تقسیم اور جائزہ کے لیے بنایا گیا ہے۔
- کمیٹی مرکزی سپاہ پاسداران۔ انقلاب کی دشمنوں سے حفاظت کے لیے۔
- جہادِ سازندگی —— ملک کی تعمیرِ نو اور پس ماندہ علاقوں کی بہبود کے لیے۔
- بیس ملیون آرمی —— ۲ کروڑ کی فوج تیار اور تربیت دینے کے لیے۔

اور اس نوعیت کے اور بھی متعدد ادارے ہیں جو اپنی اپنی جگہ ایران کو اسلامی انقلاب کے مطابق ڈھالنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"کیا آپ کے ہاں زرعی اصلاحات بھی کی گئی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں ۔ ہر ضلع میں سات علما پر مشتمل ایک زرعی تقسیم نو کمیٹی بنا کر بھیجی گئی جس نے ریونیو کے تمام ریکارڈ دیکھ کر بے زمین کاشت کاروں کو سرکاری اراضی اور جاگیر داریاں اور بڑی زمینداریاں ختم کر کے مناسب زمین تقسیم کر دی اور ساتھ ہی ہر کاشت کار کو ۱۵ ہزار تومان زمین کی آبادکاری ، کھاد اور بیج کے لیے امدادی رقم ناقابلِ واپسی دی گئی جس سے کاشت کاروں میں جوش و خروش پیدا ہوا اور اب ہماری کثیر بنجر زمین بھی آباد ہو رہی ہے اور ہم چند سال میں ہی زرعی لحاظ سے خود کفیل ملک بن جائیں گے انشاء اللہ !"

"کیا زرعی اراضی جاگیر داروں سے خرید کر تقسیم کی گئی ہے یا ضبط کر کے ۔" میں نے پوچھا ۔

"بیشتر ظالم جاگیر دار تو انقلاب آتے ہوئے دیکھ کر ملک چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان کی زمین سرکاری تحویل میں آ گئی ۔ باقی زمین اگر جائز ملکیت تھی تو خرید کر اور اگر ناجائز تھی تو ضبط کر کے تقسیم کر دی گئی "، موسوی نے کہا ۔

"کیا آپ کے ہاں بیوروکریسی اور کرپشن بھی پائی جاتی ہے ۔" میں نے پوچھا

"بیوروکریسی اور کرپشن دراصل سیکولر انتظامیہ کا مزاج ہے جو خالص مادہ پرستی پر مبنی ہوتا ہے ۔ ہم خدا پرستی کو خدمت کا معیار بنا رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ کی رضا کو خدمت کا حقیقی مرکز بناتے ہیں ۔ اس تصور کے ذریعے بیوروکریسی نہیں بلکہ خدامِ خلق پیدا ہوتے ہیں اور وہ کرپشن نہیں کرتے بلکہ خدمت کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں ۔" موسوی نے کہا ۔

" دیہاتی علاقے میں جہادِ سازندگی یا تعمیرِ نو کے کس قدر مراکز ہوں گے ۔" میں نے پوچھا ۔

موسوی نے کہا ۔ " اس ادارے میں لوگ کم سے کم معاوضے پر زیادہ سے زیادہ

محنت کرتے ہیں۔ اس میں شمولیت کا معیار خدا ترسی، تقویٰ اور دیانت ہے وہ لوگ اس میں شامل ہونا فخر محسوس کرتے ہیں۔ اب تک ۶۰ ہزار سے زائد دیہات میں ترقیاتی کاموں کا آغاز ہو چکا ہے اور اس ادارے کے پانچ سو سے زائد مراکز ہیں۔ ان مراکز کے ذریعے پانچ اہم گوشوں میں کام پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔"

اس کے بعد موسوی نے ایک دوسرا نقشہ نکالا اور کہا۔

"دیکھئے یہ وہ فیلڈ ہیں جن پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

- ثقافتی اصلاح و ترقی۔
- زرعی ترقی
- مویشیوں کی دیکھ بھال، افزائش اور علاج معالجہ
- صحت عامہ کی بہتری اور علاج کی سہولتیں اور
- عمومی ترقیاتی کام

اس نے اعداد و شمار کے ایک چارٹ کی طرف اشارہ کیا اور دکھایا کہ اب تک ملکی سطح پر:

- اسکول نئے تعمیر کردہ ۲۶۰۷ ہیں اور زیر تعمیر ۶۷۰۳ ہیں۔
- عوام کے حمام اور غسل خانے نئے تعمیر کردہ ۲۱۳۳ ہیں اور زیر تعمیر ۲۶۱۶ ہیں۔
- مساجد نئی تعمیر کردہ ۶۱۷ ہیں اور زیر تعمیر ۱۴۵۷ ہیں
- علاج گاہیں اور ڈسپنسریاں نئی تعمیر کردہ ۱۰۰ ہیں اور زیر تعمیر ۱۱۱ ہیں۔
- عمارات برائے رہائش گاہیں " ۶۸۹۸ ہیں اور زیر تعمیر ۲۳۳۰۰ ہیں۔
- بجلی سپلائی۔ پہنچا دی گئی ۱۹۶۰ گاؤں میں زیر تکمیل ۵۳۳ ہیں۔
- پل چھوٹے بڑے —— ۶۴۳۱ تیار ہوئے زیر تکمیل ۳۶۵ ہیں۔
- ٹریکٹر تقسیم کیے گئے ۱۰۰۰۷ عدد

○ بیج دیا گیا ۱۵۰۹۰۳۳ ٹن

غرض مختلف چارٹوں سے موسوی نے بے شمار اعداد و شمار کی مدد سے مختلف النوع ترقیات کے نقشے دکھائے جس سے اس عظیم الشان ترقیاتی کام کا اندازہ ہوا جو سپاہ تعمیرِ نو پورے ملک میں سرانجام دے رہی تھی۔

میں نے پوچھا۔ "اس سارے ترقیاتی کام میں آپ غیر ملکی ماہرین سے بھی کوئی فنی مہارت کے مشورے لے رہے ہیں۔ مثلاً مغرب کے ماہرینِ معاشیات و ترقیات سے مشورہ۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ بھائی مغرب کے غیر ملکی ماہرین سے مشورہ تو ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ ہم ان سب کو طاغوت کے ایجنٹ اور اسلامی انقلاب کے دشمن سمجھتے ہیں ہم نے جو اپنے نوجوان مختلف علوم میں مہارت کے لیے مختلف ملکوں میں تحریک کے ابتدائی ایام میں بھیجے تھے ان کی مجموعی تعداد دس ہزار سے زائد ہے جو مختلف علوم میں ڈاکٹریٹ دنیا کے مختلف صنعتی ممالک سے کر کے آئے ہیں۔ بس ہم ان کے گروپ بنا کر ان سے ہی کام لے رہے ہیں۔ اسلامی انقلاب کے استحکام کے لیے ہم کسی مغربی ماہر سے مشورہ لینے کو تیار نہیں ہیں۔" موسوی نے کہا۔

"برادرم۔ آپ نے جو یہ قوت حاصل کی ہے اس کا حقیقی راز کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

آیت اللہ یحییٰ آبادی بولے۔ "ہماری قوت کا راز تعلق باللہ اور مستضعفین اُمت سے ہمارا گہرا تعلق ہے۔ بس اسلامی انقلاب کے لیے یہی دو قوتیں کافی ہیں اور تیسری قوت جذبۂ شہادت ہے۔ اللہ سے محبت۔ مساکین اور مظلوموں سے ہمدردی اور شوقِ شہادت۔ بس یہی تین چیزیں مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ رہی ہیں اور آئندہ بھی مسلمان انہیں کی مدد سے قوی ہو سکتے ہیں۔ ہمارا انقلاب توحیدی انقلاب ہے۔ اس میں ہم کسی شرک کی آمیزش گوارا نہیں کر سکتے۔ ہم امریکہ، روس، اسرائیل اور دنیا کی سب باطل قوتوں

کے مقابلے میں لڑکر اسلامی انقلاب لائے ہیں اور دنیا کی باطل قوتوں سے حفاظت کرنے کی ضامن ہمارے پاس یہی تین قوتیں ہیں۔ امام خمینی کہتے ہیں کہ دنیا کو اسلام کیمطابق بناؤ، اسلام کو دنیا کے مطابق نہ بناؤ۔ چنانچہ ہم انقلاب کے مرحلے میں اپنی دنیا کو اسلام کے مطابق بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہم مغرب و مشرق کے طاغوتوں کو ٹھکرا کر خدائے واحد کے در پر سر جھکانے کے لیے انقلاب لائے ہیں۔"

میں نے صنعتی یونٹ کے انچارج ایک افسر سے صنعتی صورتِ حال کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا۔

"ہمارے ہاں کارخانوں میں کوئی کشیدگی نہیں ہے۔ ہم نے پرانا سرمایہ دارانہ سسٹم بدل دیا ہے اور اب کارخانے مزدوروں، مالکوں اور حکومت کے مساوی نمائندوں کی شوریٰ کے ذریعے چلائے جا رہے ہیں جسے شوریٰ کا اگراں کہا جاتا ہے۔ مزدور کی تنخواہ پہلے مرحلے میں ہی شاہ کے دور سے تین گنا کر دی گئی تھی اور اب کم سے کم تنخواہ ۲۴۰۰ تومان مقرر ہے۔ دوپہر کا کھانا سب مل کر اکٹھے کھاتے ہیں اور اس میں انتظامیہ کے نمائندوں اور مزدوروں میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ سب اپنی مدد آپ کے تحت اپنی اپنی باری سے کھانا لیتے ہیں۔ ہر کارخانے میں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جس کے کشادہ صحن میں بیٹھ کر سب کھانا کھاتے ہیں اور پھر نماز کے بعد اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں۔ سال کے بعد کارخانے کے منافع کی بیلنس شیٹ بن جاتی ہے جس کا ۱/۳ فیصدی مزدوروں کا بونس ۱/۳ فیصدی انتظامیہ کا منافع اور ۱/۳ فیصدی حکومت کا ٹیکس بن کر تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہی سیدھا سادا سسٹم تمام کارخانوں میں رائج ہے۔ اس کے نتیجے میں پیداوار بڑھ گئی ہے۔ ہم سٹیل میں خود کفیل ہو رہے ہیں۔ ٹریکٹر اپنے بنا رہے ہیں یہاں تک کہ ہمارے ماہرینِ صنعت نے دفاعی ضروریات میں بھی بیش بہا ترقی کی ہے۔ ابھی حال ہی میں انتہائی نازک اور حساس قسم کا ریڈار سسٹم ہمارے ماہرین نے ایجاد کیا ہے۔"

ملاقاتوں، گفتگوؤں اور معلومات حاصل کرنے کا یہ سلسلہ نمازِ عصر کے مختصر سے وقفہ کے بعد مغرب تک اور پھر مغرب کے بعد رات ۹ بجے تک جاری رہا۔

آخر میں مہمانوں سے خطاب کرتے ہوئے آیت اللہ قانی نے کہا۔

" برادرانِ اسلام اور محترم مہمانانِ گرامی ! آپ اُس انقلاب کو بغور دیکھیں جو ہم اللہ کے بھروسے اور تائید سے خون بہا کر لائے ہیں۔ اس انقلاب نے ثابت کر دیا ہے کہ روٹی کپڑا اور مادی ضروریات نہیں بلکہ سب سے بڑی قوت جو انسانیت کے پاس ہے وہ مذہب ہے۔ اس کے زور سے اتنی بڑی قربانیاں دی جا سکتی ہیں۔ مظلوموں کی مدد کیجئے تو وہ آپ کے دست و بازو بن جائیں گے۔ اس نسخے سے آپ دنیا کے ہر خطے میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔"

رات کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تو ۱۱ بج چکے تھے۔ دن بھر کی مصروفیت نے تھکا دیا تھا لیکن ہم بیحد خوش تھے کہ ہم نے انقلاب کو بہت قریب سے کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

شوریٰ، عورت اور عدلیہ

۳ر فروری کا دن اسلامی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کرنے اور اس کی کارروائی دیکھنے کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ ناشتہ کے بعد ۹ بجے ہی ہماری بسیں ہمیں مجلس نمائندگان کے ایوان (اسمبلی ہاؤس) میں لے گئیں اور ہم ایک ایسے اجلاس میں شریک ہوئے جو بھرپور طریقے سے اپنے ملی مسائل پر بحث کر رہا تھا اور کارروائی بہت جاندار طریقے سے جاری تھی۔ ایران میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس بالعموم جاری رہتا ہے اور بہت کم وقفے ہوتے ہیں۔ اس ہاؤس میں علما کی تعداد دو تہائی کے لگ بھگ ہے۔

ہمیں مخصوص نشستوں پر بٹھا دیا گیا اور ہیڈ فون دے دیے گئے جن کی مدد سے ہم مختلف زبانوں میں کارروائی کا ترجمہ ساتھ ہی ساتھ سن سکتے تھے۔ اس طرح ہمارے لیے یہ ممکن ہوا کہ ہم ممبرانِ شوریٰ کے خیالات اور ان کے زیرِ بحث مباحث سے آگاہ ہو سکیں۔ ہمارے لیے یہ تجربہ اس لیے بھی بہت دل خوش کن تھا کہ چائے کے وقفہ میں ہمیں ممبرانِ مجلسِ شوریٰ سے بات چیت کرنے اور مختلف ملی اور عالمی موضوعات پر اظہارِ خیالات کا موقع مل گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارا جو وقت ان حضرات کے درمیان گزرا وہ بہت معلوماتی تھا۔ اسمبلی کا یہ اجتماع ایران کی انقلابی عوامی قیادت کا نمائندہ منتخب اجتماع تھا۔ ہمارے لیے یہ بہت ہی قیمتی وقت تھا۔ یہ سب اسلامی ذہن کے انقلابی لوگ تھے۔ ان میں بڑی تعداد علمائے کرام اور دینی رہنماؤں کی تھی جو قرآن و سنت پر باقاعدہ عبور رکھتے تھے۔

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ تحریکِ اسلامی ایران نے اپنے عوامی انتخابات میں نمائندوں کے لیے ۱۲ صفات طے کی تھیں۔ ان صفات کا حامل شخص ہی مجلسِ شوریٰ کے انتخاب میں نمائندے کے طور پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ وہ صفات جو میں نے زبانی طور پر ان حضرات سے معلوم کیں وہ کچھ اس طرح تھیں۔

۱۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے نمائندہ لازماً مسلمان ہو۔

۲۔ قرآن و سنت کے علوم سے مناسب حد تک آگاہ ہو۔

۳۔ عرفِ عام میں اس کی دیانت اور امانت مسلّمہ اور معروف ہو۔

۴۔ فرائضِ دینی کا پابند ہو۔

۵۔ شرعی منکرات سے مجتنب ہو۔

۶۔ عاقل و بالغ ہو۔

۷۔ حالاتِ حاضرہ سے آگاہ اور صاحبِ بصیرت ہو اور لوگوں کے رسوم و رواج سے آگاہ ہو۔

۸۔ لوگوں میں عمومی طور پر معتمد علیہ ہو۔

۹۔ صاحبِ سیرت و کردار ہو۔

۱۰۔ سچا اور عادل ہو۔ اس سے جھوٹی شہادت ثابت نہ ہو۔

۱۱۔ مساکین کا ہمدرد اور غمخوار اور خادمِ خلق مشہور ہو۔

۱۲۔ کسی جرم میں سزا یافتہ نہ ہو۔

انہیں صفات کے حامل اسلامی مجلسِ شوریٰ کے سب ممبر حضرات وہاں موجود تھے اور ان سے ملاقات ایسے شرفاء سے ملاقات تھی جو گویا ایران کے اسلامی معاشرے کا مکھن تھے۔ وہ قدیم علوم کے ماہر بھی تھے اور جدید علوم سے بھی پوری پوری آگاہی رکھتے تھے۔

ایک بجے تک اجلاس کی کارروائی جاری رہی۔ اس کے بعد چائے اور نمازِ ظہر کا وقفہ ہوا۔ دوسرا سیشن ۲ بجے شروع ہوا اور اس میں خواتین کی ایک نمائندہ مشہور ایرانی دانشور خاتون ڈاکٹر فرشتہ ہاشمی کی دلپذیر تقریر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا خطاب بڑا ہی خیال افروز تھا۔ انہوں نے ہجرت کو موضوع بنا کر ایرانی مسلمان عورت کے تغیرِ احوال پر گفتگو کی۔ وہ سر سے پیر تک باپردہ تھیں۔ انہوں نے کہا۔

"اس انقلاب کے ذریعے ایران کی مسلمان عورت نے شرک سے توحید کی طرف ہجرت کی ہے۔ اسلامی ہجرت کے لیے ایک تصور، ایک کشش اور ایک جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ ہجرت صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک اسلامی حکم ہے۔ یہ اسلامی حکم اتنا اہم ہے کہ رسولِ خدا کے یوم ولادت یا بعثتِ نبوی کی تاریخ کی بجائے اسلامی تقویم کا آغاز اسی سے کیا گیا ہے۔

انہوں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جب ہم ابتدائے اسلام میں ہجرت کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا شعور حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی ذہنیت اور بیداری پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے ظلم و ستم عدم مساوات اور بالآخر شرک کی وجوہ معلوم کر لی تھیں۔ اس تصور نے ان کے دلوں میں اس نظام کو بدلنے کی زبردست خواہش پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ جو شخص ضعیف تھا یا خود مظلوم تھا اس نے ظلم کی اصل فطرت کو پہچان لیا اور تصورِ توحید نے اسے بیدار کر دیا۔ اس تصور کی بدولت اب نہ وہ دوسروں پر ظلم کرتا تھا اور نہ دوسروں کا ظلم برداشت کر سکتا تھا۔ اس کے دل میں نہ صرف ظلم کے خلاف بیزاری پیدا ہو گئی تھی بلکہ ظلم و ستم کی جڑ کاٹ دینے کا شدید جذبہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس جذبے نے اسے جدوجہد پر ابھارا اور پھر اس نے اپنی ساری زندگی ظالم مشرکوں کے خلاف لڑنے کے لیے وقف کر دی۔

انہوں نے مزید کہا۔

ایرانی عورتوں کی اکثریت دو محاذوں پر جدّوجہد کر رہی تھی اور یہ دونوں محاذ شرک کے خلاف تھے۔ ایک محاذ پر ان کا سامنا روایتی اور رجعت پسند اسلام سے تھا۔ یہ اسلام توہمات، روایت پرستی اور دشمنانِ اسلام کے پیدا کردہ انحرافات سے بھرپور تھا۔ ان توہمات اور انحرافات کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو حقائق سے بے گانہ بنا دیا جائے بدقسمتی سے یہ صورتِ حال قصبات اور دیہات کے نسبتاً محدود معاشروں میں زیادہ تھی۔ دوسرے محاذ پر وہ مغربی اسراف اور استعماری شرک سے دوچار تھیں۔ اس قسم کے ثقافتی شرک کو شاہ اور اس کے سرپرستوں کی مشرکانہ قیادت نے فروغ دیا تھا اور اس غرض کے لیے ہمارے شہری معاشرے میں ذرائع ابلاغ کو بے محابا استعمال کیا جاتا تھا۔

جدید مغرب زدگی پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

شرک کا دوسرا پہلو جس نے ایرانی عورت کے ذہنی عمل کو محدود اور مقیّد کر دیا تھا، مغربی نظام کا شرک ہے۔ رجعت پسندانہ شرک کی طرح اس شرک نے بھی عورت کو ایسی لاچار اور افسردہ مخلوق بنا دیا تھا، جو اپنے بچوّں میں عزتِ نفس اور وقار کی رُوح نہیں پھونک سکتی تھی۔ وہ اتنی کم اختیار تھی کہ اپنے گھر میں ذمہ داری کا کوئی احساس پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے ذہنی ماحول میں اس کی فکر صرف اتنی تھی کہ وہ اپنی جنس اور جنسیّت کی طرف ہی توجہ دے سکے اور ذہانت اور شخصیّت کی پروا نہ کرے۔ اس شرک کی بعض نمایاں خصوصیات دلفریب ملبوسات کے نام پر عُریانی، آزادی کے نام پر بے راہ روی اور معاشرہ میں عورت کو بطور صارف اور اشیائے تعیّش کے لیے ایک لطیف کشش کی حیثیت سے پیش کرنا ہیں۔ جہاں پُرانے نظام نے عورت کو خاندان اور گھر کا غلام بنا دیا تھا۔ وہاں نئے نظام نے اسے گھر سے آزاد کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اسے چہرے کی تزئین و آرائش کے غیر ضروری تعیشات کا

اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے لازمی خریدار بنا دیا تھا۔ وہ اپنے حسن و جمال کی آرائش اور گھر کی تزئین میں اس قدر مشغول ہو گئی تھی کہ اس کے پاس اپنے شوہر کے لیے بھی کوئی وقت نہیں رہا تھا۔ ان حالات میں یوں نظر آتا ہے کہ رجعت پسندانہ شرک میں ذمہ داری کو پابندی اور جبر میں اور مغربی شرک میں بے راہ روی اور سطحیت میں بدل دیا گیا ہے۔ یہ امر کتنا حیرت انگیز ہے کہ ذمہ داری کو اتنی متضاد حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے، یعنی پابندی اور جبر ایک طرف اور بے راہ روی اور انسانی اصولوں سے بغاوت دوسری طرف۔

انہوں نے دینی شعور کی بیداری کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

توحید کے تصوّر نے اسے آگاہ کیا کہ اس کی ذمہ داری نہ تو یہ ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری میں محبوس رہے اور پابندی و جبر کے سامنے سر خم کر دے اور نہ ہی یہ کہ وہ گھر سے گریز کرے اور معاشرے کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے کہ وہ جس طرح چاہے اسے استعمال کرے۔ تصوّرِ توحید کے ذریعے اس نے معلوم کر لیا کہ وہ ایک ذمہ دار انسانی فرد ہے، جو اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے معاشرے کے سامنے اپنی، اپنے خاندان اور اپنے معاشرے کی ترقی کی ذمہ دار ہے۔ اس نے معلوم کر لیا کہ اسے انسانی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیئے اور خدا کی زمین پر مرد اور عورت کی عظمت و رفعت کے لیے خدا کی نیابت کا فرض ادا کرنا چاہیئے۔

پھر انہوں نے انقلابی جدّوجہد کے دَور کا ذکر کیا اور کہا۔

خواتین کی اکثریت نے مظاہروں میں حصہ لیا، انہوں نے اس حالت میں مظاہرہ کیا کہ کسی کی گود میں شیر خوار بچہ تھا اور کسی نے بچّے کو انگلی لگایا ہوا تھا، جب کہ مرد مظاہرہ کرنے کے لیے اکیلے ہی بڑھ رہے تھے، عورتیں اپنے بچوں کو ساتھ لیے ہوئے تھیں۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا کہ عورتیں حاملہ ہیں، انہوں نے ایک بچّے کو گود میں

اٹھایا ہوا ہے اور دوسرے کا ہاتھ تھاما ہوا ہے، اکثر اوقات وہ ان کی غذائی ضروریات بھی ساتھ لیے ہوئے ہوتی تھیں، انہوں نے دس دس بارہ بارہ گھنٹوں کے طویل مظاہروں میں بھی حصہ لیا۔

عورتوں کی اس جدوجہد کا ایک حیرت انگیز پہلو زخمیوں کی دوا دارو کا ماہرانہ اور صبر آزما کام تھا، انقلابیوں کے قصبوں اور اس طرح ہسپتالوں کو آزاد کرانے سے پہلے یہ بات حیرت افزا تھی کہ عورتوں نے کس طرح خفیہ طور پر اپنے گھروں میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور یہ ایسا وقت تھا جب بے شمار زخمی انقلابیوں کو ہسپتالوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو حکومت یا تو انہیں ختم کر دیتی یا دوا دارو کے بغیر انہیں مرنے کے لیے چھوڑ دیتی، چنانچہ بے شمار گھر تیمارخانوں میں تبدیل ہو گئے، جہاں محبِ وطن مسلمان خواتین زخمی مردوں اور عورتوں کی تیمار داری کرتی تھیں، حتیٰ کہ وہ چلنے پھرنے اور واپس محاذ پر پہنچنے کے قابل ہو جائیں اور جب قصبوں اور ہسپتالوں پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر ان عورتوں نے روئی، پٹیاں اور دوائیں وغیرہ خود فراہم کیں۔

عورتوں کی جدوجہد کا ایک اور پہلو اُن کی خبر رسانی کی خدمت تھی۔ تمام ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی۔وی، اخبارات وغیرہ کلیتہً بے رحم اور ظالم حکومت کی گرفت میں تھے۔ ہماری عورتیں انقلاب کی تازہ ترین صورتِ حال سے باخبر رکھنے کے لیے تیز ترین اور بلاواسطہ ذریعہ تھیں۔ وہ اپنی رشتہ داروں اور سہیلیوں بلکہ دوسرے شہروں اور قصبوں کو خبریں پہنچانے کے لیے ٹیلیفون استعمال کرتی تھیں۔ بعض کے پاس طباعت کے خفیہ وسائل بھی تھے اور وہ لاکھوں کی تعداد میں امام کے اعلانات اور عام معلومات کے مراسلات اپنے مجاہد بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم کرتی تھیں۔

جن عورتوں کے شیر خوار یا چھوٹے بچے نہیں تھے انہوں نے ایندھن کا خرچ صفر تک گھٹا دیا۔ گوشت اور انڈے کا استعمال کم سے کم کر دیا وہ سردی سے بچنے کے لیے

اوورکوٹ اور کمبل استعمال کرتیں۔ اپنے گھروں میں بجلی کے ہیٹر نہ جلاتیں تاکہ وہ خاندان جن کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ایندھن استعمال کر سکیں۔ انہوں نے گوشت کا استعمال کم سے کم کر دیا تاکہ بچوں والے گھرانے کے مریض اور زخمی اس کی قلّت محسوس نہ کریں۔ بعض عورتیں اپنی ذخیرہ کردہ اشیاء سے کھانا پکاتیں اور اسے مجاہدین اور زخمی انقلابیوں میں تقسیم کرتیں اس لیے یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں کہ جب ایسے تمام انقلابات میں خوردنی اشیاء اور ایندھن کی اکثر قلّت ہو جاتی ہے۔ ایرانی انقلاب کے دوران میں اس کا کہیں بھی کوئی اثر نہ تھا۔

عورتوں کی اخلاقی مدد نے مرد کو بندوق سنبھالے رکھنے کا حوصلہ بخشا اور ایسے عالم میں جب کہ شدائد کا سخت دباؤ تھا وہ محاذ پر ڈٹے رہے۔ مسلمان عورتوں کی اس قربانی نے مامتا کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اکثر اوقات انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹوں کو کفن پہنایا اور انہیں کوچہ و بازار کے میدانِ جنگ میں بھیجا۔ استبدادی حکومت کے زمانے میں ایک ماں نے جس کے چار بچے شہید ہو چکے تھے اپنے آخری دس سالہ بچے کو اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے قسم کھا کر کہا: "یاد رکھو میں یہ بچہ بھی اسی لیے پال رہی ہوں کہ تم سے جنگ لڑے۔ میں اللہ کی راہ میں ایک اور قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔" بہشتِ زہرا کے قبرستان میں آپ ان شہیدوں کی آخری آرام گاہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کو ایسی مائیں ملیں گی جو غم زدہ زائرین کو تسلّی دیتے ہوئے کہتی ہیں: "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا آپ ہمارے لیے رو رہے ہیں؟ ہمارے پاس تو یہ بچے اللہ کی امانت تھے تاکہ ہم انہیں پالیں پوسیں۔ وہ جب بھی مانگتا ہمیں واپس کرنا تھے۔ کیا یہ رونے دھونے کا موقع ہے یا فخر و مباہات کا کہ ہم نے اللہ کی ان امانتوں کو پالا پوسا اور جب اس نے انہیں طلب کیا تو ہم نے پوری امانت داری سے انہیں واپس کر دیا۔"

آخر میں ایرانی عورت کی اسلام کی طرف پیش رفت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"عورت کی دوسری قابلِ قدر حیثیت وہ ہے جسے سچے اسلام نے ایک مسلمان عورت کے لیے تسلیم کیا ہے، مسلمان عورت نے اپنی عظمت و بزرگی کا وہ مرتبہ ابھی حاصل کرنا ہے، جسے اسلام کی رو سے اسے پہچاننا اور پسند کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انقلاب کے بعد کی مسلمان عورت ایک طرف اپنے آپ کو اس مقام سے برتر محسوس کرتی ہے. جہاں اس کے بھائی اسے سمجھتے ہیں اور دوسری طرف اسے ابھی اس مقام تک پہنچنا ہے، جو اسلام نے اس کے لیے مخصوص کر رکھا ہے، چنانچہ وہ اقدار کی دو حیثیتوں کے درمیان ہے۔ یہ ہے اس مسلمان عورت کی وہ عظیم ذمہ داری جس نے شرک سے ہجرت کی طرف منزلیں طے کی ہیں اور یہ وہ بارِ گراں ہے، جو اسے مدتوں اٹھانا ہے۔"

تین بجے شوریٰ کا اجلاس ختم ہوا تو ہم کھانے کے لیے چلے گئے۔ اور کھانے کے بعد فوراً ہی ہمیں ایران کی عدالتِ عالیہ کے جج صاحبان سے ملاقات کے لیے لے جایا گیا۔

ایران کی اسلامی عدالتوں کے ججوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ اسلام کے قوانین کا گہرا علم رکھتے ہوں اور قرآن و سنّت کی روشنی میں قوانینِ اسلامی پر ان کی نگاہ وسیع اور گہری ہو۔ ان کا فقیہہ ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کی غیر جانبداری اور بے لوث صلاحیت بھی لازم ہے تاکہ اگر اس کے کمرۂ عدالت میں وزیر یا صدرِ مملکت بھی آ جائے یا معمولی مزدور حاضر ہو تو دونوں کے ساتھ وہ مساوی سلوک کریں۔

ایران کے نظامِ عدل میں تبدیلیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا اہتمام بھی ایک ضروری امر ہے۔ جیلوں میں ایذا رسانی اور شکنجہ گری نہیں ہے اس لیے کہ ایذا رسانی اسلام کے منافی ہے اور یہ صرف غیر اسلامی قید خانوں میں ہی ممکن ہے۔ اس کا اعتراف وہ

قیدی بھی کرتے ہیں جو ان قید خانوں سے رہا ہو کر آتے ہیں۔ جیلوں کی نگرانی عدالتوں کے جج خود کرتے ہیں۔ قیدیوں کو جیلوں میں طرح طرح کے ہنر سکھائے جاتے ہیں۔ ذہنی تعلیم و تربیت و تطہیر کی جاتی ہے اور انہیں شریف شہری بن کر رہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے انہیں کوئی نہ کوئی فن سکھا کر اس کام کے لیے تیار بھی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پریس کا کام، کپڑا بننے کا کام، پلاسٹک کے برتن بنانے اور بڑی بڑی مہارت کے کام سکھانے کا اہتمام انقلاب کے بعد اب ان جیل خانوں میں ہوتا ہے۔ اب یہ جیل خانے جرائم سیکھنے کی کارگاہیں نہیں ہیں بلکہ انسانیت، شرافت، علم اور فن سیکھنے کے مراکز بنا دیے گئے ہیں۔ یہ عدلیہ کے تحت ہیں۔

امریکہ نے اپنے یرغمالیوں کے جیل خانہ کی اذیتوں کا نام لے لے کر انہیں اپنے مخالفانہ پروپیگنڈے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی ایک یرغمالی نے بھی غلط بیان دینے سے صاف انکار کر دیا اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ ان کے ساتھ جیل میں نہایت اچھا سلوک کیا گیا تھا۔ یہ سلوک ایران میں تمام قیدیوں کے ساتھ یکساں طور پر کیا جاتا ہے۔

ایران کے جیل خانوں میں شاہ کے دَور کا اذیت دینے کا رواج بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور قیدیوں کی عزتِ نفس تک کا احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے کھیل کود، بحث مباحثے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مہیا کیے جاتے ہیں۔ نماز اور دینی شعائر کی پابندی کی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ ورزش کا سامان، فٹ بال، ٹیمیں اور مقابلوں تک کا انتظام جیل میں کیا جاتا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مختلف علمی ادبی کتب کی فراہمی بھی کی جاتی ہے۔

قیدیوں کی گھر سے غیر حاضری کے دوران میں ان کے بیوی بچوں کو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ یہ دستور صرف ایران کے اسلامی جیل خانوں میں ہی رائج ہے۔

ایران میں اس وقت تین قسم کی عدالتیں قائم ہیں جن میں ایک ہی اسلامی قانون رائج ہے۔ البتہ ان کا دائرہ کار الگ الگ ہے ۔

- انقلابِ اسلامی کی فوجی عدالت ۔
- مخصوص عدالت برائے منشیات ۔
- مخصوص عدالت برائے اشیاء خوردنی ۔

ججوں نے بتایا کہ فوجی عدالتیں دراصل اس مقصد کے لیے قائم کرنی پڑی ہیں کہ دشمن قوتوں نے ہماری فوج کے اندر نقب لگا کر بعض فوجیوں کو جوابی انقلاب برپا کرنے پر آمادہ کیا اس لیے ہمیں مجبوراً دنیا بھر کے رواج کے مطابق ایسے لوگوں کے کورٹ مارشل کے لیے فوجی عدالتیں قائم کرنی پڑیں جو صرف فوجی مسائل کو فوجی قواعد کی روشنی میں حل کرتی ہیں۔ منشیات کے لیے بھی علیحدہ عدالتیں اسی لیے بنانی پڑی ہیں کہ ہمارے ملک میں ہمارے دشمنوں نے مختلف راستوں سے منشیات کو بڑے پیمانے پر اسمگل کر کے ہمارے معاشرے کو بگاڑنے کی مہمات شروع کر دی تھیں چنانچہ ہمیں ہنگامی بنیادوں پر منشیات کے لیے جداگانہ عدالتی نظام قائم کرنا پڑا تاکہ وہ اس مسئلے کو زیادہ مہارت اور سرعت سے حل کر سکے۔ اسی طرح اشیاء خوردنی کو مارکیٹ سے غائب کرنے، ذخیرہ اندوزی کرنے، قلت پیدا کرنے اور ملاوٹ کرنے کے سارے مسائل کو بعض مخصوص عدالتوں کے ذریعے حل کیا جا رہا ہے۔ جیسے ہی حالات نارمل ہو جائیں گے تو یہ سارے مقدمات نارمل عدالتوں میں چلے جائیں گے۔ موجودہ ہنگامی حالات میں ان مسائل کو ہنگامی بنیادوں پر حل کرنے کے لیے ان عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

ججوں کی زبانی عدالتی نظام اور جیل خانوں کے حالات سن کر ہمیں کافی اطمینان ہوا اور محسوس ہوا کہ اسلامی انقلاب ایران میں زندگی کے سارے گوشوں میں اپنے

اثرات دکھا رہا ہے اور فی الحقیقت ایران میں اس کی انسانیت پرور برکات ظاہر ہونے لگی ہیں۔

ججوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ مقدمات کا تصفیہ کرنے میں قرآن وسنّت اور فقہ کو سامنے رکھتے ہیں اور شہادتوں کی بنیاد پر جلد از جلد فیصلے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور انہیں طول دینے سے سخت گریز کیا جاتا ہے۔

جج حضرات سے ملاقات کے بعد ہم نے تہران کی ایک جامع مسجد میں عام نمازیوں کے ساتھ نماز عشاء ادا کی۔ ان سے کچھ ملاقاتیں بھی کیں اور ان کے چہروں پر اطمینان و سکون کی مسرت دیکھی۔ یہ امر قابلِ اطمینان ہے کہ تہران کی مساجد میں اب نمازیوں کا ہجوم دیکھا جا سکتا ہے۔

رات گیارہ بجے ہم ہوٹل آزادی میں اپنی قیام گاہوں پر واپس آئے۔

جہاد اور میدانِ جنگ

۴ اور ۵ فروری جمعہ اور ہفتہ کے دن محاذ جنگ پر جانے اور جنگی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے دن تھے۔ یہ دورہ ان تقریباتِ آزادی کا سب سے زیادہ اہم دورہ تھا۔

قدم قدم پر اسلامی حکومت ایران کے ذمہ داران کی تقاریر میں ہم چار نکات بہت کثرت سے سُن رہے تھے جو عراق ایران جنگ بند کرنے کے لیۓ وہ بار بار تکرار کے ساتھ تمام اجتماعات میں پیش کیۓ جا رہے تھے۔ وہ ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کے پورا ہونے پر بھی جنگ بند کرنے کو تیار ہونے کا اعلان کرتے تھے۔

(۱) اگر صدام کی حکومت عراق میں اسلامی نظام نافذ کر دے تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

(۲) اگر صدام کی حکومت اپنے ملک میں غیر جانبدارانہ، منصفانہ اور آزادانہ انتخابات منعقد کرائے تاکہ عوام کے منتخب نمائندے حکومت میں آ جائیں تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

(۳) اگر مسلمان حکومتوں کی اسلامی سربراہی کانفرنس اپنے اجلاس میں عراق کی جارحیت کے خلاف قرار دادِ مذمت پاس کر دے تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

(۴) اگر ایران کو اس کے نقصانات کا پورا پورا تاوان ادا کر دیا جائے تو وہ جنگ بند

کرنے کو تیار ہے۔

لیکن ان میں سے کسی ایک شرط پر بھی عراق عمل کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اور اسلامی سربراہی کانفرنس اور امہ کمیٹی غیر مشروط طور پر جنگ بند کر کے مذاکرات کی میز پر مسائل کو طے کرنے کا فارمولا پیش کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت ظالم و مظلوم کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنے کے مترادف اور اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف تھی افسوس کہ مغرب کی کافر حکومتیں مسلمان حکومتوں کی پالیسیوں پر اس درجہ قابو یافتہ ہیں کہ وہ ایک اسلامی ملک کو اپنے ہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کی سزا بھی مسلمان حکومتوں کے ہاتھوں سے ہی دلوانا چاہتی ہیں۔

۴، فروری کو صبح ہی صبح ۴۵۰ مہمانوں کا قافلہ تہران سے اہواز جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ تین ہوائی جہاز اس سارے قافلے کو لے کر جا رہے تھے۔ اہواز تہران سے ۷۰۰ سو میل دور تھا اور پھر وہاں سے بسوں کے ذریعے آبادان، دیزفل اور دوسرے جنگی محاذوں پر جانا تھا۔

جانے سے پہلے امام خمینی کا ایک پیغام مہمانوں میں تقسیم کیا گیا جو بہت موثر اور معلوماتی تھا۔ اس میں درد و سوز کی کیفیت تھی۔ جرأتِ ایمانی اور مجاہدانہ عزم کا رنگ تھا۔ اور سب مہمانوں نے اس سے بہت اچھا اثر قبول کیا۔

اس تقریر کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔ انہوں نے اپنے پیغام میں کہا:

میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ آپ ایسے ملک میں آئے ہیں جو تاریخ کے عرصہ دراز تک بادشاہی ظلم و ستم اور پچاس سال تک پہلوی خاندان کے جور و استبداد کے زیر تسلط رہا ہے۔ آپ ایک ایسے ملک میں تشریف لائے ہیں جس نے اسلام کی حمایت میں بادشاہت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہاں کے عوام چاہتے ہیں کہ یہاں صرف اسلام کی حکمرانی ہو۔ اسی جرم کی پاداش میں براہ راست یا بالواسطہ

دو بڑی طاقتوں کی جارحیت کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ ملک اس جرم کی سزا میں کہ اس نے بڑی طاقتوں کے اندرونی معاملات میں عمل دخل کی مخالفت کا اعلان کیا۔ اسلام دشمن طاقتوں کی جارحیت کا نشانہ بنا ہوا ہے جس کا آغاز عراقی بعثیوں سے ہوا۔ البتہ امریکہ کی منشہ پر ہوا جبکہ دنیا کے تقریباً تمام ملک اس کے ساتھ ہیں ہمارا ملک چاہتا ہے کہ ساری دنیا پہ عدلِ الٰہی کی حکومت ہو۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ابتداء ہی سے بڑی طاقتیں اسلام کے خلاف رہی ہیں۔ خصوصاً عظیم اسلامی انقلاب ایران کی تمام بڑی طاقتوں نے مخالفت کی ہے ہمارے بنے بنائے کام کو بگاڑا ہے۔ فوجی حملے کئے ہیں۔ اسلام دشمنوں کو مشتعل کیا ہے تاکہ اسلامی ممالک پہ حملے کریں صرف اس جرم میں کہ یہ ممالک اسلامی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ حالیہ جنگ، جو اسلامی جذبۂ ایمان سے سرشار جوانوں اور اسلام سے روگرداں عفلقی بعثی صدامیوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ اس جنگ میں بیشتر مسلمان ممالک بھی اس عفلقی ٹولے کی مدد کر رہے ہیں۔ انہوں نے بعثی اشتراکی حکومت کو مالی فوجی اور پراپیگنڈا کی امداد دی اور دیئے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا ملک ہے جس کا سوائے خداوند تبارک تعالیٰ کے کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ یہ مسلمان حکمران دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے انصاف اور اسلام کو بھلائے ہوئے ہیں۔ بلکہ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں اور اس ڈر سے کہ کہیں ان کے عوام بھی انصاف اور اسلامی ثقافت کا تقاضا نہ کرنے لگیں۔ ان کو زیادہ سے زیادہ دبا رہے ہیں۔ آپ سب حضرات جنہوں نے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اپنے اپنے ملکوں کے عوام کو بتائیے کہ ہم پہ اور ان پر کس کس طرح سے ظلم کیا جا رہا ہے۔ وہ کیسے حالات میں زندگی گزار رہے اور وہ لوگ جو ان پر حکومت کر رہے ہیں وہ کس حال میں ہیں۔ ان کے ٹھاٹھ باٹھ کیا ہیں۔

یہ مسلمان حکومتیں اپنی معدنیات کس کے حوالے کر رہی ہیں۔ کس کی جیب میں اموال

مسلمین جا رہے ہیں جبکہ ہر جگہ مسلمان عوام بھوکوں مر رہے ہیں۔ مفلسی اور پسماندگی سے ذلیل ہو رہے ہیں۔ وہ مال جو اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ غصب کر کے دشمنانِ اسلام کو سارے کا سارا مال دیئے چلے جا رہے ہیں۔

اس انقلاب کی وجہ سے ہمارے عوام بیدار، ہوشیار، پکے مسلمان، اسلامی و توحیدی انسان بن چکے ہیں۔ حکومت کا تختہ الٹنے اور امریکہ کے عمل دخل کو ختم کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہر طاقت کے مفادات یہاں سے منقطع ہو گئے ہیں۔ آپ یہاں تشریف لائے ہیں آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہاں ہر آدمی اپنا کام خوش اسلوبی اور اطمینان سے انجام دے رہا ہے۔ صنعتی ترقی ہو رہی ہے۔ اگر کوئی مشکل آتی ہے تو اس کو احسن طریقے سے حل کر لیا جاتا ہے۔ چار سال کے قلیل عرصے میں ہم نے ایک خود کفیل ملک کی طرح ہر چیز حاصل کر لی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ان تمام چار سالوں میں ایک دن کے لئے بھی بڑی طاقتوں کے عتاب سے ہمیں نجات نہیں ملی ہے۔

اقتصادی پابندیاں اور فوجی حملے جو اب تک جاری ہیں۔ لیکن ہم خدا سے مایوس نہیں ہیں۔ یاد رکھئے خدا کو حاضر ناظر جانئے اور طاقت الہیہ کو ہر جگہ با اثر سمجھئے۔ آپ ذرا صدر اسلام پر نظر کریں اور دیکھیں کہ کس طرح ایک انسان کامل نے یکتا و تنہا جو کفار کی نظر میں کمزور و بے یار و مددگار تھا اٹھ کر ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کیا کہ دنیا اس کے زیر داماں آ گئی۔ کبھی کم تعداد سے نہ گھبرایئے کیونکہ خدا مدد کرتا ہے۔ اگر آپ دین خدا کے لئے کام کریں گے تو خدا نے مدد کا خود وعدہ کیا ہے جو گروہ گرچہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو اگر اسلام خواہ ہو گا، معنوی اعتبار سے کامل ہو گا، متحد ہو گا تو کبھی ناکام نہیں ہو گا۔ بعثی پارٹی کی ابتدا ہی ایک جرم ہے۔ اس کو اسلام کے ساتھ منسلک کرنا اسلام کی توہین ہے۔ ہم ان حکومتوں کے اس دعوے کو کس طرح مان لیں جو اسلام کا دعویٰ تو کر رہی ہیں مگر عملاً دشمنانِ اسلام کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ امریکہ تمام ادیان کا دشمن ہے۔ عیسائیت کا بھی

دشمن ہے۔ اسے سوائے اپنے مفاد کے کوئی اور بات آتی ہی نہیں حتیٰ کہ امریکی عوام کا مفاد بھی اس کے پیش نظر نہیں۔ صرف حکومت امریکہ کے مفادات پیش نظر ہیں۔ اس نے ساری دنیا میں آگ لگا رکھی ہے۔

ایران کی پہلی حکومت امریکہ کی آلہ کار اور اس کی مرضی پر چلتی تھی۔ اگر سابق حکومت کو مہلت ملتی تو اس معاشرے میں اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جاتا۔ اس حکومت نے کیا کیا ظلم روا نہ رکھا۔ ہمارے جوانوں کو منشیات کا عادی بنایا گیا منشیات کا تمام کاروبار پہلوی خاندان کی سرپرستی میں ہوتا تھا۔ یہ صرف اس لئے نہیں تھا کہ وہ دنیاوی نفع چاہتے تھے بلکہ اس لئے تھا تاکہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ملک کو افیمیوں، چرسیوں سے بھر دیں کیونکہ افیمی اور چرسی لوگ کبھی اپنے ملک کا دفاع نہیں کر سکتے۔ وہ تو اپنے نشے میں جھومتے رہتے ہیں۔ ایسے میں خدائے تبارک و تعالیٰ نے اس قوم پر رحمت خاص نازل کی اور ان کے جوانوں کو منقلب کر کے رکھ دیا۔ وہی جوان عارفان خدا اور عاشقان اسلام بن گئے اور دین خدا کے لئے جان کی بازی لگانے لگے۔ چنانچہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ باوجودیکہ ہم اپنے بہت سے مایہ ناز بزرگوں اور قابلِ قدر جیالوں سے محروم ہیں مگر ہم نے اسلام کو پالیا ہے۔ ہم اسلام ہی چاہتے تھے۔ اسلام سب کچھ ہے اور اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ جس طرح اولیاء اللہ نے سب کچھ اسلام کے لئے قربان کر دیا۔ سرکار دوعالمؐ نے اپنا سب کچھ اسلام پر خرچ کر دیا اور زندگی بھر اسلام ہی کی خاطر چین نہ پایا۔ جس طرح سالار شہیدان حضرت امام حسین ابن علی نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ ہم بھی اس پیغمبرؐ کے پیروکار ہیں۔ ہمیں بھی اسی طرح سب کچھ اسلام کی خاطر قربان کر دینا چاہیئے۔ آج امت مسلمہ کو اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ اگر غفلت کرے گی اور کسی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی کہ کوئی آئے گا اور ان کے مسائل حل کرے گا تو بہت بڑی غلطی ہوگی اور کچھ نہ کر سکے گی۔ اگر آج مسلمان محنت کریں

اسلام کے لئے کوشاں ہوں. تکالیف اٹھائیں تو انشاء اللہ ان کے راستے صاف ہیں کوشش کیجئے کہ اپنے ممالک کو صحیح معنیٰ میں اسلامی بنائیں۔

یہ اقوام متحدہ، حقوق انسانی، جنرل اسمبلی وغیرہ وغیرہ تمام امریکہ اور بڑی طاقتوں کی نمائندہ ہیں. آپ غور فرمائیں اس تمام عرصۂ جنگ اجباری میں جس کے نتیجے میں ہمارے جوان، بوڑھے، بچے اور عورتیں نابود کر دی گئی ہیں. ہمارے شہر ویرانوں میں بدل گئے ہیں، اسکے دوران انہوں نے ایک جملہ بھی مظلوم کے حق میں نہیں کہا، ہمیشہ ظالم ہی کی نمائندگی کی ہے. یہ ان کی انسانیت کا معیار ہے۔ آج یہ ہماری مذمت کر رہے ہیں. خود ہی ایک بات اپنے دل سے بناتے ہیں. ایک جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد پر ہماری مذمت کرتے ہیں. ہماری خبریں ہمارے دشمنوں سے لیتے ہیں یا اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں. اپنے رسالوں یا ریڈیو سے خود ساختہ انٹرویوز نشر کرتے ہیں۔ یہ انٹرویوز کس سے کرتے ہیں؟ کیا ان سے جو یہاں کے بھگوڑے ہیں۔ اور اسلامی نظام سے گھبرا کر بھاگ گئے ہیں. مختصر یہ کہ دنیا بھر میں ہمارے خلاف پراپگنڈا جاری ہے. شاید عوام اس سے دھوکہ کھا جائیں. البتہ مسلمان عوام میں ایک طبقہ حقیقت آشنا بھی ہے. آپ مسلمانوں کو حقیقت سے آشنا کیجئے۔

حاضرین محترم! آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے اپنے عوام تک پہنچائیں اگرچہ تدریجاً ہی کیوں نہ ہو. اپنے دوستوں، عزیزوں اور جوانوں کو سنائیں کہ یہاں کے حالات کیا ہیں. یہاں عوام کو کتنی آزادی ہے۔ یہاں بچوں کو مارا نہیں جاتا قید خانوں میں اذیتیں نہیں دی جاتیں. ہم نے عراق پر حملہ نہیں کیا اور نہ ہی عراق نے ابھی ہمارے مقبوضہ علاقے مکمل خالی کئے ہیں. انشاء اللہ ہم وہ علاقے ان سے خالی کرالیں گے اور صدام کو انشاء اللہ زوال ہوگا. اب بڑی طاقتیں بھی صدام کو بچا نہ سکیں گی.

آپ سب حضرات جو اپنا قیمتی وقت صرف کر کے، اپنی مصروفیات ترک کر کے

اس مظلوم مملکت میں تشریف لائے ہیں۔ ان مظالم کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر چکے ہیں جو اس ملت پر کئے گئے ہیں اور اس ملک کے جوانوں کا جوش و خروش اور جذبۂ ایمان بھی دیکھا ہے۔ ان کی اسلام سے محبت کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اس سے بھی زیادہ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ بھی اسلام کے مبلغ بن جائیں۔ ان مبلغین کفر و ظلم کے مقابلے میں آپ مبلغ اسلام بن جائیے۔ تمام اسلامی ممالک کو پروردگار عالم (جل) جباروں سے نجات دلائے۔"

امام خمینی اپنے اسلامی انقلابی کردار کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں ایک دیندار، خدا ترس اور جرأت مند رہنما اور قائد ہیں اور شاید واحد لیڈر ہیں جنہیں اپنے ملک کے انتہائی کثیر ترین عوام کی تائید اور گرویدگی حاصل ہے۔ وہ جس نصب العین کے علمبردار ہیں وہ نصب العین اسلام کا اپنا نصب العین ہے۔ انہوں نے دین کو زندگی کا مشن بنایا ہے اور وہ عالمی اسلامی تحریک کے ان کامیاب ترین رہنماؤں میں سے ہیں جو اس صدی میں نفاذ اور اقامتِ دین کی دعوت لے کر اٹھے ہیں۔

ایران جو عالمِ اسلام میں سب سے زیادہ مغرب زدہ اور مغربی تہذیب کا علمبردار ملک تھا۔ امام خمینی کی قیادت میں یکایک اسلامی اقدار کا محافظ ملک بن کر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور آج اگر اس کے خلاف پورا عالم کفر اور اس کے حواری متحد ہو کر اسے ناکام کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اسلام کو دورِ حاضر میں قائم کرنے اور سر بلند کرنے کا عظیم جرم کیا ہے اور یہ وہ جرم ہے جو اگر کسی فرد یا گروہ سے سرزد ہو جائے تو اسے تاریخ کے کسی دور میں بھی نہ اپنے معاف کرتے ہیں اور نہ بیگانے نظر انداز کرتے ہیں۔

ایران بنیادی طور پر ایک شیعہ ملک ہونے کے باوجود اسلامی انقلاب کے بارے میں جس وسیع النظری اور فراخدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ اپنی جگہ خوشگوار

حیرت کا موجب ہے۔ وہ اپنے انقلاب کو اسلامی اور توحیدی انقلاب کہتے ہیں۔ اور ایرانی یا شیعہ انقلاب کی نفی کرتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ ایران کا انقلاب اسلامی انقلاب ہے۔ اور یہ پورے عالمِ اسلام کا سرمایہ ہے۔ اگر خدانخواستہ عالمی کافر طاقتیں اسے ناکام کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو پھر اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کا نام لینا مشکل تر ہو جائے گا۔ اسی لئے دونوں سپر طاقتیں اور دوسری کافر مغربی طاقتیں بمعہ اسرائیل جو سابق شاہی دور میں ایران کا محبوبِ خاص رہا ہے اس کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور کسی نہ کسی قیمت پر اس کو ناکام بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان کی خود مختاری پر حملہ ان کا اقتصادی بائیکاٹ اور ان کے خلاف بے پناہ پروپگنڈہ مسلسل جاری ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایران کے انقلابی اور خصوصاً امام خمینی اور ان کے ساتھی پوری قوت اور جرأت سے اسلامی انقلاب کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے۔

یہ حقیقت بھی سب پر واضح ہے کہ عراق اور ایران کے مابین شدید جنگ جاری ہے۔ عراق کے ہاتھ سے وہ ساری کارروائیاں جو کفار کو پسند اور عالم کفر کو محبوب ہیں وہ مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اتحاد اسلامی کے بغیر اب مسلمان ملکوں کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ آج ایک جائے گا اور کل دوسرا جائے گا اور سرمایہ دار اور اشتراکی بھیڑیے بھیڑوں کے اس منتشر گلے کو ایک ایک کر کے کھا جائیں گے۔

مسلمان ملکوں کے درمیان رخنے ڈالنے کے لئے روسی بھارتی اور امریکی لابی بڑی سرگرم عمل رہتی ہے۔ یہ لابی صرف پاکستان میں ہی نہیں ایران میں بھی موجود ہے بلکہ تمام عالم اسلام کے ممالک میں موجود ہے۔ اور ایک ہی حکمتِ عملی کے تحت اس کا اثر و نفوذ یا قبضہ ہر جگہ ابلاغِ عامہ کے تمام ذرائع پر قائم ہے۔ اس لابی کی پشت پر وہ صیہونی لابی بھی ہے جو دنیا بھر کے ابلاغ عامہ کے ذرائع میں بڑا اثر و نفوذ رکھتی ہے خصوصاً عالمی

خبر رساں ایجنسیوں پر تو اس کا اثر بہت زیادہ ہے۔ امریکی، روسی اور بھارتی لابی اور صیہونی لابی کی اسی حکمتِ عملی کے تحت بی۔ بی۔ سی، اکاش وانی، وائس آف امریکہ اور ریڈیو ماسکو نے مسلمانوں اور اسلامی دنیا کے خلاف کم و بیش ہر جگہ یکساں پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔

یہ کوئی راز کی بات نہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں روس، امریکہ بھارت اور اسرائیل خصوصاً اور دیگر غیر مسلم ملک عموماً یکساں پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ اسرائیل اور بھارت کے ایٹمی طاقت بننے پر نہ امریکہ کو اعتراض ہے، نہ برطانیہ اور کینیڈا کو اور نہ روس کو۔ لیکن کسی مسلمان ملک میں پُرامن مقاصد کے لئے بھی ایٹمی توانائی کا پروگرام ان سب ملکوں کو اسقدر ناگوار ہے کہ وہ آخری حد تک جانے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں روس، بھارت، امریکہ، اسرائیل اور یورپ کے وہ ملک بھی جو صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آ رہے ہیں سب متحد ہو کر صف بستہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں صلیبی جنگوں کی روح موجود ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کو ساری اسلامی دنیا دیکھتی، جانتی اور تسلیم کرتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان ملکوں میں بھی احیاءِ دین اور اتحادِ ملّت کی تحریکیں ہر کہیں برپا ہیں اور ان میں بھی صدیوں تک اختلافات کے بعد بعض بنیادی مقاصد کے لیے جذبۂ اتحاد ابھر رہا ہے اسلام کے بہ حیثیت نظامِ حیات از سرِ نو میدان میں آنے کے امکانات سے سرمایہ دار دنیا اور اشتراکی دنیا دونوں کو سخت تشویش ہے۔ چنانچہ انہوں نے نام نہاد دیتانت کے اصول کے تحت ساری دنیا کو آپس میں تقسیم کرنے کے پروگرام پر عمل شروع کر رکھا ہے جس میں خاص طور پر مسلمان ملکوں اور قوموں کو نشانۂ ستم بنایا جا رہا ہے اور دونوں نظاموں کے علمبردار ہتھیاروں کے بل پر اپنے سلسلہ ظلم و استحصال کو طول دے رہے ہیں۔ پولینڈ کے حالیہ واقعات سے ظاہر ہے کہ اشتراکیت کے خلاف خود کسان مزدور بھی بغاوت کرنے لگے ہیں۔ اور سرمایہ داری کے مظالم سے ساری دنیا وقفِ آہ و فغاں ہے اور تیسری دنیا کے ممالک

کا سارا خون تو مغربی ساہوکاروں نے چوس لیا ہے اس پس منظر میں یہی احساس ہوتا ہے کہ رُوس اور امریکہ کی باہمی مخالفت صرف نمائشی ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں دونوں ایک ہیں اور اسرائیل کا وجود دونوں کی کھلی اور درپردہ امداد کا مرہونِ منت ہے جبکہ بھارت بنیادی طور پر ایک موقع پرست اور عیار ملک کے طور پر مسلمانوں سے "ہزار سالہ تاریخ" کا انتقام" لینے کے لئے بیک وقت رُوس کا حلیف اور امریکہ کا دریوزہ گر بنا ہوا ہے۔ ان عناصر کی ریشہ دوانی اور کارستانی سے دُنیا میں وہی قوم بچ سکتی ہے جو اپنے بل بوتے پر بچنے اور اپنی غیرت و حمیت کی توانائی سے زندہ رہنے کا عزم رکھتی ہو۔

ان ظالم اور بھیڑیا نما قوتوں کے دیدہ دلیر ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں موت کا خوف اور دُنیا کا لالچ گھر کر گیا ہے حالانکہ یہی واحد قوم ہے جو پُوری انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل نظامِ حیات کی داعی ہے۔ لیکن اُس نے صدیوں سے اپنے کسی ملک میں بھی اس نظام کو پوری طرح نافذ نہیں کیا ہے اور باہمی اشتراک اور اتفاق و اتحاد کے لئے انتہائی ٹھوس بنیادیں رکھنے کے باوجود سب سے زیادہ آپس میں لڑنے والی قوم ہی بن کر رہ گئی ہے۔ اس صورت حال کا علاج یہی ہے کہ ملت اسلامیہ باہمی اتحاد و اتفاق کی مثبت فکر و تدبیر کرے اور اپنے نظامِ حیات کو عملاً نافذ و رائج کرے۔ یہ اپنی جگہ ایک خوش آئند بات ہے کہ اب مسلم ملکوں میں نظامِ اسلامی کے نفاذ کے مطالبے اور تحریکات نے زور پکڑنا شروع کر دیا ہے اور ایران میں تو ایک اسلامی انقلاب آ ہی گیا ہے جس کے اسلامی خدوخال بتدریج نمایاں ہو رہے ہیں۔ پاکستان کی بنیاد بھی اس نظریے پر رکھی گئی تھی اور اب خدا خدا کر کے یہاں بھی اس سمت میں کچھ اقدامات ہوتے جا رہے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے ہمسایہ افغانستان میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ جاری ہے جس میں جاہلانہ علاقائی قوم پرستی کے بجائے خالص اسلامی نظامِ زندگی کی جدوجہد دکھائی دیتی ہے۔ غیر مسلم دنیا میں بھی مسلمان ملکوں کے دشمنوں میں درجہ بندی ہے۔ جو مسلمان ملک جس غیر مسلم ملک کا زیادہ

زخم خوردہ ہے وہ اسی کو اوّل درجے میں اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ ایران نے امریکہ سے قریباً نصف صدی تک زخم کھائے ہیں۔ اس لئے وہ اس سے سب سے زیادہ نالاں ہے اور بھارت یا اسرائیل کے متعلق اس کے جذبات اتنے شدید نہیں ہیں۔ پاکستان نے سب سے زیادہ زخم بھارت سے کھائے ہیں جبکہ عربوں نے اسرائیل سے زیادہ زخم کھائے ہیں۔ دشمنوں کی یہ درجہ بندی ایک بالکل فطری بات ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دوسرے درجے کے دشمن کو دوست یا خیر خواہ سمجھ لیا جائے۔ یہ بات ایران والوں کو بھی سمجھنی چاہیئے کہ بھارت پاکستان پر پانچ بار حملہ کر چکا ہے جبکہ امریکہ نے ایران پر اتنے حملے نہیں کئے۔ اسکے باوجود اہل پاکستان اپنے دشمنوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے بھی تمام مسلم ملکوں کے خیر خواہ اور ان کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ ہم تو یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ بھارت کے مقابلے میں جب پاکستان اپنی آزادی یا غیرتِ اسلامی کے باعث کھڑا ہو گا تو اسلامی جمہوریہ ایران کی فوجیں بھارت کی فوجوں کے شانہ بشانہ ہمارے خلاف لڑیں گی۔ ایران میں جو شخص یہ بات کہے وہ مسلمانوں اور اسلام کا دشمن ہے جبکہ پاکستانی مسلمان اور ایران میں اسلامی انقلاب کے علمبردار آپس میں بھائی بھائی ہیں اور انہیں لڑانے کی کوشش کرنے والا اسلامیانِ ایران کا دوست نہیں بلکہ پاکستان کے ساتھ ایران کا بھی دشمن ہے اور روسی، صہیونی یا بھارتی لابی کا ایجنٹ ہے۔

بہر حال مہمانوں کی بسیں تیار ہو کر ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ میں تو ان میں ناسازیٔ طبع کے سبب شامل نہ ہو سکا۔ البتہ اس قافلۂ سخت جان میں میرے بہت سے احباب شامل تھے۔ ان میں جناب مولانا عزیز الرحمٰن کوئٹہ۔ برادرم سید امان اللہ شاد و زئی جناب مجیب الرحمٰن بٹ، جناب محمد اشفاق صاحب، جناب عبد الرزاق، جناب رشید احمد صاحب۔ ڈاکٹر توقیر احمد صاحب اور دوسرے بہت سے ساتھی۔ ان کی موجودگی کے سبب مجھے اطمینان تھا کہ سارے حالات میرے علم میں آجائیں گے۔ ان مہمانوں میں

پیر عبدالمجید آف دیول شریف بھی شامل تھے۔

ہمارے رفقاء میں جناب سید امان اللہ شاہ وزئی سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھے۔ ان کے نزدیک ایران کے انقلاب نے عالم اسلام میں اسلامی انقلابات کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ اور اب مسلمان ملکوں میں بادشاہوں اور آمریتوں کے دن گنے چنے تھے۔

عراق ایران کی جنگ کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو جس پر ہم سب کو سخت حیرت اور رنج تھا۔ عالم اسلام کی بے حسی اور کافر طاقتوں کی سازشوں کے مقابلے میں بے بسی اور بے چارگی تھی۔ ظاہر ہے کہ مسلمان ایسی قوم نہیں ہے جسے زندگی کی رہنمائی کے لئے قدم قدم پر غیروں کی طرف دیکھنا پڑتا ہو اسلام نے اسے زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی دی ہے۔ صلح ہو یا جنگ دونوں صورتوں میں اسلامی تعلیمات میں رہنمائی اور ہدایت موجود ہے۔ اور اگر مسلمان قرآن وسنت کی رہنمائی کو اپنے لئے کافی سمجھیں تو مغرب کی قوموں کی دریوزہ گری سے آزاد ہو کر وہ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ عراق ایران کی جنگ ہی ہے جس نے ہولناک تباہی پھیلائی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراق نے ایران پر حملہ کیا تھا۔ اس طرح ان دونوں مسلمان ملکوں کے درمیان ہولناک جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ آج اس جنگ کو شروع ہوئے تیسرا سال ہے۔ دونوں طرف لاکھوں مسلمان بے گھر اور سر چھپانے کے ٹھکانے سے محروم ہیں۔ اربوں ڈالرز کا نقصان دو طرفہ ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی بستیوں میں صنعتیں تباہ، شہر ویران معصوم بچے زخمی اور شہید، عورتیں بیوہ اور بوڑھے بے آسرا پھر رہے ہیں۔ دونوں طرف کے طیارے مسلمانوں کو ہی نشانہ بناتے ہیں۔ اور مسلمان ملک کے ریڈیو اپنے بھائی دوسرے مسلمان ملک کے باشندوں کی ہلاکت اور سروسامان کی تباہی کو روزانہ فخریہ بیان کرتے ہیں۔ کتنی ہولناک اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والی صورت حال ہے۔ کیا واقعی مسلمانوں کا باہمی ایک دوسرے

کو ہلاک کرنا کوئی فخر کی بات ہے۔

پورا عالم اسلام دم بخود ہے۔ بس ایک بار اسلامی کانفرنس نے کہہ دیا کہ "بھائی نہ لڑو بس کرو" اور سارا اسلامی فریضہ ادا ہوگیا۔ اور دوسری طرف غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس نے بھی یہی بات دہرا دی اور تیسری طرف جنرل اسمبلی کے متحدہ ایوان اقوام عالم میں ۱۱۱ قوموں نے بھی یہی ہمدردانہ بات کہہ دی کہ دونوں فریقوں کو باہمی نہیں لڑنا چاہیئے۔ لڑنے والوں نے یہ وعظ دلپذیر سُنکر سُنی ان سُنی کر دی اور "پہلے بس کون کرے" کے مخمصے میں پڑکر اپنی لڑائی جاری رکھی۔ وہ لڑائی جاری ہے اور اب سارا عالمِ کفر مطمئن اور سارا عالمِ اسلام خاموش اور حیران ہے بلکہ ان دونوں بھائیوں کو باہمی مرغوں کی طرح لڑتا چھوڑکر اب سارے مسلمان ممالک میں مصروف ہوگئے ہیں۔

کیا یہ طرزِ عمل اسلامی ہے۔ کیا یہی طرزِ عمل ہمیں اسلام نے سکھایا ہے۔ افسوس کہ ہم نے اپنے حکیمانہ دین سے رہنمائی ترک کرکے عام دینوی اور رسمی طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہم مسائل کے جالے میں ہمیشہ مکھی کی طرح الجھ جاتے ہیں اور دُنیا کی خدا ناشناس قومیں ہمیں بٹیروں کی طرح لڑاتی اور مرغوں کی طرح ذبح کرتی رہتی ہیں۔ میں یہاں قرآن کریم کی وہ رہنمائی پورے عالم اسلام کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو وہ ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو دیتا ہے تاکہ قرآن کی حجت اس کے ماننے والوں پر تمام ہوسکے۔

قرآن حکیم ایسے موقع پر جو رہنمائی دیتا ہے وہ یہ ہے :-

وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی
فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ
لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الحجرات)

ترجمہ:۔ اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو اُن کے درمیان

صلح کراؤ. پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے سے زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والے سے لڑو. یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے. مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں. لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو. اور اللہ سے ڈرو. امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا."

ان احکامِ قرآن سے جو رہنمائی سامنے آتی ہے وہ یہ طریق کار ہے کہ

(۱) مسلمانوں کا باہمی لڑنا کسی صورت بھی پسندیدہ نہیں ہے. کسی حیثیت یا کسی سبب سے بھی.

(۲) اگر بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہ لڑ ہی پڑیں تو پھر فی الفور ان کے درمیان صلح کراؤ اس کام میں وہ سب مسلمان شریک ہوں جو لڑائی سے باہر ہوں اور ان دو گروہوں میں سے نہ ہوں یہ صلح کرانا ان دوسرے مسلمانوں کا کام ہے. ان کا کام بیٹھ کر تماشا دیکھنا نہیں ہے کہ ان کے گھر پھونکنے کا سب تماشا دیکھتے رہیں بلکہ خدا سے ڈر کر کوشش کر کے دباؤ ڈال کر باہمی صلح کرائی جائے.

(۳) اگر صلح نہ ہو اور کوئی فریق زیادتی کا مرتکب ہوا ہو تو پھر یہ اجازت نہیں ہے کہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں اور مظلوم کو ظلم سہنے دیں جبکہ یہ معلوم کریں کہ حق پر کون ہے جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیا جائے اور جو زیادتی پر ہو اس سے لڑا جائے.

(۴) یہ لڑائی فرض، واجب اور جہاد ہے. چونکہ خدا حکم دے رہا ہے کہ زیادتی کرنے والے کے خلاف لڑو اور حضور اکرمؐ کی حدیث کی رو سے بھی ظالم بھائی کا ہاتھ پکڑنا دراصل اس کو ظلم سے روک کر اس کی مدد بھی کرنا ہے تاکہ وہ خدا کے غضب کا مستوجب نہ بنے. اس ظلم کو روکنے اور فتنے کو مٹانے کے لئے ظالم کے خلاف لڑنا واجب ہونے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے لڑائی سے روکنے کیلئے جنگ ہی نہیں دباؤ بھی ہو سکتا ہے تاکہ زیادتی کرنے والے

کی زیادتی کا ازالہ ہو جائے اور وہ مسلمانوں کے انبوہ کثیر سے دب کر زیادتی سے باز آجائے
(۵) زیادتی کرنے والے پر اس قدر دباؤ ڈالا جائے جس سے وہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی رُو سے حق کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ بات معلوم کرنا کہ زیادتی کس کی ہے اور حق کیا ہے۔ یہ طے کرنا مسلمانوں کے غیر جانبدار صاحب بصیرت نمائندوں کا کام ہے جو تحقیق کر کے فیصلہ کریں۔

(۶) پھر دونوں گروہوں میں صلح کرا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عدل کے ساتھ صلح کرانے کا حکم ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابلِ قدر چیز نہیں ہے جو حق و باطل کو نظر انداز کر کے محض لڑائی روکنے کے لئے کرا دی جائے۔ اگر خرابی کے اسباب اور ظلم کی بنیاد موجود ہے تو فساد بار بار ہوتا اور فریقین بار بار لڑتے رہیں گے۔

دنیا کے تمام مسلمان باہمی برادری ہیں اور ان کے تعلقات درست رہنے چاہئیں مسلمان سے مسلمان کا اخوت اور بھائی چارے کا تعلق ہے اس کی خیر خواہی اس پر واجب ہے مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر قرار دیا گیا ہے (بخاری شریف) ہر مسلمان کی جان و مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔" آپؐ نے فرمایا مومنوں کی مثال آپس میں محبت، وابستگی اور رحم و شفقت کے معاملہ میں جسم کی مانند ہے کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بخار اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اب قرآن و حدیث کے ان احکام کی روشنی میں دیکھئے کہ پورے عالمِ اسلام کے سامنے دو مسلمان ملک باہم لڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے معاشی، صنعتی اور تہذیبی مراکز کو تباہ کر رہے ہیں۔ روزانہ ہزاروں مسلمان ہر طرف بے گناہ، بے گھر، بے در اور بے سہارا ہو رہے ہیں۔ جان و مال و آبرو کا وسیع نقصان ہو رہا ہے۔ شیطان کھُل کھیل رہا ہے اور مسلمان حکومتیں صلح صفائی اور انصاف و عدل کے تقاضے اس طرح پورے کر کے مطمئن ہیں کہ

انہوں نے ان کو نہ لڑنے کی تلقین فرما دی ہے یہ تلقین تو اندرا گاندھی، ریگن، آندروپوف اور بیگن بھی فرما چکے ہیں۔ اس تلقین سے کیا واقعی اسلامی فریضہ ادا ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تمام مسلمان حکومتوں کا طرزِ عمل اسلامی نقطہ نظر سے محلِ نظر ہے۔ پاکستان کا اس لئے کہ یہ اسلامی نظام کا علمبردار ہے اور اس کی ذمہ داریاں محض ایلچی بھیجنے سے پوری نہیں ہو جاتی ہیں۔ اس کی ذمہ داریاں سب سے زیادہ ہیں۔ اب صورت حال کا تجزیہ کیجئے جو ان دونوں متحارب مسلمان ملکوں کے درمیان موجود ہے۔

(۱) عراق ایران کے درمیان باہمی سرحدی تنازعات تھے جو مدت سے چلے آتے تھے۔

(۲) اس صورت حال کا حل ۱۹۷۵ میں ایک معاہدے کی صورت میں نکالا گیا تھا اور دونوں فریقین نے اس معاہدے پر دستخط کئے تھے اور اس کے نتیجہ میں باہمی امن و امان قائم تھا۔

(۳) ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد ایک طرف جنوب مشرقی ایشیا میں امریکہ کا زبردست مہرہ اور ایجنٹ شاہ رخصت ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس ملک کو سوپر پاور امریکہ کی پشت پناہی حاصل نہ رہی اور عراق پر سے ایران کی قوت کا خوف ختم ہو گیا۔ دوسری طرف ایران کی امریکہ سے شدید کشمکش ہو گئی یہاں تک کہ امریکہ نے ہوائی جہازوں کے ذریعہ ایران پر ناکام جارحیت کر کے اپنے یرغمالی چھڑانے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں عالمی سطح پر رسوائی مول لی اور کئی ماہ تک اپنی اس رسوائی کے زخم چاٹتا رہا۔ امریکہ کو اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ایران کو سزا دی جائے اور جو کوئی ایران کو سزا دیتا وہ امریکہ کا محسن ہوتا اور اس کی مکمل تائید اسے حاصل ہوتی۔

(۴) روس کے ساتھ نظریاتی وجوہ سے اسلامی ایران کا معاملہ بھی بے رخی کا تھا اور اسے ڈر تھا کہ امریکہ کے ساتھ لڑائی سے فائدہ اٹھا کر روس ملک میں اپنے موجود گرگوں کے

ذریعہ یا براہِ راست نفوذ کی کوشش نہ کرے، اس لئے وہ امریکہ کے ساتھ ساتھ روس کو بھی کھٹکتا اور آوازۂ جرأت بلند کرتا رہتا تھا اس لئے روس بھی ایران کو دبانا اور وہاں افراتفری پھیلانا چاہتا تھا۔ خود حکومت ایران کے تمام حکومتی شعبوں میں کمیونسٹ موجود تھے خصوصاً وہاں کے ذرائع ابلاغ کی مدد سے اپنے ایجنٹوں کی معرفت عالمِ اسلام کے ساتھ ایران کے تعلقات بگاڑنے میں لگا ہوا تھا تاکہ ایران عالمِ اسلام سے کٹ کر بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو جائے اور پھر روس کی طرف جھکنے پر مجبور ہو جائے۔

(۵) افغانستان کے معاملے میں ایران کا حق پرستانہ کردار بھی روس کو ناپسند تھا خصوصاً اس کا ڈٹ کر اور کھُل کر یہ کہنا کہ ہم مہاجرین افغانستان کو بھی پناہ دیں گے اور مجاہدین افغانستان کی بھی مسلح مدد دیں گے۔ پھر ایران کی یہ بات تو روس کو بے حد ناپسند تھی کہ وہ افغانستان کے حوالے سے وسط ایشیا کی روسی ترکستانی مسلمان قوموں کی آزادی کا بھی مطالبہ اٹھا رہا تھا اور اسے اقوامِ عالم کے اجلاس میں لانے کی باتیں کرتا تھا۔

(۶) پھر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ایران نے اپنے انقلاب کو اسلامی یا غیر علاقائی نظریاتی انقلاب قرار دیا ہے۔ گویا یہ ایک عالمی انقلاب ہے جو دنیا کے ان دونوں چودھریوں کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ وہ دُنیا کو آپس میں لڑ جھگڑ کر تقسیم کرنے پر تو رضامند ہیں اور اس کے لئے ان کے پاس دیانت کی پالیسی اور تحدید اسلحہ کے معاہدات بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ یہ بات کسی صورت گوارا نہیں کر سکتے کہ دنیا کے ان فسادی چودھریوں کے مقابلے میں کوئی امن و سلامتی کا علمبردار تیسرا نظریہ بھی اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے امریکہ اور روس دونوں ایران کی تباہی کے لئے کوئی مشترکہ اقدام کرنا چاہتے تھے۔ ویسے بھی عالمِ اسلام کے بارے میں دو مختلف سمتوں سے ان کی پالیسی مشترکہ ہے۔ امریکہ اپنی پالیسیوں سے مسلمان ملکوں کو دھکیل دھکیل کر روس کی گود میں ڈالتا رہتا ہے۔

یہ مشترکہ انتقامی اقدام اگر روس امریکہ براہِ راست کرتے تو عالمی جنگ چھڑ جاتی اور

سارا عالم اسلام ان کے خلاف صف آرا ہو جاتا. اگر کسی غیر مسلم ملک سے کراتے تو اس صورت میں بھی اسلامی عصبیت بھڑکتی اور ایران کی مدد کے لئے سارا عالم اسلام یکجا ہو جاتا. چنانچہ انہوں نے ایک ایسا ملک منتخب کیا جو بارہ سال تک روس کے حلقۂ اثر میں رہنے اور اس کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے بعد اپنے دوسرے عالمی مفادات کے علاوہ عربوں کی موجودہ امریکہ کی طرف رجوع کی پالیسی کے تحت اب امریکہ کے زیر اثر آگیا ہے اور اس سے اپنے تعلقات استوار کر چکا ہے. اس طرح ایران کو اگر روس اور امریکہ دونوں کی ناخوشی اور ناراضگی کا سامنا ہے تو عراق کو روس کی پرانی دوستی اور امریکہ کی تازہ دوستی کا سہارا ہے.

چنانچہ دونوں طاقتوں کے لئے عراق ہی موزوں ترین تھا جس کے ذریعہ ایران کے اسلامی انقلاب پر روس امریکہ مشترکہ ضرب لگائی جا سکتی تھی اور پھر وہ یکایک لگا دی گئی. عراق نے ایران سے چھوٹا ملک ہونے اور اس کا مسلم ہمسایہ ملک ہونے کے باوجود نیز ایران کے تازہ اسلامی انقلاب کے سبب اسے مسائل نو بہ نو میں گھرا ہوا دیکھنے کے باوجود معاہدہ ۱۹۷۵ء کو یکایک پھاڑ کر پھینک دیا اور بے خبر ایران پر اچانک جارحانہ حملہ کر دیا جس کے لئے ایران بالکل تیار نہ تھا. اس طرح مشرق وسطی میں روس اور امریکہ کا مشترکہ اقدام عمل میں آیا ورنہ عراق تو اپنی شکایات اسلامی کانفرنس کے سامنے بھی رکھ سکتا تھا اور اقوام متحدہ کے سامنے بھی. گویا مسائل کے حل کے دستوری ذریعے موجود تھے. اب عراق کے لئے خلیج عقبہ سے روسی اسلحہ کی کھیپ چلی آ رہی ہے اور جہاز روسی اسلحہ لے کر قطاروں میں کھڑے ہیں. اردن امریکہ کے زیر اثر ملک ہے جس راستے سے عراق کو روس کا اسلحہ مل رہا ہے اور امریکہ کی طرف سے جنگی حکمت عملی کے سبق مل رہے ہیں. چونکہ ایران میں شاہ کا حاصل کردہ سارا اسلحہ امریکی اور وہاں کی دفاعی حکمت عملی امریکیوں کی مرتب کردہ ہے اس لئے وہ امریکہ کے تازہ حلیف عراق کے سامنے کھلے نقشہ کی طرح امریکہ کی وساطت سے موجود ہے. دراصل یہ

جنگ اتنی عراق اور ایران کے درمیان نہیں ہے جتنی ایران اور روس کے درمیان ہے۔ اس لئے عراق جیسے چھوٹے ملک کے دفاعی وسائل ۸۰ دن کی جنگ کے باوجود وسیع سے وسیع تر ہو رہے ہیں اور اس کی جارحیت جاری ہے اور ایران کی لڑائی تمام تر دفاعی جنگ ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان حالات میں آخر اسلام بھی ہماری کوئی رہنمائی کرتا ہے یا پھر ہم رواجی صلح جوئی اور عالمی طاقتوں کے سہارے ہی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مسلمان ملکوں کی لڑائی کے بارے میں عالم اسلام کا رد یہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ دوسرے مسلمان ممالک اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کر کے ان کے نزاع کے تصفیہ کے لئے اقدامات کرنے کے بجائے سراسر غیر اسلامی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ میں ۱۱۱ ملکوں نے لڑائی بند کرنے کے بارے میں قرارداد پاس کرائی۔ غیر جانبدار ملکوں نے بھی اکثریت سے یہ فرض ادا کر دیا۔ ان قوتوں کے سامنے تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول کے مقابلے میں کبھی جھک جانے کا طریقہ رائج ہے اور کبھی اجتماعی قرارداد پاس کرا دینے کا اس سے آگے ان کے سامنے نہ کوئی لائحہ عمل ہے۔ نہ ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے نہ ان کو اس کا درد اور دکھ ہے اور نہ انہیں اس کی حقیقی ضرورت ہے۔ لیکن عالم اسلام کے سامنے تو قرآن اور حدیث اور ان کا دین اسلام واضح ہدایات رکھتا ہے اور اگر وہ اس پر عمل پیرا ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دو بھائیوں کے اس تباہ کن تنازعے کو رفع نہ کیا جا سکے۔ بدقسمتی سے عالم اسلام نے افسوسناک غفلت کا اور عالم عرب نے افسوسناک عصبیت کا مظاہرہ کر کے اس مسئلے کو اور بھی زیادہ سنگین بنا دیا ہے کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ یہ جنگ ایرانیوں اور عربوں کے درمیان عرب اور عجم کی جنگ بن جائے یا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ دونوں ملک اپنے آخری سپاہی اور اپنی آخری گولی تک لڑ کر مکمل تباہ ہو جائیں۔ کفر و اسلام کی کشمکش کے اس دور میں یہ سراسر عالم اسلام کی جنگی صنعتی اور معاشی قوت کی تباہی ہے۔

اس مسئلے کا حل تو واضح ہے۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہ لازمی ہے کہ :۔

(۱) اسلامی کانفرنس کا فوری اور ہنگامی اجلاس بلایا جائے اور اس میں دونوں ملکوں کو تنبیہ کی جائے کہ وہ فی الفور جنگ بند کریں۔

(۲) اگر وہ جنگ بند نہ کریں تو جارحیت کرنے والے ملک کی واضح الفاظ میں مذمت کی جائے اور اسے اپنی فوجیں واپس بلانے کی ہدایت کی جائے ساتھ ہی مظلوم اور نشانۂ جارحیت بننے والے ملک کو اخلاقی تائید دی جائے بس اس سے جارح ملک خود بخود جنگ بند کر دے گا اور مظلوم ملک کی اشک شوئی ہو جائے گی۔

(۳) اس کے باوجود بھی جنگ بند نہ ہو تو اسلامی کانفرنس ایک مقررہ تاریخ دے کر ممبر ملکوں کی فوجی امداد مظلوم ملک کو دینے کا اعلان کر دے اور عرب و عجم کی عصبیت کے بجائے اسلامی تعلیمات کی پابندی کی جائے۔

ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے اس مشترکہ اعلان سے ہی عراق اپنی فوجیں ایران سے نکال لے گا جنگ بند ہو جائے گی اور پھر قرآنی ہدایات کے مطابق اسلامی کانفرنس کا ایک نمائندہ اجلاس دونوں ملکوں کے مسائل اور تنازعات کے دلائل سن کر قرآن کے الفاظ میں فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَھُمَا بِالۡعَدۡلِ کے ساتھ ان کے درمیان صلح کروا سکے گا۔

یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہمارا دین ہمیں قدم قدم پر رہنمائی دیتا ہے اور ہم قدم قدم پر اس کی موجودگی میں ٹھوکر کھاتے اور اس چراغ ہدایت کو تہ دامن رکھ کر ظلمتوں اور اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

ایک طویل عرصے کے بعد ایران میں اسلامی انقلاب کے نام سے حکومتی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشتر مسلمان ملکوں میں حکومتیں، جابر آمریتیں یا فوجی حکومتیں قائم ہیں جو ایران کے جمہوری اسلامی انقلاب کو اپنے لئے خطرہ سمجھتی ہیں لیکن مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا حقیقی اور نمائندہ طرز حکومت بلاشبہ جمہوری، شورائی اور اسلامی ہی ہے۔

ملوکانہ یا آمرانہ طرز حکومت ہرگز اسلامی نہیں ہے۔ اگر ایک بار اسلامی انقلاب ایران کو کافر حکومتوں کے دانا دشمن اور مسلمان حکومتوں کے نادان دوست تباہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو پھر دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی اسلامی طرزِ حکومت کے دعوے اور نعرے سب دھرے رہ جائیں گے اور مایوسی کی عام لہر پھیل جائے گی۔ لوگ کہیں گے کہ اوّل تو اسلامی انقلاب آہی نہیں سکتا اور اگر آجائے تو دیرپا نہیں ہوسکتا۔ ابھی ہم خلافت راشدہ کے صرف ۳۰ سال چلنے کے اعتراض کا تسلی بخش جواب ہی کافر دنیا کو نہیں فراہم کرسکے ہیں۔ پھر یہ بات طے ہوجائے گی کہ اسلامی انقلاب تو چلنے والی چیز ہی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے خلاف خود اپنے ہی غلط طرز عمل سے جھوٹے گواہ بننے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور پورے عالمِ اسلام کو مل جل کر قرآنی آیات کے مطابق ایران اور عراق کی اس جنگ کو بلا تاخیر بند کروانا چاہیئے تاکہ عالمی طاقتیں ہماری کڑاہی میں اپنے پکوڑے تلنے کا مزید موقع نہ پاسکیں۔

عراق ایران کی جنگ نے مسلمان ملکوں کی کمزوریوں کو بے نقاب کردیا ہے اور وہ عالمی سطح پر سخت کمزور ظاہر ہوئے ہیں جبکہ پورے عالم اسلام میں اسلامی نظام نافذ کرنے والا ایران کا مردِ بیمار اب مردِ مجاہد بن گیا ہے۔ وہ یورپ کی مکروہ اور مکار ڈپلومیسی کی منافقانہ زبان استعمال کرنے کی بجائے مجاہد کی زبان حق بیان استعمال کرتا ہے۔ افغانستان میں روس کی سامراجی روش اور مسلمانانِ افغانستان کی مظلومیت کے اظہار [illegible] ہیں اس کی پالیسی ایمان اور قوت پر مبنی ہے جبکہ پاکستان کی پالیسی ضعف اور لچک کا شکار ہوتی ہے۔ ایران روس جیسی جابر قوت کے مقابلے میں ڈٹ کر کہہ سکتا ہے کہ ہم روس سے وسط ایشیا کے مسلمانوں کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ دوسرے کسی مسلمان ملک کے منہ میں ایسے حق پرستانہ الفاظ کہنے کے لیئے زبان نہیں ہے۔ ایسی جرأت مومنانہ انسان کو صرف ایمان باللہ اور جذبۂ جہاد سے ہی مل سکتی ہے۔ اس لیئے افغان مجاہدین نے بھی کہا ہے کہ ہم ایران کی پالیسی کو اپنے مؤقف سے قریب تر محسوس کرتے ہیں۔

عراق ایران جنگ کو جس جس پہلو سے بھی دیکھیں عالمِ اسلام کی کمزوری اور دشمن قوتوں کے ہاتھوں اس کی رسوائی کے بے شمار دردناک پہلو بار بار سامنے آتے ہیں اور یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے عالم اسلام اپنے ہاتھوں سے خودکشی کر رہا ہے اور اس پر رسول اکرمؐ کی وہ حدیث صادق آ رہی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمانوں پر کافر اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر پڑیں گے جس طرح بھوکے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

جب ہمارے ساتھی اس سفر سے واپس آئے تو اگرچہ وہ تھک کر چور ہو رہے تھے ان کے پاس چشم دید حالات کی دردناک داستانیں تھیں۔ سید امان اللہ شادوزئی نے بتایا کہ ہم اگلے مورچوں تک گئے تھے۔ اہواز تک ہوائی سفر کے بعد وہ ہمیں بسوں کے ذریعے تقریباً دو سو میل آگے مورچوں میں لے گئے تھے وہاں علماء تک وردیوں میں موجود پائے گئے جو جوانوں میں جذبۂ شہادت پیدا کرتے۔ انہیں نمازیں پڑھاتے اور انہیں دینی تعلیم دیتے ہیں اور وقت آنے پر خود لڑتے بھی ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ عراق کی فوجوں نے انتہائی تباہ کن ظالمانہ کردار ادا کیا ہے۔ بچے۔ بوڑھے بیمار کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ چھوٹے قصبات اور دیہات تو بل ڈوزروں سے تہس نہس کر دیئے ہیں۔ ابادان، خرم شہر اور دیزفل کے علاقے اور شہر تو ملبے کا ڈھیر بن گئے ہیں۔ حکومت ایران نے جنگ زدہ علاقے کے باشندوں کے لئے ۲۵ سے زائد ہجرت کیمپ لگا دیئے ہیں۔ اس وقت دس بارہ لاکھ انسان ان کیمپوں میں پڑے ہیں جن کا انتظام حکومت کے ذمے ہے۔ ایک جگہ ۷۰۰-۲ مسلمان لڑکیوں کی اجتماعی قبر ہے جہاں دشمن نے ان کے ساتھ بدکاری کرنے بعد انہیں زندہ یا مردہ اجتماعی قبر میں دفن کر دیا ہے۔ غرض ہولناک داستانیں تھیں جو وہ بیان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے اور انہیں خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس دلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت کا نظام جس جگہ بھی نافذ ہو جاتا ہے اور وہ جس مملکت کا بھی طرز حکومت قرار پاتا ہے وہ معاشرہ درندوں کا معاشرہ اور وہ حکومت بھیڑیوں کی حکومت

بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اور تمام انسانوں کو اشتراکیوں کی حکومت سے نجات دے۔ اشتراکی نظام میں زمین پر زندہ رہنے سے زمین کے پیٹ میں مردہ بن کر جا پڑنا زیادہ بہتر ہے۔

اس رات ہم دیر تک اشتراکی نظام اور اسلامی نظام کے موازنے کی باتیں کرتے رہے اور اس پر افسوس کرتے رہے کہ عالم اسلام نہ مظلوم کی دستگیری کر سکتا ہے نہ ظالم کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے اور نہ ظلم کی مذمت کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ افسوس یہ صورت حال کتنی دردناک اور کتنی رسوا کن ہے۔

ع جاں ز مہجوری بہ نالد در بدن

وائے من اے وائے من، اے وائے من

تعلیم اور تعلیم گاہیں

۶ فروری کا دن یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کے سربراہوں اور ثقافتی انقلاب کے کارکنوں سے ملاقات کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ یہ دن اس لحاظ سے نہایت اہم تھا کہ تعلیمی ادارے انقلاب کے بعد سے بند چلے آتے تھے اور نیا نصاب تعلیم تیار ہونے تک انہیں ارادۃً بند رکھا گیا تھا۔

"ہم تعلیم سے اپنی نسل نو کو سنوارنا اور انقلاب اسلامی کا خادم بنانا چاہتے ہیں، انہیں غیر اسلامی تعلیم دے کر کفر کے خادم نہیں بنانا چاہتے۔ تعلیم کے ذریعے بگاڑنے کی بجائے ہم انہیں جب تک نیا نصاب تعلیم تیار نہ ہو جائے تعلیم نہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس وقت تک وہ ثقافتی انقلاب اور جہاد سازندگی میں ملت کی خدمت کر سکتے ہیں۔"

تقریباً آزادی کی ایک تقریب میں کچھ ایسے ہی الفاظ تھے جو وزیر تعلیم نے دوران گفتگو کہے تھے۔ لیکن اس بات پر بھی تین سال گزر گئے تھے اور ہمیں بہت انتظار تھا کہ نیا نظام تعلیم تیار کرنے کا مرحلہ کس حد تک طے ہوا تھا۔ ناشتہ کے بعد ۹ بجے ہم یونیورسٹی کے اساتذہ اور ثقافتی انقلاب کے ذمہ داران سے ملنے کے لئے گئے۔ یہ ملاقات تین گھنٹے تک جاری رہی۔

مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ تعلیمی اصلاحات کیا ہو رہی ہیں اور تعلیمی ادارے کب تک کھلیں گے؟ وزیر تعلیم نے جواب دیا "یونیورسٹیاں کھل چکی ہیں۔ میڈیکل سائنس یونیورسٹی۔ انجینئرنگ

یونیورسٹی، ٹیکنیکل کالجز اور دوسرے تمام ٹیکنیکل ادارے کھل رہے ہیں۔ ان کے نصاب میں اگر کوئی چیز اسلامی عقائد اور معمولات کے خلاف تھی تو اسے نکال دیا گیا ہے اور یہ کام مختصر سا تھا ہمیں صرف اس تعلیم کا رخ توحید کی طرف کرنا تھا وہ کر دیا ہے اور اب نصابی کتب ایک مناسب نظرثانی کے بعد طباعت سے آراستہ ہو کر آگئی ہیں اور ایسے سارے ادارے کھل گئے ہیں۔"

"کیا سب کی سب یونیورسٹیاں اور کالجز کھل گئے ہیں" ایک مہمان نے سوال کیا۔

"جی نہیں صرف سوشل سائنس کی یونیورسٹیاں اور شعبے بند ہیں اس لئے کہ ان کا تعلق زیادہ وسیع ترمیمات اور نظرثانی سے ہے۔ اس کے لئے ہمیں نئی نصابی کتب تیار کرنی پڑ رہی ہیں لیکن توقع ہے کہ اس سال کے آخر تک ہم سوشل سائنسز کا بھی تمام نصاب اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تیار کر کے علوم عمرانیات کے شعبہ جات بھی کھولنے کے قابل ہو جائیں گے۔" جواب دیا گیا "کیا آپ غیر معمولی تبدیلیاں کر رہے ہیں" ایک صاحب نے سوال کیا "کیوں نہیں۔ پہلے ان تعلیم گاہوں میں کچا مال ہمارا ہوتا تھا۔ اخراجات بھی ہمارے ہوتے تھے۔ اساتذہ بھی ہمارے ہوتے تھے۔ لیکن ایک غیر اسلامی نظام تعلیم کے ذریعے ہمارے ہی نوجوانوں کو کافرانہ مقاصد کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ہم ایسی بدنصیب قوم تھے کہ اپنے نوجوان غیروں کی خدمت اور مقصد کے لئے اپنے خرچے پر تیار کرتے تھے۔ یورپ کی اس مکاری کو ہم کس طرح جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہمیں ایسی تعلیم گاہیں درکار ہیں جن سے ہمارے نوجوان اسلام کے خادم بن کر نکلیں۔ جدید و قدیم میں تصادم نہ ہو بلکہ تعاون ہو اور نظام تعلیم جدید و قدیم علوم کے ذریعے ایک ہی قوم میں سے دو قسم کے افراد تیار نہ کرے بلکہ مختلف شعبوں کے ماہرین بنائے جس طرح یونیورسٹی سے تعلیم پا کر ایک ڈاکٹر اور انجینئر میں کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر اور عالم میں بھی کوئی ذہنی اور فکری تصادم نہ ہو۔ بس وہ اپنے اپنے شعبوں کے ماہرین شمار ہوں اور ان میں باہمی ایک ہی قوم کے مفید افراد ہونے

کا احساس مساوی طور پر موجود ہو۔

"وہ طلباء جو انقلاب کے مرحلہ میں تعلیم گاہیں چھوڑ کر میدان انقلاب میں چلے گئے تھے اور کتابیں چھوڑ کر بندوقیں سنبھال لی تھیں اب واپس تعلیم گاہوں میں جانے سے گریز تو نہیں کر رہے ہیں۔" مہمان نے پوچھا۔ "تجربہ آپ کے سامنے ہے۔ اس وقت ۵۰ فیصدی طلباء واپس کلاسوں میں جا چکے ہیں۔ اور عمرانیات کے طلبہ صرف باقی ہیں۔ جو طلباء واپس تعلیم گاہوں میں گئے ہیں ان کیلئے امام کی یہ اپیل کافی تھی کہ اب تمہیں واپس اپنے تعلیمی محاذ پر چلے جانا چاہیئے۔ انہوں نے ہتھیار واپس جمع کرائے اور تعلیم گاہوں میں چلے گئے۔" محکمہ تعلیم کے افسر نے جواب دیا۔

"کیا جدید تعلیم گاہوں میں دینی تعلیم کا مؤثر انتظام کیا جائے گا" ایک مہمان نے سوال کیا۔

"لازماً انتظام ہو گا جبکہ ساری تعلیم ہی دینی ہو گی۔ دینی تعلیم سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کی تعلیم میں دین کو رہنما اصول کے طور پہ استعمال کیا جائے گا۔ ویسے آپ کو یہ سن کر مسرت ہو گی کہ امام خمینی نے اپیل کی ہے کہ ایران کے ہر مسلم خاندان میں سے ایک طالب علم لازماً خالص دینی تعلیم کے لئے وقف کیا جائے جو دینی تعلیم میں مہارت نامہ حاصل کرے تاکہ دینی تعلیم اور دینداری ہر مسلمان گھرانے میں فرداً فرداً پہنچ جائے اس لئے کہ دینی تعلیم میں غفلت سے ہی مسلمان اسلام سے دور ہو گئے ہیں۔" محکمہ تعلیم کے افسر نے کہا۔

اس طرح بارہ بجے تک گفت و شنید کا سلسلہ چلتا رہا۔ اسی دوران امام خمینی کی ایک اہم تقریر حاضرین میں تقسیم کی گئی جس میں انہوں نے یونیورسٹی اساتذہ اور دینی مدارس کے ارباب علم کو مخاطب کر کے اہم باتیں کہی تھیں۔ اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

~~گئی تھیں۔ اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔~~

امام خمینی نے اساتذہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"جس اہم بات پر اسلامی ممالک کے دشمن بہت زور دے رہے ہیں وہ یونیورسٹی کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر مسلمان ممالک میں یونیورسٹی ان کے مفاد کے لئے کام کرے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا ملک ان کی خدمت کرنے میں مصروف ہے۔ یونیورسٹی ہی ہے جو امور مملکت چلاتی ہے اور آئیندہ اور موجودہ نسلوں کی تربیت کرتی ہے اگر یونیورسٹی مشرق و مغرب کے ظالمانہ تسلط میں ہو تو ملک بھی ان ہی کے اختیار میں ہوگا۔ چنانچہ جس قدر انہوں نے یونیورسٹی کو نشانہ بنایا ہوا ہے کسی اور جگہ کو نہیں بنایا۔ ہر مسلمان ملک کا یہی حال ہے۔

ان کا ہدف صرف یونیورسٹیاں ہی نہیں تھیں وہ قدیم علوم کی درسگاہوں کو بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے انہوں نے کوشش کی، یونیورسٹیوں کو خوب اچھی طرح اپنے قابو میں رکھیں۔ پھر انہوں نے یہ کوشش بھی کی کہ یونیورسٹی کو مذہبی علماء سے اور مذہبی علماء کو یونیورسٹی سے بدظن کریں۔ "مولوی" کا نام یونیورسٹی والوں کے سامنے منشیات سے کم نہیں تھا اور مذہبی علوم کے طلباء کے نزدیک یونیورسٹی لادینیت کا مرکز تھی۔ اس طرح وہ ان دونوں اداروں کو ایک دوسرے سے لڑاتے اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں ایک بھی ایسی یونیورسٹی نہ بننے دی جو ملکی مفاد کے لیے کام کرے اور اس میں سے محب وطن، انسان دوست، دانشور اور ماہرین باہر نکلیں۔

"ہم نے اور ہمارے انقلاب نے اس اہم نکتے پر زور دیا ہے کہ ثقافتی انقلاب اور یونیورسٹی کے مسائل کو اولیت حاصل رہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ پہلے دن ہی سے وہ لوگ جن کا قبلہ ماسکو تھا یا امریکہ انہوں نے ہماری مخالفت شروع کردی اور یونیورسٹی کی اصلاح کے عمل کو رجعت پسندانہ اقدام کہنے لگے۔ عوام جانتے ہیں کہ جب یہ لوگ کسی کو رجعت پسند کہتے ہیں تو ان کی مراد مسلمان یا اسلام سے دلچسپی رکھنے والے یا ملک سے محبت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں اور ترقی یافتہ سے ان کا مطلب ملک کو مشرق و مغرب کی طرف لے جانے والا ہے۔ ان نام نہاد ترقی پسندوں کا قبلہ مغرب تھا یا مشرق، انہیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یونیورسٹیاں اسلامی بن جائیں۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلام نہ رہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ باقی رہے کوئی مضائقہ نہیں

تاکہ یونیورسٹیوں میں اسلامی تربیت نہ ہوسکے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہونا رہے ان کی بلا سے۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ یونیورسٹی اور مدرسہ فیضیہ کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو کیونکہ یہ تعلق یونیورسٹیوں کے اسلامی ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اور یہ تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ یونیورسٹیوں کے طلبا اور دینی مدارس کے طالب علموں کے درمیان جو طویل بدگمانیاں موجود تھیں ختم ہو جائیں جب یہ بدگمانیاں ختم ہو جائیں گی اور یونیورسٹی، مدرسہ فیضیہ کے ساتھ مل کر اپنی سرگرمیاں شروع کرے گی تو وہ لوگ جن کا قبلہ مغرب یا مشرق ہے ان کی اہمیت ختم ہو جائے گی لہٰذا وہ اپنی بھرپور کوشش کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں کہ ان دو گروہوں کو آپس سے الگ اور جدا رکھیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے بدظن کریں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مشرق یا مغرب کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی قوم بھی مشرقی یا مغربی بلاک کی بھینٹ چڑھ جائے۔ یونیورسٹی کو ہوشیار رہنا چاہیئے اور ان کے منصوبوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ہمارے عزیز جوانوں کو ان سازشوں کا علم ہونا چاہیئے کیونکہ یہی یونیورسٹی ہے جو بگڑ کر ایک قوم کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ یہ بگڑی ہوئی یونیورسٹی کا ماحول ہے جو ہمارے نوجوانوں کو مغرب و مشرق کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو اپنی خودی سے خالی کر دیتا ہے اور ان کا رخ مغرب و مشرق کی طرف پھیر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ یا تو مشرق حملہ کر کے تمام ایران اور مشرقی اور اسلامی ممالک کو ختم کر دے یا مغرب حملہ کرے اور ہماری تہذیب و ثقافت اور دوسری تمام چیزیں ہم سے چھین لے اور اس کے بدلے ایک مشرقی یا مغربی نظریہ دے کر ہماری قوم کو تباہ و برباد کر دے۔

لیکن الحمد للہ ہماری قوم بیدار ہو چکی ہے۔ لہٰذا وہ ایسے کاموں کی ہرگز اجازت نہیں دے گی جو مشرق یا مغرب کے مفادات میں ہوں، ہماری قوم کو پتہ چل گیا ہے کہ یہ یونیورسٹی ہے جو ملک کو جانبدار یا غیر جانبدار بناتی ہے۔ البتہ طلباء اور اساتذہ کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور تمام یونیورسٹیوں کو اسلامی اور قومی طریقے پر جتنی جلدی ہو سکے کھول دیں۔ ایسی

یونیورسٹی جو قوم کی اپنی ہو۔ اسلامی ملت کی اپنی یونیورسٹی ہو۔ جو ہاتھ یونیورسٹی کو مشرق یا مغرب کی طرف لے جائیں وہ کاٹ دیئے جانے چاہئیں۔ یونیورسٹی کی تقدیر کو اسلامی اساتذہ اور معلموں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ اس طرح یونیورسٹی ایک قومی یونیورسٹی ہو جو صرف قوم و ملت کے لئے ہو نہ یہ کہ تکلیف تو قوم اٹھائے اور یونیورسٹی کے اخراجات برداشت کرے لیکن وہ ایسی یونیورسٹی بن جائے جس میں تعلیم پانے والے لوگ مشرق یا مغرب کے پجاری ہوں۔ یونیورسٹی کھلنی چاہیئے لیکن ان حالات میں کہ اس میں اسلامی، قومی اور انسانی اقدار کے مطابق تربیت دی جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ایک آزاد ملت، آزاد فکر اور آزاد یونیورسٹی کے ساتھ موجود ہو۔ ایسی یونیورسٹی جو مدرسہ فیضیہ کے ساتھ مل کر کام کرے اور ہمارے نوجوانوں کو ایسی تربیت دے کہ نہ تو وہ ماسکو کے پجاری ہوں نہ لندن کے دلدادہ اور نہ ہی واشنگٹن کے عاشق بنیں بلکہ ان کا قبلہ صرف "خانہ کعبہ" ہو اور ان کی توجہ کا مرکز صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہو اور اسلام کو اپنے سینے سے لگائیں کیونکہ ان کی عزت اور آزادی صرف اسلام کے سائے میں ہے اور اسلام نے علم کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ کسی اور مذہب نے نہیں دی۔

اسلام دانشوروں اور محققوں کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ دنیا کے دوسرے سارے مذاہب میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں علم سب سے بڑی چیز ہے۔ لیکن وہ علوم نہیں جو ہمیں تباہی کی طرف دھکیلیں اور نہ ہی وہ دانشمند جو ملت کو مشرق یا مغرب کی آغوش میں لے جائیں۔ اسلام کی کوشش یہ ہے کہ ان افکار اور ذہنوں میں علم پیدا کرے جو مشرق و مغرب کے طرف نہ ہوں اور صرف اسلام کے بارے میں سوچتے ہوں اور یہی استقلال ہے جو ہمارے ملک کو آزاد رکھ سکتا ہے۔

اے یونیورسٹی اور فیضیہ کے پیارے فرزندو ہوشیار رہو کیونکہ دشمن اس کوشش میں ہیں کہ تمہارے درمیان تفرقہ ڈالیں لیکن آپ کو جاننا چاہیئے کہ اگر یونیورسٹی اور مدرسہ فیضیہ میں صلح ہو گئی تو تمہاری آزادی کا بیمہ ہو جائے گا۔ وہ قلم اور زبانیں جو کوشش کر رہے ہیں

کہ ان دونوں جماعتوں کو آپس میں لڑا دیں اور جدا کر دیں۔ ان کا قبلہ یا تو ماسکو ہے یا واشنگٹن آپ ہوشیار رہیں اور اس عظیم مصلحت یعنی یونیورسٹی اور مدرسہ فیضیہ کے اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کامیاب رہیں اور خود کو اور ملک کو آزادانہ طور پر چلائیں اور مشرق یا مغرب سے ہماری توقع ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ یونیورسٹی، مدرسہ فیضیہ اور ساری ملت کا حامی و ناصر ہو۔"

دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم اپنی قیام گاہوں پر واپس آ گئے۔ اس لئے کہ تین بجے ہماری ملاقات وزارت ارشاد اور وزارت خارجہ کے ذمہ دار لوگوں سے تھی۔ ان ملاقاتوں میں یہ سُن کر مجھے مسرت ہوئی کہ امام خمینی نے اپیل کی ہے کہ ایران میں ہر خاندان کم از کم ایک بچہ دینی تعلیم کے لئے مخصوص کرے تاکہ دینی تعلیم گھر گھر تک پہنچ سکے۔ اور دین محض ایک خاص مذہبی طبقے کا کام نہ ہو۔ بلکہ دین عوام الناس کا علم ہو اور اسے صرف مساجد اور مدارس کے لئے ہی حاصل نہ کیا جائے بلکہ اسلام سیکھنے اور مسلمان بننے کے لئے اسے حاصل کیا جائے۔ یہی انکی تاکید اہل سنت کے لئے بھی ہے۔

قیدی اور شہداء

، اور ۸ مئی کے دونوں دن اس کام کے لئے وقف تھے کہ جنگی قیدیوں سے ملاقاتیں کی جائیں، ان کے خیالات اور تاثرات سے آگاہی حاصل کی جائے جنگی معذورین کے ہمت و حوصلہ کو دیکھا جائے. اور ان کی طبی امداد اور مادی وسائل کے بارے میں آگاہی حاصل کی جائے نیز شہدا کے خاندانوں کے بارے میں واقفیت حاصل کی جائے ان کے پس ماندگان سے ملاقاتیں کی جائیں اور ان کے تاثرات و عزائم کا اندازہ لگایا جائے۔

، مئی کو ناشتے کے بعد ہم سب جنگی قیدیوں سے ملنے کے لئے گئے۔ یہ خصوصی کھلے قیدخانے تھے. ان کے لئے انتظامات کی نوعیت بھی جداگانہ تھی. کھلی فوجی بیرکوں میں ان کو پہرے میں رکھا گیا تھا جہاں انہیں چلنے پھرنے. کھیلنے اور کھانے پینے کی آزادی تھی. کھیلنے کیلئے وہاں مختلف قسم کی کھیلوں کا سامان موجود تھا جن میں فٹ بال اور والی بال بطور خاص عام تھے۔

ان سے جس نوعیت کی باتیں ہوئیں ان سے یہی اندازہ ہوا کہ ہمارے مسلمان ملکوں میں بھی فوجیں بالعموم مرسنری (MERCENARY) ہوتی ہیں لوگ روزگار کے لئے فوج میں بھرتی ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت مجاہد فی سبیل اللہ کی نہیں بلکہ پیشہ ور سپاہیوں کی ہوتی ہے جو روزگار ترقی اور روپے کے لئے بھرتی ہوتے اور ملکوں کی فوجوں میں حق و باطل کی کش مکش سے بے نیاز اپنا فوجی پیشہ بطور روزگار پورا کرتے ہیں۔ ان میں کوئی نظریاتی جذبہ نہیں ہوتا. حق و باطل کا امتیاز نہیں ہوتا. اور صلح و جنگ میں ان کے ارادے کو کوئی

دخل نہیں ہوتا۔ روپے کے لئے بھرتی ہوتے ہیں۔ ملکوں کے حکمران جس کسی ملک کیخلاف اپنے ذاتی وجوہ کی بنا پر جنگ چھیڑتے ہیں اس کے خلاف لڑتے ہیں اور جنگ میں کبھی بچ کر واپس چلے آتے ہیں اور کبھی مارے جاتے یا قید ہو جاتے ہیں۔ جب قید ہوتے ہیں تو جنگی قیدیوں کی حیثیت سے قید کاٹتے ہیں اور جس حال میں رکھا جاتا ہے رہتے ہیں اور جب جنگ ختم ہوتی اور قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو تبادلے میں واپس چلے جاتے ہیں۔

بس ایسے ہی قیدی تھے جن سے ہماری ملاقات ہوئی۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو امام خمینی کی تصاویر بھی گلے میں لٹکائے ہوئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ قید و بند کی مجبوری کی حالت میں ان کے لئے کسی بھی کام کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ قیدی کا کوئی ضمیر کام نہیں کرتا اور وہ صرف دن گزارتا ہے۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ مسلمان مسلمانوں سے لڑتے ہیں اور پھر مسلمانوں کے قیدی ہو کر قید کاٹتے اور ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ امتِ مسلمہ کی بدبختی اور زوال اور کیا ہو سکتا ہے۔

شاید ہم اس قدر دلگرفتہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے جس قدر دلگرفتہ واپس آئے۔ میرا دل سخت افسردہ تھا کہ مسلمان مسلمانوں کی قید میں تھے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان ذبح ہو رہے تھے اور دنیا بھر کے کفار یہ تماشہ دیکھ رہے تھے بلکہ مسلمان کفار کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں مر رہے تھے۔ ایک طرف اسرائیل مسلمانوں کو مار رہا تھا دوسری طرف اشتراکی مسلمانوں کو مار رہے تھے اور تیسری طرف خود مسلمان مسلمانوں کو مار رہے تھے۔

دنیا میں سب سے بڑی تباہ حال مہاجرین کی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ دنیا کے دو کروڑ مہاجرین میں دو تہائی تعداد مسلمان مہاجرین کی تھی اور دنیا کے جس کسی خطے میں دو قوموں کے درمیان جنگ ہوتی تھی۔ ان میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہونے اور کثرت سے مارا جانے والا فریق مسلمان ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اس صورت حال کو بدل سکتا ہے۔ مسلمان اسلام سے دور ہو کر

جس درجہ تباہی سے دوچار ہوئے ہیں اس کی مثال ان کی پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔
دوپہر کا کھانا بھی ہم نے تپہ مردہ دلوں کے ساتھ کھایا اور نماز ظہر میں ان قیدیوں کی رہائی اور عراق وایران جنگ کے خاتمے کی دعائیں ہی کرتے رہے۔
سہ پہر کو ہم تین بجے تہران کی بین الاقوامی نمائش دیکھنے گئے۔ ظاہر ہے کہ اس نمائش میں بھی ہمیں سب سے زیادہ دلچسپی پاکستانی سٹال سے تھی۔ اور پاکستانی سٹال بلاشبہ بہت اچھا تھا۔ اس میں ہماری صنعتی اور گھریلو دستکاریوں کی اچھی نمائندگی موجود تھی۔ عملہ بھی خوش اخلاق تھا اور ہم سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ ہم رات گئے تک یہ نمائش دیکھتے رہے اور مسلمان ملکوں کی صنعتوں اور ہنرمندیوں پر تبصرہ کرتے رہے۔
عشاء کی نماز کے بعد ہماری دعوت تھی جس کا اہتمام ایران کی مجلس شوریٰ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ایران میں عام کھانا ہو یا خصوصی دعوت ہو خدا کا شکر ہے کہ سادگی اور غذائیت برقرار رہتی ہے۔ کھانا اتنا سادہ اور بے رنگ و روغن ہوتا ہے کہ فی الحقیقت پرہیزی کھانا معلوم ہوتا ہے اور اگر پاکستانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بے نمک اور بدمزہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ سارا زور سلاد کی مختلف انواع و اقسام پر ہوتا ہے۔ یوں تو غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی طبیب یا ڈاکٹر اس کھانے میں سے طبی نقطہ نظر سے کوئی نقص نکال سکے۔ لیکن جو لوگ چٹخاروں کے عادی ہوتے ہیں ان کے لئے یہ کھانا روکھا پھیکا کھانا ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی سطح پر بھی کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہوتا۔ بہرحال ہم حسب معمول کھانے سے محظوظ ہوئے اور رات ½ ۱۰ بجے اس دعوت سے فارغ ہوئے۔ پھر رات دیر تک پاسداران انقلاب اور اپنے ساتھیوں سے گپ شپ اور دن بھر کے پروگراموں پر تبصرے کرتے رہے۔ ہم میں سے بیشتر انقلاب کے مختلف پہلوؤں سے متاثر تھے۔ خصوصاً جو فراخدلی کا برتاؤ ایران عراق کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کر رہا تھا وہ قابل تعریف تھا۔
۸ مئی کا دن ناشتے کے بعد میدان آزادی کی سیر کا تھا۔ یہ میدان آزادی وہ جگہ ہے

جہاں رضا شاہ نے ڈھائی ہزار سالہ پرانی مجوسی تہذیب کی ترقی اور احیاء کی یادگار کے طور پہ ایک عظیم الشان دروازہ تعمیر کیا تھا۔ وہ دروازہ اب بھی وہاں کھڑا ہے جو شاید دنیا کا سب سے بڑا دروازہ ہوگا اور ایران کے قدیم فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن جب رضا شاہ کی مجوسی تہذیب اور اس کی ملوکیت سے اسلامی ایران نے چھٹکارا حاصل کر لیا تو آج وہی میدان میدانِ آزادی کہلاتا ہے۔ اور وہی دروازہ اب دروازۂ آزادی بن گیا ہے۔

ہم اس میدانِ آزادی اور اس دروازے کی سیر کے لئے گئے۔ اس جگہ ۱۱ فروری کے یوم آزادی کو فوجوں کی پریڈ ہوتی ہے اور بڑے پیمانے پر تہران کے طول وعرض سے عوام الناس آکر اس جشنِ آزادی میں شریک ہوتے ہیں۔ یہاں بے شمار دوسری عمارات بھی اب بن گئی ہیں جو آزادی کمپلیکس کہلاتی ہیں جن میں بیشتر عمارات دفاعی مقاصد کے لئے قائم کردہ اداروں کے کام آتی ہیں۔

سہ پہر کو ہمارا مہمانوں کا قافلہ ان معذورین سے ملاقات کرنے گیا جن کو جنگ ایران وعراق نے معذور کر دیا ہے۔ ان میں بعض لوگ گولہ باری یا جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں معذور ہو گئے ہیں اور بعض میدانِ جنگ سے زخمی اور معذور ہو کر واپس آئے ہیں۔ ان میں بہت بڑی تعداد کو حکومت نے ان کی ضرورت کے مطابق سامان نقل وحرکت فراہم کر دیا ہے۔ ایک بڑی تعداد دستی سائیکلوں پہ بیٹھ کر ادھر ادھر حرکت کرتے ہیں۔ اور بعض ابھی تیمارداری اور بیماری کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔

قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ ان کے حوصلے بلند ہیں۔ ان میں بعض لوگوں کو افسوس ہے کہ انہیں شہادت نصیب نہ ہوئی اور وہ اب بھی کسی صورت میدانِ جنگ میں جا کر داد شجاعت دینا چاہتے ہیں۔ ان میں درجہ اوّل کا جذبۂ شہادت پایا جاتا ہے اور یہ فی الحقیقت مجاہد قوم کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔

مغرب کے وقت تمام مہمان ان حضرات سے ملاقاتیں کر کے فارغ ہوئے جن کے جسم

بیمار مضمحل اور جن کی روحیں جوان اور جذبات تازہ دم تھے۔ رات کا کھانا شہدا کی فاؤنڈیشن کی طرف سے تھا۔ اس فاؤنڈیشن کے ذریعے شہداء کے خاندانوں کی امداد کی جاتی ہے تمام بڑے بڑے کارخانے جو بعض یہود اور مجوس چھوڑ کر بھاگ گئے تمام بڑے بڑے ہوٹل جو بھاگ جانے والوں کی ملکیت تھے وہ سب شہداء کی فاؤنڈیشن کے حوالے کر دیئے گئے ہیں اور ان کی آمدنی اس فاؤنڈیشن کی معرفت تمام شہداء کے خاندانوں اور پس ماندگان میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ہم جس ۲۶ منزلہ ہوٹل آزادی میں ٹھہرائے گئے تھے وہ رضا شاہ کے دور میں ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ جو اب شہداء فاؤنڈیشن کے زیر انتظام تھا اور حکومت اس کا کرایہ اس فاؤنڈیشن کو ادا کرتی تھی۔

اس جگہ ایک جلسہ بھی ہوا جس میں حجۃ الاسلام کرونی نے ایک مؤثر تقریر کی۔ شہادت کے فلسفے پر روشنی ڈالی اور مہمانوں کو خوش آمدید کہی۔ رات گیارہ بجے ہم ان تقریبات سے فارغ ہو کر اپنے کمروں میں واپس آئے ہم دن بھر کے تھکے ماندے تھے جلد ہی سو گئے۔ صبح کی نماز کے لئے آنکھ کھلی تو تہران کی جامع مسجد سے اذان کی ایمان پرور آواز آرہی تھی اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔

آں خنک شہرے

۹ فروری کا دن قم کے سفر کے لئے وقف تھا. قم وہ شہر انقلاب ہے جو دینی مدارس کا سب سے بڑا مرکز ہے. جہاں امام خمینی نے پر سوز دن اور پر گداز راتیں گزاریں. جہاں انقلاب کے دکھ درد کی ابتدائی کہانیاں تخلیق ہوئیں جہاں ۵ جون ۱۹٦۳ کو وہ خوفناک کربلا آسا ظلم و ستم ہوا جس نے غافل ایرانی مسلمان کو بیدار کر کے اپنے گرد و پیش سے ہوشیار کر دیا جہاں انقلاب کا بیج بو یا گیا. وہ انقلاب جس کا صدیوں سے انتظار تھا جس کے لئے سید جمال الدین افغانی نے کام کیا. جس کیلئے نواب صفوی نے دار و رسن کو چوما. جس کے لئے ہزاروں نوجوان اور معصوم شہری شہید ہوئے. جس کے لئے علامہ اقبالؒ نے نغمۂ انقلاب الاپا. جس کے لئے مولانا مودودی نے خواب دیکھے. جس کے لئے حسن البنا اور سید قطب شہید ہوئے. جس کے لئے ہزاروں نوجوانوں نے قید و بند اور گولیوں کا نشانہ بننا گوارا کیا. وہ انقلاب قم کے در و دیوار کو خون آشام کرتا ہوا بالآخر طلوع ہوا. امام خمینی وہیں سے دین و دنیا کی علیحدگی کو یکجا کرتے ہوئے دکھائی دیئے وہی عزیز شہر قم ہمارے جانے کا پروگرام پیش نظر تھا.

اور ناشتہ کے بعد ہماری بسیں ہمیں لے کر قم کے لئے روانہ ہو گئیں. قمؔ کے سفر میں ایک پاسدار انقلاب بس میں میرے پاس کھڑا تھا. اور انقلاب کی رُوداد بیان کر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا " بھائی! آپ نے امریکہ اور شاہ سے لے کر عراق تک کے بارے میں جو شدت کا رویّہ اختیار کیا ہے. اس طرح آپ نے انقلاب کے آغاز ہی میں دُنیا کے ایک

بہت بڑے حصے کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ یہ کہاں تک اسلامی انقلاب کے مفاد اور کہاں تک اسلامی رحم وکرم اور اخلاق کریمانہ کے مطابق ہے۔ جبکہ حضور اکرمؐ نے فتح مکہ کے وقت اپنے خون کے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا تھا اور کہا تھا: لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔

وہ میری بات سن کر مسکرایا۔ اور اپنی اسٹین گن پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا:

"مہمانِ عزیز! ہم تو رسول کریمؐ کے خادم اور غلام ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے بعد انقلاب اسلامی مکمل ہوگیا تھا۔ پھر کوئی دشمن ایسا زبردست باقی نہ رہ گیا تھا جس کا وجود انقلاب کے لئے خطرہ ہو۔ لیکن ہمارا انقلاب جب تک ہمارے دشمن خائب وخاسر ہوکر اپنے کیفر کردار کو نہ پہنچ جائیں ہر وقت خطرے میں ہے۔ کیا آپ کو مصدق کا حشر یاد نہیں؛ اس وقت بھی یہ ہوا تھا کہ شاہ ملک ایران سے بھاگ گیا تھا۔ اور پھر امریکہ کی مدد سے دوبارہ مسلط ہو گیا تھا۔ امریکہ ہمارے اسلامی انقلاب کے ہر دشمن کا سرپرست اور محافظ ہے۔ اس لئے جب تک امریکہ تسلیم نہ کرے اس وقت تک ہمارا انقلاب نہ محفوظ ہے اور نہ مکمل۔"

وہ کہتا گیا: "کیا آپ نے شاہ کا محل نہیں دیکھا؛ مقام عبرت ہے جو زائرین کے لئے کھلا ہے۔ سونے کے ٹب۔ سونے کے واشنگ بیسن، نلکوں کی ٹونٹیاں سونے کی، شراب کی نلکیاں اور صراحیاں سونے کی۔ عریاں تصاویر سے مزین کمرے، جواہرات سے لدے ہوئے سامانِ آرائش وزیبائش، پرائیویٹ عشرت گاہیں۔ مجسمے، مخملیں آرام گاہیں غرض ایک طویل وعریض عمارت جس میں جنتِ شداد کا سارا سامان عیش جمع تھا اور جو ایران کے غریب کسانوں اور مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی کا ڈھیر تھا۔"

پاسدارِ انقلاب نے دم لے کر کہا "لوگوں نے ۵۰ برس تک شاہ کے مظالم دانتوں تلے زبان دبا کر برداشت کئے۔ ملک کی ساری دولت اس کی عشرت کا سامان تھی۔ ساری اعلیٰ زمینیں اس کی جاگیریں تھیں۔ سارے بڑے کاروباروں پر اس کا تصرف تھا۔ پورا شاہی

خاندان ایران کی معیشت پر پیر تسمہ پا کی طرح مسلط تھا۔

آپ ذرا جنوبی تہران چل کر دیکھیں، شہروں کے آس پاس کے علاقے دیکھیں صنعتی علاقوں میں مزدوروں کا حال دیکھیں۔ غریب لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر رہتے تھے۔ وہ خالی ڈبوں کے ڈھیر جمع کر کے کٹیا بنا لیتے اور گرمیوں کی تپتی اور جلچلاتی دھوپ میں تندور کی طرح جھلستے ٹین کے ڈبوں کے ڈھیروں کے درمیان وہ دن گزارتے اور سردیوں کی برف بار راتوں کو ربڑ کے پھٹے پرانے ٹائر جلا جلا کر رات گزارتے تھے۔ ان کے لیے نہ تعلیم کی کوئی سہولت، نہ علاج کا انتظام، نہ رہائش کا بندوبست۔ نہ اُن کی انسانیت کا احترام، گویا وہ انسان ہی نہیں تھے۔ ان کو پیدائشی انسانی حقوق تک حاصل نہ تھے۔"

اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھا:" پھر تحریک چلی۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا۔ ممکن ہے یہودیوں کی خبر رساں ایجنسیوں اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ نے کوئی خبر نہ دی ہو۔ ابھی قم کے راستے میں بہشت زہرہ آئے گا۔ آپ اُس کا طول و عرض دیکھیں۔ اُس قبرستان میں ۴۵ ہزار شہداء شاہ کے مظالم کا شکار دفن پڑے ہیں۔ یہ سب شاہ کی "ساواک" نے شہید کیے تھے۔"

پاسدارِ انقلاب جب باتیں کر رہا تھا، تو اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ وہ اپنے شہید ساتھیوں کو یاد کر کے دل گیر ہو گیا تھا۔ وہ کہنے لگا:

"مہمان عزیز! ہم جلوس نکالتے تھے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے تھے۔ کلمہ طیبہ کے بینر لے کر چلتے تھے اور اپنے انسانی حقوق طلب کرتے تھے اور ہمارے سامنے سے شاہ کے ٹینک گولیاں برساتے ہوئے آتے تھے اور ہمارے ساتھیوں کی ہڈیاں کچلتے جلوس کو روندتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ ہم جلوس نکالتے تھے اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے تھے۔ اوپر سے شاہ کے ہیلی کاپٹر آتے اور مسلمان عوام پہ گولیاں برساتے تھے۔ فوجی گاڑیاں گولیاں

برساتی ہجوم میں گھس جاتیں۔ لوگوں کے جیبوں میں اعضا کاٹ کاٹ کر پھینک دیے جاتے بجلی کے جھٹکے دے دے کر مار ڈالتے۔ کم سے کم ساٹھ ہزار نوجوان شہید ہوئے اور ایک لاکھ سے زائد انسان شدید زخمی ہو کر ناکارہ ہو گئے۔ بچوں کے اعضاء اور ہاتھ پاؤں کاٹ کاٹ کر والدین کو مجبور کیا گیا کہ وہ ظلم کے آگے دب جائیں، لیکن ایران کے مسلمان اس کربلائے عذاب میں سے گزر گئے۔ اب یہ بات کہنا کہ امریکہ کو ناراض نہ کرو اور فلاں کو چھوڑ دو۔ یہ تو اپنی موت پر خود دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ ہم اپنے شہداء کے خون سے غداری نہیں کر سکتے۔ ہم تو ملوکیت کا مکمل خاتمہ اور خلافت کی مکمل بحالی چاہتے ہیں"۔

"اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و نگہبان ہو گا۔ میرے بھائی دنیا کے سارے مسلمان آپ کے ساتھ ہیں"۔ میں نے یہ کہا، تو اُس کے چہرے پر حزن و ملال کی بجائے مسکراہٹ کی چمک آ گئی۔

"اللہ اسلام کا بول بالا کرے گا! اللہ اپنے دشمنوں کو خود ختم کر دے گا۔ مجاہد انقلاب نے کہا اور پھر وہ کنڈکٹر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

ہمارا قافلہ قُم میں داخل ہوا تو ہم میں سے ہر شخص اس انقلابی شہر کی تاریخی حیثیت کا احساس رکھتا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی محسوس ہوا کہ سارا شہر امنڈ کر سڑکوں پر آ گیا ہے۔ ہجوم میں مدرسہ فیضیہ کے طالب علموں کا وجود بہت نمایاں تھا۔ مرد و زن، بچے بوڑھے۔ سارا شہر سڑکوں پر موجود تھا اور ہمارے دل تیز تیز دھڑک رہے تھے۔ برادرم امان اللہ صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے "دیکھا گیلانی صاحب! یہ ہے اسلامی تحریک، یہ ہیں انقلابی لوگ"۔

"بے شک یہ انقلابی لوگ ہیں۔ بے شک یہ تحریکِ اسلامی ایران کی رونق ہے" میں نے جواب دیا۔ آہستہ آہستہ ہماری بسیں آگے بڑھتی رہیں۔ ایک دکان پر کسی کی بڑی تصویر

تصویر دیکھی، تو ایک پاسدارِ انقلاب نے ہمیں بتایا کہ ایران میں رواج ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو، تو اس کے مکان یا دکان پر اُس کی تصویر چالیس دن تک لگائی جاتی ہے تاکہ لوگ آخری بار اس کو دیکھ لیں۔

ایک چوک میں پہنچ کر ہمیں بسوں سے اترنے کے لئے اشارہ کیا گیا۔ اور پاسدارانِ انقلاب نے اتر کر دو رویہ حفاظتی راستہ بنا دیا۔ ہم اتر کر چند قدم چلے تو ایک گائے ہمارے سامنے راستے میں ذبح کی گئی۔ پھر پھُول برساتے اور ٹافیاں تقسیم کرتے ہوئے ہمیں مدرسہ فیضیہ میں لے گئے۔ یہ وہ مدرسہ ہے جس میں امام خمینی مدّرس تھے اور یہاں سے ۱۹۶۳ء میں شاہ کی گولیوں کی بارش سے تحریک آزادی و حریت کا آغاز ہوا اور یہیں امام خمینی کا وہ معمولی درجے کا مکان ہے جس میں اُن کے اہل وعیال رہتے ہیں اور جس میں دُور دراز کے سفیر اور وزراء آکر ان سے فرش پر بیٹھ کر ملتے ہیں جہاں امام صاحب بھی ایک معمولی دری پر بیٹھتے ہیں۔ انہوں نے قم سے اب تک رابطہ قائم رکھا ہے۔

ہم نے مدرسے میں جا بجا گولیوں کے نشان دیکھے۔ لڑائی اور گرفتاریوں اور شہادتوں کے مقامات دیکھے۔ ان حجروں میں گئے جن میں سنگینوں سے علماء کو مارا اور زخمی کیا گیا تھا۔ اور وہ حجرہ بھی دیکھا جہاں سے امام خمینی گرفتار کرکے ملک بدر کیئے گئے تھے۔

قم میں ہمارا سارا دن بہت مصروف گزرا۔ ہمارے ساتھی ڈاکٹر سجاد بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے بہت دلچسپی سے یہ سارے مقامات دیکھے۔ وہ انڈیا رانچی سے آئے تھے ان کی رفاقت سے دل بہت خوش ہوا۔

مدرسۂ فیضیہ کا خوب معائنہ کیا۔ برادرم امان اللہ اشتفاق صاحب اور ڈاکٹر سجاد صاحب پر انقلاب ایران کے اثرات بہت زیادہ تھے۔ وہ بار بار مجھے ایران کی اسلامی تحریک کے انقلابی کردار کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اور پاسدارانِ انقلاب کی معیت میں مدرسہ مسجد اور دیگر تاریخی اور علمی عمارات کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔ پاسدارانِ انقلاب پر

سے ایک نوجوان سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں پڑھتا رہا تھا۔ اور اس نے اسلامی جمعیت طلبا کی کسی تربیت گاہ میں آتے جاتے مجھے اس سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس طرح مانوس فضا میں مزید اضافہ ہوا۔ اور ہم اُس کے ساتھ قمؔ کے تاریخی شہر کے علمی مقامات کا جائزہ لیتے رہے۔ قمؔ ہی میں مولانا مودودی مغفور کی چند کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا تھا۔ اسی قم میں شاہ کے مظالم کی داستان ہمارے رفیق مولانا خلیل حامدی نے ۱۹۶۳ء کے ترجمان القرآن میں لکھی تھی جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی پاکستان کے ۶۳ افراد گرفتار ہوئے تھے۔ شاہ کے توسط سے ایوب خان صاحب کو بھی ہم پر بہت غصہ تھا اور نظربندی کے جرائم کی جو فردِ جرم ہمیں جیل میں دی گئی تھی اس میں یہ بھی درج تھا کہ تم نے ایران میں علماء پر مظالم کے بارے میں مضمون ترجمان القرآن میں شائع کر کے سلطنتِ ایران کے ساتھ ہمارے تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ طرفہ تماشہ یہ تھا کہ ہم سب ارکانِ شوریٰ ناکردہ جرم میں جیل میں ڈالے گئے تھے اور مولانا خلیل حامدی جنہوں نے یہ مضمون لکھ کر شہنشاہِ ایران کی نیند خراب کی تھی، اُن کو کسی نے نہ پوچھا تھا کہ آپ کے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ اس طرح کا انصاف آمروں کی سرزمینوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔

نماز ظہر کے بعد علامہ آیت اللہ منتظری کے مکان میں جلسہ ہوا جس میں نوجوانوں نے اقبالؒ کا ترانہ اردو میں سنا کر اقبال سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ اور پھر علامہ منتظری جو ایران میں علامہ خمینی کے ہونہار شاگرد، تحریک اسلامی کے زبردست مجاہد اور جانشین ہیں تقریر کے لئے تشریف لائے۔ اُن کی تقریر بڑی معلومات افزا تھی۔ انہوں نے سورہ الفجر کی تلاوت کر کے اس کی عمدہ تشریح کی۔ اور بین الاقوامی حالات پر جامع تبصرہ کیا۔ مجھے اپنا ۱۹۸۰ء میں قمؔ میں آنا یاد آگیا۔ جب آیت اللہ منتظری کے بعد اعلان ہوا تھا کہ رئیس جمہوریہ اسلامیہ ایران تقریر کریں گے۔ ہم حیران تھے کہ جب وہ ابھی آئے نہیں

ہیں تو ان کا اعلان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے کہ ہم نے ہٹو بچو اور نعرہ ہائے استقبالیہ کی کوئی آواز نہ سُنی تھی اور یہی رئیس جمہوریہ اسلامیہ ایران تھا کہ جب اُس نے حلفِ صدارت لیا تو پہرے پر کھڑے ایک پاسدارِ انقلاب نے چلّا کر کہا تھا

”جناب صدر! ہماری قوت بازو نے تمہیں صدارت تک پہنچایا، اگر سیدھے رہے تو وہاں قائم رہو گے۔ اور اگر بگڑے تو یہی قوت بازو جو شاہ کو گرا سکتی ہے تمہیں بھی نیچے اتار دے گی۔“ اس پر صدرِ مملکت نے مسکرا کر کہا تھا: ”برادرِ من! خیلے خوب گفتی۔ خیلے خوب گفتی“ اور یہ واقعہ بعد میں پیش بھی آ گیا۔ ہمیں جگہ جگہ حکام کو کھلا ملا ہوا دیکھ کر بعید مسرت ہوتی تھی اور احساس ہوتا تھا کہ اسلامی حکام میں سادگی اور بردباری کا نمونہ کس طرز کا ہونا چاہیئے۔

قُم کے دورے میں امام خمینی کا یہ قول بار بار ذہن میں گونجتا رہا کہ:

”ظلم کے خلاف جلد آواز بلند کرو! جتنی تاخیر ہوگی، اتنی ہی بڑی قربانی ظلم کو مٹانے کے لئے دینی ہوگی“

دورِ حاضر میں قربانی کی جب بات آئے گی، تو ایران کی اسلامی تحریک کا نام ضرور زبان پہ آئے گا۔

آج ایران کی فضا ”لا سُنیہ، لا شیعہ۔ اسلامیہ، اسلامیہ“ کے نعروں سے گونجتی ہے اور وہاں کا طاغوت ختم ہو چکا ہے۔ لیکن جب ابھی طاغوت موجود تھا تو شہر شہر میں انقلابی مظاہرے ہوتے اور نعرے گونجتے تھے:

محمدؐ رہبر ماست خمینی قائد ماست

قرآن رُوحِ ماست شہادت غایت ماست

اور اللہ اکبر کے نعرے گلی کوچوں میں اس طرح گونجتے تھے کہ طاغوت کا دل دہلتا تھا۔ ایک وقت آیا کہ طاغوتِ وقت نے فیصلہ کر لیا کہ ملک میں ظلم و تشدد کا بازار گرم

کرنے کے لئے مارشل لاء لگا دیا جائے۔ اور رات کی تاریکی میں جب عوام اپنے گھروں میں غافل ہوں، تو سڑکوں پر قبضہ کر کے مورچے لگا لئے جائیں۔ امام خمینی نے حکم دیا کہ اُس رات جو قہر کی رات تھی، لوگ اپنے گھروں میں نہ جائیں۔ سارا شہر تہران ساری آبادی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مریضوں سمیت دسمبر کی شدید سردی میں سڑکوں پر گھروں سے باہر تھی۔ پوری رات اسی طرح گزر گئی۔ ایک فرد بھی گھر میں داخل نہیں ہوا یہاں تک کہ فوج اپنے پروگرام میں ناکام ہو گئی۔ عوام کی قوت بلاشبہ باوردی فوج سے طاقتور ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ ہوں۔

امام خمینی طاغوت کا تعاقب کرنے میں بہت مضبوط اعصاب کا انسان ہے وہ قوتِ ایمانی اور قوتِ ارادہ دونوں کا مجسمہ ہے۔ اللہ پر توکل اور عوام پر بھروسہ۔ یہی اُس کی دو بڑی قوتیں ہیں اور اُس کی انہی دونوں قوتوں سے طاغوت نے شکست کھائی ہے۔

ہفت روزہ "الشہید" تہران کے ایڈیٹر نے مجھ سے انٹرویو لیتے ہوئے کہا:

"کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی عظیم تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کیوں ناکام ہو گئی اور جو لوگ اسلام کا دعویٰ لیکر آگے بڑھے تھے وہ کیوں نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہے؟"

"آپ ہی اپنی رائے بتلایئے؟" میں نے اُس نوجوان سے کہا:

وہ کہنے لگا: "جس طرح درخت کی جڑیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح طاغوت کی بھی جڑیں ہوتی ہیں۔ اگر آپ طاغوت کا سر کاٹ دیں، لیکن اُس کی جڑوں کو نہ اکھاڑیں، تو پھر جو بھی اُس سر کی جگہ آکر بیٹھے گا۔ طاغوت کی جڑوں سے وابستہ ہوتے ہی چند ہی ماہ میں وہ بھی طاغوت بن جائے گا۔"

میں نے طاغوت کے اس تجزیے پر حیرت کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگا:

"ہر طاغوتی معاشرے میں طاغوت کی آٹھ جڑیں ہوتی ہیں:

(۱) بدکردار چودھری۔

(۲) بددیانت تاجر۔

(۳) دنیا دار مولوی۔

(۴) خائن بیوروکریسی۔

(۵) زرد صحافت۔

(۶) غیر ملکی ماہرینِ اقتصادیات۔

(۷) سیاسی موقع پرست۔

(۸) مُترفین سرمایہ پرست۔

جب جہاد کی قوت سے ان جڑوں کو نہ اکھاڑا جائے اور قوم کو نیا کردارِ مطلوب نہ دیا جائے تو یہ تبدیلیں سارے انقلاب کو تباہ کرکے پھر طاغوتی نظام کو دوبارہ قائم کر دیتی ہیں۔ آپ کے انقلاب تحریکِ مصطفےٰ کے ساتھ یہی ہوا۔ ایک طاغوت ہٹا دوسرا آگیا۔ روپ بدل گیا۔

"آپ کے انقلاب کے مفکرین کون ہیں"؟ میں نے اُن سے پوچھا۔

ہمارے مفکرین متعدد ہیں ڈاکٹر علی شریعتی۔ جمال الدین افغانی۔ ڈاکٹر اقبال لاہوری سید قطب، حسن البنا شہید اور ابوالاعلیٰ مودودی بھی ان میں شامل ہیں۔ ہمارا انقلاب خالص اسلامی انقلاب ہے۔ نہ یہ شیعہ انقلاب ہے نہ سُنی نہ ایرانی۔ اس کی حیثیت نظریاتی اسلامی انقلاب کی ہے۔ ہر طاغوت کے مشرکانہ نظام کے مقابلے میں ہم توحیدی انقلاب کے علمبردار ہیں" اُس نے کہا۔

قُم ہی میں مَیں نے ایک پُر جوش ایرانی عالم سے بات چیت کی جو انگریزی بہت عمدگی سے بولتے تھے۔ دن بھر نمازیں ہم نے ایک ساتھ پڑھی تھیں اور وہ بہت مانوس ہو کر باتیں کر رہے تھے۔

"مولانا معاف کیجئے گا! میں صرف اپنے اطمینان کے لئے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں" میں نے عرض کیا۔

"برادرم! فرمایئے، فرمایئے!" انہوں نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ایسی بات کرنے کی جرأت ہو گئی۔

"محترم! ہمارے علم میں آپ کا جو شیعہ مسلک ہے اس میں ہم سے علیحدگی اور دوری کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ ہمارے ہاں کا شیعہ بھائی آپ سے کچھ مختلف ذوق رکھتا ہے یہ فرق کیوں ہے؟" میں نے جھجکتے ہوئے اُن سے عرض کیا۔ وہ مسکرائے۔ "میں آپ کا مفہوم سمجھ گیا ہوں آپ نے بہت محتاط انداز میں بات کی ہے۔ لیکن میں کھول کر بات کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو حقیقتِ حال کا علم ہو جائے۔" انہوں نے کہا۔

"فرمایئے!" میں نے پوری طرح متوجہ ہو کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ میں آپ کے ہندوستان پاکستان کے معاشرے سے خوب واقف ہوں۔ یہ بتائیے کہ اہلِ سُنّت میں آپ کے ہاں کوئی دیوبندی، بریلوی بھی گروہ موجود ہیں" انہوں نے پوچھا۔

"ضرور ہیں!" میں نے جواب دیا۔

"کیا وہ باہمی ایک ہی جیسے ہیں جبکہ وہ اہلِ سُنّت ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اُن میں اختلافات ہیں۔ متعدد مسائل میں دیوبندی حضرات بریلوی حضرات کو بدعات کا مرتکب کہتے ہیں۔" میں نے عرض کیا۔

"اسی طرح شیعہ حضرات میں بعض اہلِ بدعت ہیں اور بعض اہلِ سُنّت ہیں۔" انہوں نے کہا "ہم اہلِ بدعت کو صفوی شیعہ اور اہلِ سُنّت کو علوی شیعہ کہتے ہیں۔ اُن میں بھی بہت سے امور میں فرق ہے۔" میں حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"دیکھیئے! علوی شیعہ حضرات تمام صحابۂ کرامؓ کے بارے میں احترام کا رویہ رکھتے ہیں، صرف فضائل و مناقب کے باعث حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو دیگر صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں جبکہ اہلِ سُنّت حضرات حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمر فاروقؓ کو فضیلت دیتے

میں اورظاہر ہے کہ یہ منصوص چیز نہیں ہے، ذوق اور عقیدت کا مسئلہ ہے۔"
انہوں نے کہا۔

میں نے اُن کی بات سے اتفاق کیا تو کہنے لگے؛

"اسی طرح فقہ جعفری کا معاملہ ہے۔ اگر آپ حضرات چار مکاتب فقہ کو تسلیم کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے استاد امام جعفر صادقؒ کی فقہ کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ یہ کوئی نصِ صریح کا معاملہ تو نہیں ہے۔ بلکہ فقہی مسلک کا معاملہ ہے آخر مالکی، حنبلی، شافعی اور حنفی فقہ درست یا قابلِ قبول یا مسلک سُنّت ہے تو فقہ جعفری نے کیا بگاڑا ہے کہ اُس کے بارے میں مغائرت کا ردیہ اختیار کیا جائے"۔ انہوں نے دلیل سے بات کی۔

مجھے ان کی دلیل نے اپیل کیا۔ داقعی آخر فقہ کا مسلک کوئی نصّ کو تسلیم یا رد کرنے کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ یہ تو تحقیقِ مسائل میں مکتبِ فکر کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے علوی شیعہ اور صفوی شیعہ میں بدعت و سُنّت کا فرق بیان کرکے میرے لئے بات کو بہت آسان کر دیا تھا۔

قم میں مجھے آیت اللہ مشکینی اور ایسے ہی دوسرے بہت سے معزز علماء کرام سے ملنے اور ان کے خیالات معلوم کرنے کا موقع ملا۔

قم ایک اخلاق اور دینی فضا کا حامل متوسط درجے کا شہر ہے جس کی مجموعی آبادی دینی معمولات کی حامل ہے۔

ہمارے گوجرانوالہ کے رفقاء محمد اشفاق صاحب۔ مجیب الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر توقیر احمد صاحب۔ جناب رشید احمد صاحب قم کی سیر سے بہت محظوظ ہوئے اور انہوں نے متفرق اشیاء بھی خریدیں جو قیمت کے لحاظ سے پاکستان کی چیزوں سے کچھ ارزاں تھیں خصوصاً پستہ بہت ارزاں تھا۔ ان رفقاء کی رفاقت سے مجھے مختلف پہلوؤں سے بہت سہولت میسر آئی۔

نماز مغرب کے بعد ہمارا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور رات دس بجے ہم بسوں کے ذریعے واپس تہران میں ہوٹل آزادی پہنچے۔ رات کافی دیر تک قم کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے رہے۔ جناب مولانا عزیزالرحمن صاحب اور سید امان اللہ شادزئی اور ڈاکٹر احمد سجاد رانچی تو بہت متاثر تھے۔ سفر کی تھکان کے باوجود ہم اس سفر سے بہت محظوظ ہوئے تھے۔

۱۰ فروری کا دوسرا دن ہمارا دوپہر تک فراغت اور آرام کا دن تھا اور سہ پہر کو ہم شہداء کے خاندانوں اور پس ماندگان سے ملنے کے لئے جانے والے تھے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ شہداء کے خاندانوں سے ملاقات ہمارے لئے حد درجہ ایمان افروز ثابت ہوئی۔ ان میں جذبہ، جرأت اور عزم شہادت کا عجیب رنگ پایا۔ ان کے بچوں نے ہم سے عزم و ہمت کی عجیب عجیب باتیں کیں اور شہادت کے نغمے سنائے۔

دو چھوٹے چھوٹے لڑکوں نے ہم سے بات چیت کرتے ہوئے کہا:

"کیا آپ کے ملک میں بھی اسلام کا نظام قائم ہے؟" وہ لڑکا پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا اور اس کا باپ شہید ہو گیا تھا۔

"ہمارے ہاں اسلام کا نظام ابھی پوری طرح نافذ نہیں ہے" ہمارے ایک ساتھی نے جواب دیا۔

"تو آپ حکومت کے ساتھ مل کر اسے نافذ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے" لڑکے نے کہا۔

"حکومت کا ارادہ اسلام کو جلدی سے نافذ کرنے کا نہیں ہے۔ وہ اسے آہستہ آہستہ نافذ کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ زیادہ دیر تک حکومت کر سکے" ہمارے ساتھی نے کہا:

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں مخلص نہیں ہے" لڑکے نے جوش سے کہا۔

"جی ہاں اب تک ایسی ہی بات ظاہر ہوتی ہے" ہم میں سے کسی نے جواب دیا۔
"تو پھر آپ اسے بدل کر دوسری حکومت لانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے" لڑکوں نے بیک وقت جوش وخروش سے کہا۔
"اس نے مارشل لار لگا رکھا ہے" جواب دیا گیا۔
"مارشل لار کوئی خدا کا قانون تو نہیں ہے۔ جابر حکمران تو ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ مارشل لاء ہٹا کر اسلامی نظام نافذ کرائیں" لڑکوں نے ہمیں نصیحت کی۔
انہوں نے جو نظمیں پڑھیں وہ بھی پُر جوش اور انقلابی تھیں۔ اور رات جب ہم واپس آئے تو جوش و جذبہ کے اس مظاہرے نے ہمارے جذبات میں انقلابی رو دوڑا دی تھی۔

یوم آزادی

۱۱ر فروری کا دن اسلامی جمہوریہ ایران کا یوم آزادی ہے۔ اسی دن ایران کے عوام کو اپنے جابر حکمرانوں سے آزادی ملی تھی اور یہی دن تھا جب ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی مہم کا آغاز ہوا تھا۔ نئے جذبوں، نئے خوابوں اور نئے عزائم کا دن۔ صدیوں کے بعد ملوکیت کا خاتمہ اور صدیوں کے بعد عوام کی آزادی۔ اپنے ہی جباروں اور قہرمانوں کی غلامی سے آزادی۔

بلاشبہ آزادی بڑی قیمتی چیز ہے۔ آزادی ایک چڑیا کو بھی پسند ہوتی ہے۔ اسے بھی اگر پنجرے میں بند کیا جائے تو وہ پھڑپھڑاتی اور سر پٹختی ہے۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ آزادی انسان کی انسانیت کی ضمانت ہوتی ہے انسانیت کی نشوونما کی ضمانت۔ انسانیت کے عروج و ارتقاء کی ضمانت۔ آزادی انسان کے ایمان و ضمیر کی محافظ ہوتی ہے۔ آزادی کے لیے لوگ جنگ کرتے ہیں۔ آزادی کے لیے مرنا دنیا میں مسلمہ طور پر عزت و غیرت و حمیت و آبرو کی موت ہوتی ہے۔ آزادی سے ہی انسان دنیا میں معزز و محترم ہوتا ہے۔ غلام انسان دنیا میں درجہ دوم کا انسان شمار ہوتا ہے۔

اقبالؒ نے اسی آزادی سے محروم ایک محکوم اور مُردہ انسان کی لاش سے اس کی قبر کو فریاد کرتے بتایا تھا:

ے آہ ظالم تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوزناک

تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک
الحذر محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرافیل، اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک

لیکن ایران کا مسلمان تو ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء سے واقعی اب ایک آزاد انسان اور آزاد مسلمان ہے۔ آزادی حاصل کرنے سے انسان کا درجۂ انسانیت بڑھ جاتا ہے اور مسلمان کا درجۂ ایمان واسلام بھی بلند ہو جاتا ہے۔ غلام مسلمان خدا کا مطلوب مسلمان نہیں ہے۔ چنانچہ صدیوں کی جدوجہد کے بعد ایران کے مسلمان نے اپنوں کی غلامی سے، غیروں کی غلامی سے، رسوم ورواج کی غلامی سے، مشرق ومغرب کی غلامی سے مکمل نجات حاصل کرلی ہے اور اب وہ خدا ورسول کی غلامی کرنے کے لیے دوسری ہر قسم کی غلامی سے مکمل آزاد ہو گیا ہے۔ سچا مسلمان وہی ہوتا ہے جو ہر قسم کی غلامی سے نجات حاصل کرلے۔ نفس کی غلامی۔ نسل وزبان وعلاقہ وقبیلہ کی غلامی۔ عصبیت وجاہلیت ومصلحت کی غلامی۔ مفاد وعناد وفساد کی غلامی۔ ہر وہ غلامی جو انسانوں کے نفوس اور سینوں میں چھپ چھپ کر نقوش ہائے عصبیت وجاہلیت بنالیا کرتی ہے۔ ایران کے مسلمان نے ایسی ہر غلامی سے نجات حاصل کرلی ہے۔ اب وہ صرف خدا کا غلام ہے۔ اب وہ کامل طور پر مردِ حُر ہے۔

انہیں مردانِ حُر کا ۱۱ر فروری کو یومِ آزادی ہوتا ہے۔ یہ ۱۱ر فروری کا دن بڑا اہم دن ہے۔ انسان کی غلامی سے انسان کی آزادی کا دن اور صدیوں کے بعد ہی خدا کی غلامی کے لیے مسلمان کا انسان کی غلامی سے آزادی کا دن۔ یہی وہ یومِ انقلاب ہے جسے منانے کے لیے انہوں نے دنیا بھر سے اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کو جمع کیا اور طاغوتی حکومتوں کے نمائندوں اور کارندوں کو نظر انداز کیا ہے۔

آج یہ ۱۱ فروری کا دن ایران کی اسلامی جمہوریہ کا یوم انقلاب ہے۔
یہ دن پورے ملک میں جوش و جذبے اور مظاہرہ حریت و اسلامیت کے اعتبار سے مثالی دن ہے۔ ہمیں صبح ۷/۱ بجے بی بسوں میں بیٹھنے کا پروگرام مل چکا تھا جن میں ہمارے میزبان پاسداران انقلاب پہلے سے مستعدی کے ساتھ مہمانوں کو آرام سے بٹھانے میں مصروف تھے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی اور برف باری ہو رہی تھی۔ کسی غفلت زدہ شخص کے لیے آرام سے چارپائی پر پڑے رہنے کے لیے باقاعدہ عذر شرعی موجود تھا۔ ہم بھی کہتے تھے کہ ایسے برفیلے موسم اور سرد ماحول میں شہر کے لوگ اپنے گھروں میں ٹھٹھرے ہوئے پڑے ہوں گے۔ لیکن جب بسیں ہمیں لے کر روانہ ہوئیں اور ہم میدانِ آزادی کی طرف روانہ ہوئے جو تہران سے تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر شاہ کا تعمیر کردہ اڑھائی ہزار سالہ جشنِ ملوکیت کا میدان تھا اور اب میدانِ آزادی کہلاتا ہے، تو ہم حیران رہ گئے کہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی ہماری ایئرکنڈیشنڈ بسوں کے لیے ہجوم میں سے گزرنا ممکن نہ تھا اور ان کی رفتار بہت ہی ہلکی رہ گئی تھی۔
انسانوں کا سمندر اس گہرے برفیلے موسم میں سڑکوں پر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد، سواریاں، پیدل۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جاتے، ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، لیکن وہ بے حد منظم تھا۔ سب کی زبانوں پر اللہ اکبر کے نعرے تھے۔ سب طاغوت کو للکار رہے تھے۔ سب کے چہروں پر نورانیت اور عزم تھا۔ سب اپنے وجود سے بے نیاز ملت کے اندر گم تھے۔
اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر! ہر طرف یہی نعرہ گونج رہا تھا۔
ہجوم میں نہ دھکم پیل تھی، نہ چھینا جھپٹی اور افراتفری اور نہ ایک دوسرے پر گرے پڑنے کا سماں تھا اور ہماری بسیں رینگ رینگ کر میدانِ آزادی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ بسوں کے شیشوں سے باہر ہجوم کا منظر بڑا جذبات انگیز

اور ایمان پرور تھا۔ ہر شخص آزادی اور ایمان کے جذبے سے سرشار تھا۔ ہر انسان کے چہرے پر طمانیت اور روحانیت کا غازہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے ہم لاہور کی مال روڈ پر ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں سے گزر کر تہران پہنچ گئے ہیں اور یہ منظر انہی مناظر کا ایک بھرپور حصہ ہے۔

ساڑھے تین گھنٹے تک ہم نے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے میدانِ آزادی تک آٹھ میل کا فاصلہ طے کیا۔ ہر طرف انسانوں کا بے پایاں سمندر تھا اور اس کی اُمڈتی بڑھتی موجوں کے سوا اور کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ جب ہم بسوں سے اُترے تو گتھے ہوئے ہجوم نے ہمیں پنڈال تک جانے کے لیے راستہ دے دیا۔

یہ پنڈال سیڑھیوں والے اُونچے چبوترے کی مانند تھا جس پر کرسیاں بچھی تھیں۔ یہ انتظام مہمانوں اور ان کے میزبانوں کے لیے تھا۔ جب ہم پنڈال کے اوپر گئے ہیں تو چاروں طرف انسان ہی انسان تھے، سر ہی سر تھے اور نعرے ہی نعرے تھے۔ ہم سب وارفتہ ہو کر، ہجوم کے نعروں کا جواب دینے لگے اور پنڈال کے چاروں طرف اُوپر ہی اُوپر چکر لگا لگا کر جائزہ لینے لگے۔ یہ ناقابلِ فراموش منظر تھا۔ ہر طرف آزادی اور جذبۂ ایمانی کے چشمے اُبل رہے تھے۔

ہجوم جوش و خروش سے نعرے لگا رہا تھا اور فوجوں کے یونٹ سلامی دیتے ہوئے گزر رہے تھے لیکن سلامی لینے کے لیے کوئی انسان موجود نہ تھا۔ ایک اُونچے چبوترے کے شہ نشین پر ایک بڑی سی کھلی رحل رکھی تھی جس پر قرآن شریف پڑا تھا اور فوجی یونٹ قرآن کو سلامی دیتے ہوئے گزر رہے تھے۔ یہ سفر، ہمارے لیے انتہائی ایمان افروز تھا۔ ہمارے دل رقت سے بھرے تھے اور ہم قرآن کی اس عظمت سے مرعوب ہو گئے تھے۔ دستوں میں فوجی، علما اور طلبا سب کے دستے شامل تھے۔

ہمیں فخر تھا کہ ہم نے اس عظیم الشان مظاہرے میں شرکت کی۔ ایرانیوں کے نعرے تھے:

"یک قطرہ خونِ شہید گلِ سُرخ است تحفہ برائے ملت"!

بلاشبہ ایرانیوں نے شہیدوں کے گلستان سجا دیے تھے۔ اسی لیے وہ قوموں کی برادری میں سر اونچا کر کے چلنے لگے تھے۔ قوموں کا سب سے قیمتی سرمایہ شہدا کا خون ہی تو ہوتا ہے اور وہ ان کے پاس وافر تھا۔

واپسی پر ہم نے وہ مظاہرۂ قوت دیکھا جو فوج کی پریڈ کی صورت میں تھا۔ فوج کے دستے گزرتے تھے اور اُن کے آگے آگے کلمۂ طیبہ اور اللہ اکبر کے جھنڈے ہوتے تھے۔ دو طرفہ کھڑے ہوئے عوام پکار رہے تھے۔

"ملّت فدائے ارتش!" (قوم فوج پر نثار ہے)

اور فوجی مارچ کرتے ہوئے جواب دیتے تھے: "ارتش فدائے اسلام"!

لڑکوں کی پلٹنیں گزریں جو امام خمینی کی بیس ملین (دو کروڑ) سپاہ کے نوجوان تھے، سادہ لباس میں جو فوجی تربیت لے رہے تھے۔ سر سے پاؤں تک ستر پوش لڑکیوں کی پلٹنیں بھی گزریں جو پکار رہی تھیں:

"دخترانِ زینبی! آمادۂ شہادت!" پھر مجاہد علما کی پلٹنیں بھی گزریں۔

الغرض عجیب و غریب بھرپور قوت اور جوش و جذبے کا مظاہرہ ہم نے دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہماری ایمانی اور تحریکی بیٹریاں جو سینوں میں ڈسچارج ہو گئی تھیں، اُن کے جوش و جذبے سے از سرِ نو چارج ہو گئی ہیں۔

اسی شام ہوٹل آزادی میں شعبۂ نشر و اشاعت کی طرف سے امام خمینی کا ایک پیغام تمام مہمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ لکھا تھا:

"میں ممنون ہوں کہ آپ تشریف لائے۔ جب ہم ملوکیت سے برسرِ جنگ تھے، تو کسی کو کیا معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا کچھ مظالم بیت گئے۔ اب ہمیں اللہ نے کامیاب کیا ہے۔ ہم آپ کی دعاؤں کے محتاج ہیں۔ میری ایک نصیحت سُن لیجئے! دین کو دنیا کی نظر سے نہ دیکھیئے کہ اس میں اپنی دُنیا کی ضرورت کے مطابق ترمیمات کرتے رہیں۔ دنیا کو دین کی نظر سے دیکھیئے اور اس میں دین کے احکام کے مطابق ترمیم کر لیجئے! بس یہی میری نصیحت ہے۔ ہمارے لیے دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اپنے دین کے نفاذ کی بھاری آزمائش میں کامیاب کرے!" پریڈ کے دوران ہی مہمانوں کو خشک پھل اور سینڈوچ پر مشتمل کھانا دے دیا گیا اور کوکا کولا کی بوتلوں سے تواضع کی گئی۔

یہ جمعہ کا دن تھا اور نمازِ جمعہ کے لیے سب مہمانوں نے تہران یونیورسٹی کے وسیع گراؤنڈ میں نمازِ جمعہ ادا کرنی تھی اس لیے پریڈ کی نمائش کا پروگرام مختصر کر دیا گیا — البتہ ۱۸ منزلہ دو عمارتوں سے پاسدارانِ انقلاب کی رسّوں کے ذریعے چھلانگیں بڑی حیرت انگیز، جرأت و بہادری کا مظاہرہ تھا جو وہ مسلسل کر رہے تھے۔

ایک بجے تک ہم نمازِ جمعہ کے لیے تہران یونیورسٹی کے وسیع و عریض میدان میں بچھی ہوئی صفوں میں سب سے آگے بیٹھے تھے۔ جب کہ صدرِ مملکت ایران خامنہ ائی خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ وہ بڑے متوازن انداز میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اپنے اقدامات کو بیان کر رہے تھے۔ ان کی پوری تقریر فصیح عربی میں تھی۔ جمعہ کے خطبہ مسنونہ کے بعد انہوں نے ہی نمازِ جمعہ پڑھائی۔ بلا مبالغہ کئی لاکھ کا ہجوم تھا اور ایک لاکھ سے زائد تو خواتین ہی ہوں گی جو سب کی سب باپردہ لباس میں ملبوس تھیں۔ بلاشبہ انقلابِ ایران نے خواتین کو ان کا صحیح مقام دے کر انہیں محترم و معزز بنا دیا ہے۔

جب ہم اپنے کمروں میں واپس آئے تو اس مردِ مجاہد کی زندگی کے لیے ہمارے لبوں پر دعائیں تھیں۔ اور ایران میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہمارے دل رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سربسجود تھے۔

یوم آزادی کی سب سے بڑی خصوصیت جو ناقابلِ فراموش ہے وہ ایرانی مسلمانوں کا نظم وضبط اور اخلاق تھا۔ ہماری بسوں میں سے ہی نظریں تاحدِ نظر جاتی تھیں ہم نے کوئی ایک واقعہ یا منظر بھی اخلاق کے منافی نہیں دیکھا۔

مردوں عورتوں کے ہجوم جو بالعموم جدا جدا تھے۔ جہاں کہیں قریب بھی تھے شرافت اور اخلاق کی پاسداری موجود تھی۔

maablib.org

امام رضا کا شہر

دوسرے دن علی الصبح ہم مشہد کے لیے تیار تھے۔ ۱۲-۱۳ فروری کے دو دن ہمیں مشہد میں گزارنے تھے۔ تین ہوائی جہاز ہمیں لے کر مشہد پہنچے۔ یہاں بھی ان شہداء کی قبروں کا عظیم الشان قبرستان ہے جنہوں نے اسلامی انقلاب ایران کے لیے جان توڑ جدوجہد کی اور شاہ کے نظامِ طاغوت کو اکھاڑنے کے لیے اپنی جانیں راہِ خدا میں پیش کیں۔ تاحدِ نظر یہ قبرستان ۱۵-۲۰ ہزار انسانوں کی قبروں پر مشتمل ہے جن میں بیشتر نوجوانوں کی قبریں ہیں۔ ہر قبر پر مرنے والے کا نام، عمر اور تاریخ وفات درج ہے۔ یہ ایک دردناک منظر ہے اور پتہ چلتا ہے کہ دَورِ حاضر میں خود مسلمانوں کے قائم کردہ باطل نظام کس درجہ ظالم ہیں کہ جب تک ہزاروں جانوں کا نذرانہ نہ لے لیں اور جب تک مظلوموں کے خون کی لہر ان کے سروں پر سے نہ گزر جائے وہ نہ مسلمان عوام کو بنیادی حقوق دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ اسلام کو کوئی راستہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ شاید جس درجہ کی اجتماعی قوت اور انفرادی قربانی کسی غیر مسلم جابر سامراج کی غلامی سے نجات پانے کے لیے درکار ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اجتماعی قوت اور انفرادی قربانی خود مسلمان جبار حکمرانوں کے جبر و تشدد سے نجات پانے کے لیے مسلمان عوام کو درکار ہے۔

ان شہداء کی مغفرت کے لیے دعاؤں کے ساتھ ہم مشہد شہر میں داخل ہوئے جہاں بازاروں اور کوچوں میں ہمارے استقبال کے لیے دو طرفہ انسانوں کا ہجوم موجود

تھا جو پُرجوش نعرے لگا رہا تھا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

میرے پہلو میں ہمارے کوئٹہ کی جماعت کے رفقا، جناب سید امان اللہ شادان زئی اور مولانا عزیز الرحمن بیٹھے تھے۔ یہ حضرات بھی اسلامی تحریک کے پُرجوش کارکن ہونے کی حیثیت سے اسلامی جمہوریہ ایران کی تقریبات آزادی میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ ہم اسلامی انقلاب کے لیے ایرانی مسلمانوں کے اس جوش و جذبہ کا والہانہ انداز میں تذکرہ کر رہے تھے۔ ایسا جوش و جذبہ اگر کسی قوم کو ایمان کی قوت کے ساتھ میسر آجائے تو پھر اسے دنیا کی کوئی قوت غلام نہیں رکھ سکتی۔ کوئی سامراج ان پر غالب نہیں آسکتا اور نہ انہیں اپنی بلا واسطہ یا بالواسطہ غلامی پر راضی رکھ سکتا ہے۔ جب علما کرام بھی جہاد پر جا رہے ہوں اور وہ مورچوں میں مجاہدین کو شہادت کا سبق دیتے اور خود بھی جہاد میں شریک ہوتے ہوں تو عوام کے جوش و جذبہ کی انتہا کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اسی دن کی خبر تھی کہ دو ہزار علما فوجی تربیت کے بعد محاذِ جنگ پر بھجوائے گئے تھے۔ مدرسوں کے فارغ التحصیل علما، جہاد کے لیے سربکف تھے۔

سامراجی قوتیں جو انسانوں کا شکار کرتی ہیں وہ اسی وقت تک یہ شکار کر سکتی ہیں۔ جب تک کوئی باہمت گروہ جان ہتھیلی پر رکھ کر انکے سامنے ڈٹ نہیں جاتا۔ امریکہ جیسی مکّار اور ظالم طاقت کے لیے ایران کے صاحبِ ایمان عوام اور روس جیسی سفاک اور خوفناک طاقت کے لیے افغان مجاہدین دَورِ حاضر کی ایمان افروز مثالیں ہیں جن سے مظلوم قومیں سبق حاصل کر سکتی ہیں۔ اگر ان سے خوف کھایا جائے تو پھر ان سامراجیوں کے مظالم کا سفاکانہ ذوق تو اس درجہ بلند ہوتا ہے کہ سنڈے ٹائمز لندن کے ۹ر دسمبر ۱۹۸۲ء کے شمارے کی خبر کے مطابق ان سامراجی ممالک میں سے کولمبیا کی ایک ٹورنگ ایجنسی ٹورسٹوں کے لیے افریقہ میں جو ٹور بک کرتی ہے اس کے لیے تفریحی پروگراموں میں ایمیزان کے علاقے میں جنگلی قبائل کے انسانوں کا شکار بھی شامل دکھایا گیا ہے۔

ہماری بسیں مشہد ائر پورٹ سے براستہ قبرستان شہدا ، سیدھی روضۂ امام رضا کے وسیع احاطے میں پہنچیں وہاں پہنچتے ہی دوپہر کے کھانے کا پروگرام تھا ، روضہ امام رضا کے متولی جناب آیت اللہ طبس نے انتہائی پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ ایک ایک مہمان کا کھانے کے ہال میں دروازے پر کھڑے ، جن کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی ، شخصی طور پر استقبال کر رہے تھے جب کہ ان کی ٹانگ زخمی تھی اور وہ کسی حادثے میں بُری طرح مجروح ہو گئے تھے۔ ان کی انکساری ، تواضع اور شائستگی قابلِ تعریف تھی انہوں نے فرداً فرداً گھنٹہ بھر کھڑے ہو کر سب مہمانوں کو کھانا کھلایا اور پھر ان کو رخصت کرتے ہوئے بھی اسی اہتمام سے سب سے فرداً فرداً مصافحہ کیا اور سب کا شکریہ ادا کیا۔

جلسہ عام بعد نمازِ عصر تھا۔ چنانچہ کھانے کے بعد آرام کے لیے ہم سب ایک وسیع و عریض ہوٹل میں قیام کے لیے پہنچا دیے گئے جہاں ہمارے گوجرانوالہ کے رفقا ، میرے ساتھ ٹھہرے ۔ جناب مجیب الرحمٰن صاحب ، جناب اشفاق صاحب اور جناب عبدالرزاق صاحب نے تو خدمت و رفاقت کا حق ادا کر دیا اور محسوس کرا دیا کہ سفر کی حالت میں رفقا کی رفاقت کس قدر عظیم نعمت ہوتی ہے۔

عصر کے بعد کا جلسہ حسبِ معمول بہت پُرجوش ترانوں ، نظموں اور تقاریر سے مزین تھا۔ جس میں ایک بات بار بار دہرائی جاتی تھی کہ ہم عراق سے جن شرائط پر صلح چاہتے ہیں وہ بہت آسان اور قابلِ عمل ہیں ۔

۱۔ اگر مسلمان سربراہان کی اسلامی کانفرنس عراق کے حملہ آور ہونے اور اس کی جارحیت کی مذمت کر دے تو ہم آج ہتھیار رکھنے کو تیار ہیں۔

۲۔ اگر عراق کی حکومت اپنے ملک میں سوشلزم کی بجائے اسلامی نظام نافذ کرنے کا اعلان کر دے تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

۳- اگر عراق کی حکومت آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعے عوام کو اپنے حکمران خود منتخب کرنے کا حق دینے کا اعلان کرے تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

۴- اگر مسلمان ممالک ہمارے تمام نقصانات پورے کرنے اور تاوانِ جنگ ادا کرنے کی ضمانت دیں تو ہم جنگ بند کرنے کو تیار ہیں۔

یہ وہ نکات ہیں جو مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر مختلف ذمہ دار حضرات کی تقاریر کے ذریعے اسی سفر میں بار بار ہمارے سامنے دُہرائے جاتے رہے ہیں۔

ہوائی جہاز میں جو قواعد کا کتابچہ مسافروں کی اطلاع کے لیے تقسیم کیا گیا تھا اس میں جن چیزوں کی ملک کے اندر لانے کی سختی سے ممانعت درج تھی ان میں سے چند چیزیں یہ بھی تھیں؛

۱- ہر قسم کی شراب اور بیئر۔

۲- ہر قسم کی نشہ آور اشیاء۔

۳- ہر قسم کا اسلحہ اور بارُود۔

۴- فحش فلمیں، فحش کیسٹ اور ریکارڈ، فحش کتابیں اور فحش اور عُریاں تصاویر۔

۵- ہر قسم کے فیشن کے ترجمان رسائل و جرائد۔

آخری نوٹ میں لکھا گیا تھا کہ تمام مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ ایران میں سفر کے دوران میں شائستہ اور ساتر لباس پہن کر سفر کریں اور خواتین سے درخواست ہے کہ وہ شرعی پردے کا اہتمام کریں اور غیر ملکی خواتین جو ایران آئیں تو وہ بھی چادر اور لمبے ڈھیلے لباس کا اہتمام کریں۔

مشہد میں ۱۲ اور ۱۳ فروری کے دو دن بہت مصروفیت کے گزرے۔ یہ شہر تہران سے ۶۰۰ میل کے فاصلے پر صوبہ خراسان کا صدر مقام ہے اور ملک میں تہران کے بعد دوسرے درجے کا اہم شہر ہے۔ اس کے بازار کشادہ اور صاف ستھرے ہیں۔

اور لوگ بااخلاق اور متواضع ہیں۔ بازاروں میں ہر شے آسانی سے مل جاتی ہے۔ قیمتیں متوسط درجے کی ہیں، فروٹ سستے ہیں۔

محترم حجۃ الاسلام محلاتی نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ ایران کی مسلمان قوم علمار کرام کی جدّوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں متحد اور متفق ہوئی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ علمار صرف اُونچے طبقے کے حامی ہوتے ہیں اور انقلاب نہیں لاسکتے۔ ان کی یہ بات علمار ایران نے غلط ثابت کر دی ہے۔ شاید یہ مسیحی علمار یا تنخواہ دار علمار کی بات کرتے ہیں یا ان علمار سوء کی جو دولت کو دین پر ترجیح دیتے ہیں۔

پھر انہوں نے علمار حق کی دو خصوصیات بیان کیں۔

- علمار حق مالی لحاظ سے کسی کے دستِ نگر ہونا پسند نہیں کرتے۔ وہ بھوکے رہتے ہیں لیکن کسی جابر اور ظالم حکومت سے کبھی تنخواہ نہیں لیتے۔
- وہ ہمیشہ اسلام کا حقیقی چہرہ عوام کو دکھاتے ہیں اور فرقہ بندی کی تاویلات اور تحریفات سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ استبداد سے آزادی اور انقلاب اسلامی کی یہ تحریک ۱۳۴۱ھ میں شروع ہوئی تھی جب پہلی بار امام خمینی اور ان کے رفقاء کو جیل بھیجا گیا تھا۔ پھر انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کی جلاوطنی کا سبب قوم اور اسلام کی آزادی کی جدوجہد امریکہ اور اسرائیل کی مخالفت اور ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمہ کا مطالبہ تھا۔ انہوں نے کہا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنا عبادت ہے۔ یہ ہمارا عبادت کا وسیع تصوّر ہے جو اسلام نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہمارا انقلاب مادی نہیں الٰہی، روحانی اور اسلامی ہے۔ سیاست مذہب کے تابع ہے۔ مذہب سیاست کے تابع نہیں ہے۔ ہم پہلے مذہبی ہیں بعد میں سیاستدان، اس لیے سیاسی مصلحت کے مقابلے میں ہمارے لیے اسلام کا اصول زیادہ قیمتی ہے۔

انہوں نے کہا۔ ہمارا انقلاب بغاوت نہیں اسلامی اور توحیدی انقلاب ہے اور ہمارا حکمران سلطان نہیں امام ہے۔ امام حکمِ خدا و رسول کا تابع ہوتا ہے اور سلطان اپنے مفادات اور مصالح سیاست کا تابع ہوتا ہے۔ ہم دنیا کی تمام مظلوم قوموں اور اسلامی تحریکوں کے حامی اور خادم ہیں اور ظالموں اور جباروں کے دشمن ہیں۔ ہم مسلمانوں کے اتحاد کے علمبردار ہیں اور تمام مسلمانوں کو ایک ملت اور ایک اُمت سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو اپنی مجلسِ شوریٰ میں اعلان کیا تھا کہ اگر تمام مسلمان ممالک ایک ایک ڈویژن فوج ہمیں دیں تو ایران اگلے موروچوں پر جا کر اسرائیل کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ مسلمانوں کو باہمی لڑنے کی بجائے سب کو مل کر اسرائیل کے خلاف لڑنا چاہیئے۔ افسوس کہ جو فوج اسرائیل کے خلاف لڑنی چاہیئے تھی، سامراجی قوتوں نے ان فوجوں کو آپس میں لڑا دیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک ایجنٹ ملک کو ایران پر حملہ آور کروا کر اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے۔ ہم سب کو اسلام کے دشمنوں کیخلاف متحد ہو جانا چاہیئے ــــ یہ تقریر تھی اور اسی نوعیت کی بے شمار تقاریر ہم مختلف جلسوں میں سُنتے رہے۔

ایک بورڈ بڑے چوراہے پر لگا ہوا تھا۔

" وہ قوم جو اللہ کے قوانین کے اجراء اور مظلوموں کی دستگیری کے لیے اُٹھ کھڑی ہو، اسے اللہ قادرِ مطلق کی مکمل پُشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔"

یہ حقیقت ایسی ہے جو دَورِ اوّل کے مسلمانوں پر سو فیصد صادق آئی تھی آج بھی اگر کوئی مسلمان قوم اس حقیقت کی علمبردار بن جائے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت ترقی اور عالمگیر غلبہ سے روک نہیں سکتی۔

ایک اور جگہ لائبریری امام رضا میں یہ چارٹ لگا ہوا تھا۔

" ہمارا راستہ تیل کا راستہ نہیں ہے۔ یہ ہمارا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا

اصل مسئلہ صرف اسلام ہے۔ اسلام نافذ ہو جائے تو تیل اپنا ہی ہے۔ ہم نفاذِ اسلام کو ہی سارے مسائل کا حل کہتے ہیں۔"

ایک جلسہ میں ایک مقرر نے کہا کہ:

"ہمارے جو دو منصوبے ہیں۔ ایک قلیل المیعاد اور دوسرا طویل المیعاد۔ قلیل المیعاد منصوبہ یہ ہے کہ ہم اپنی قوم میں یہ شناخت پیدا کریں کہ خدا کا راستہ کونسا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اسلامی جمہوریت، تو یہ آپ کا راستہ ہے اور اگر کوئی شخص صرف جمہوریت کہے تو یہ ہمارا راستہ نہیں ہے۔"

ہمارا طویل المیعاد منصوبہ یہ ہے کہ ہماری مستورات بچوں کو مہذب اور اسلامی بنائیں۔ مستقبل کے لیے ہمارے ملک کو ایسے ہی انسانوں کی ضرورت ہے۔ ہماری اولادوں کو اسلام اور ایمان کے ساتھ اٹھنا چاہیئے۔ اسی میں ملک کا مستقبل محفوظ ہے۔"

ایک اجلاس میں گورنر خراسان نے شرکت کی۔ وہ عام آدمیوں کی طرح سب کے درمیان پھرتے رہے۔ کوئی ہٹو بچو کی کیفیت نہ تھی۔ انہوں نے بھی حاضرین کو دینی علم و عمل کے اہتمام کی تلقین کی اور مہمانوں کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔

شہر کے متعدد علماءِ کرام کے جلسوں میں ہم نے شرکت کی۔ سب اسلامی نظام کے نفاذ اور دین کے لیے مر مٹنے کی باتیں کرتے تھے۔

چنانچہ سہ پہر کو بھی ایک جلسۂ عام تھا جس میں نعرے لگ رہے تھے:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر!

محمدؐ رہبر کا خمینی قائد کا!

مسلمان بیدار۔ ملت ہوشیار۔

لاشرقیہ۔ لاغربیہ۔ ثورہ ثورہ اسلامیہ۔

پورا شہر اُمڈ کر امام علی رضاؑ کے مقبرے کے سامنے وسیع و عریض جنگلے والے

میدان کے باہر کھڑا تھا۔ بہت پُرجوش تقاریر ہوئیں۔ اُس وسیع میدان کا نام صحنِ انقلاب ہے۔ یہاں عوام اور ساواک میں جنگیں ہوئیں اور خون بہا۔ یہ مشہد امام رضاؑ کا مشہد بھی ہے اور تحریکِ اسلامی کے انقلابی نوجوانوں کا مشہد بھی۔

امام رضا کا روضہ بڑا مزین ہے۔ ہم نے وہاں جاکر فاتحہ پڑھی تھی تو متعدد آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ جس انقلاب کے لیے امام رضاؑ دوسری صدی ہجری میں جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ وہ انقلاب چودھویں صدی کے آخری دہے میں آگیا تھا اور اُن کے شہر نے انقلابی جدوجہد میں پُورا پُورا حصہ ادا کیا تھا۔

تحریکِ حرّیت اور بادشاہ کے مظالم کی فلم بھی ہم نے اسی مشہد کے ایک حال میں دیکھی۔ ایک عظیم الشان لائبریری دیکھی جس کے اندر قرآن کے قدیم ترین نسخے بھی موجود تھے۔ لکڑی کھود کر لکھا ہوا قرآن بھی تھا۔ ایک پُورا کمرہ صرف سیرتِ رسولِ اکرمؐ کی کتب پر مشتمل موجود تھا۔ میوزم میں بہت سی نایاب چیزوں میں حضرت علیؓ کی بناوٹی تصویر بھی دیکھی۔ لائبریری کی ایک دیوار پر علم وفکر کے اس ماحول میں حضرت امام علی رضا کا یہ قول دل کو بہت پسند آیا:

عبادت زیادہ روزہ گرفتن ونماز خواندن نیست
عبادت زیادہ اندیشہ کردن در امرِ خدا ہست

رات ہمیں جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا اس کی یہ ادا بہت پسند آئی کہ ہر کمرے میں قبلے کے رُخ نماز کا مصلّٰی، قرآنِ مجید کا نسخہ اور چند دینی کتب رکھی ہوئی تھیں۔

مختلف مجالس سے واپسی پر بازار میں ایک بڑے سے ہال پر خیابانِ فردوسی بھی لکھا ہوا دیکھا تو شاہنامۂ فردوسی کے حوالے سے خواب وخیال کی کتنی ہی باتیں ذہن کے پردے پر فلم کی طرح گزر گئیں۔ پھر ہم بہشتِ رضا پہنچے۔ برف تاحدِ نظر سفید چادر بچھائے ہوئے تھی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ قبرستان میں شہداء کی قبروں کے احترام سے

قدم نہ اُٹھتا تھا اور سامنے ہمارے پاسدارانِ انقلاب میں سے ایک آیت اللہ عربی زبان میں ، مشین گن ہاتھ میں اٹھائے ، پُرجوش انداز میں تقریر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے شہدار کے خون کو رائیگاں نہ جانے دیں گے ، ہم ہر اُس قوت سے لڑیں گے جو ایران کے اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی ۔ کیا خوب مجاہد ہیں اور کیا خوب یہ انقلابی لوگ ہیں !

بر آں گروہے کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند (نظیریؔ)

رُخصت ہوتے ہوئے بلدیہ کی طرف سے ایک عظیم الشان دعوت دی گئی اور خطِ کوُفی میں قرآن مجید کے نسخے بھی تمام مہمانوں میں تقسیم کیے گئے ۔ واقعی وہ آرٹ کا ایک نادر نمونہ تھے ۔ انہیں پروگراموں کے دوران میں مسٹر فرہاد اور مسٹر امان اللہ ہمیں افغان مجاہدین کے نمائندے ملے جو ہمارے ساتھ ہی سفر کر رہے تھے ۔ انہیں حکومتِ ایران نے شہروں میں مناسب کیمپ دے رکھے تھے اور افغان مہاجرین کو شہروں میں محنت مزدُوری کرنے کی بھی اجازت دے رکھی تھی ۔ ہم نے جو حالات ان سے سُنے ہمیں اس میں اطمینان کی صورت ہی نظر آئی ۔

امام رضاؑ کے روضے کے احاطے میں ہم نے امام رضا لائبریری کا خوب معائنہ کیا اور اس خوبصورت اور مزین لائبریری سے ہم بہت مستفید ہوئے ۔ یہاں ہم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، سید قطب ، حسن البنا شہید اور علامہ اقبالؒ کی کتب مختلف اسٹالوں پر برائے فروخت پڑی ہوئی دیکھیں اور ہمارے بعض احباب نے خریدیں ۔

اسی لائبریری سے ملحقہ عظیم الشان گراؤنڈ میں خواتین یونیورسٹی کی تعمیر کی جا رہی ہے جس میں خواتین کے لیے تمام ضروری علوم کی جداگانہ تعلیم کا انتظام

ہو گا۔

شام کو ہماری بسیں ائر پورٹ کے لیے روانہ ہوگئیں جہاں ہمارے جہاز تیار کھڑے تھے۔ جب ہم تہران پہنچے تو دو دن کے بھاری بھر کم پروگرام نے خستہ کر رکھا تھا۔ عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد ہم جلد ہی سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

maablib.org

تہران کے گلی کوچے

۱۴ فروری کا دن ہمارے لیے امام خمینی سے ملاقات اور تہران شہر کی سیر و تفریح اور شاپنگ کا دن تھا۔

ہم سب مہمان امام خمینی سے ملاقات کے لیے ناشتہ کے بعد ہی روانہ ہو گئے۔ امام خمینی تہران کے ایک قدیم علاقے جمارات میں رہتے ہیں اور ان کا رہائشی مکان بھی پرانا اور متوسط درجے کا ہے۔ یہ مکان نہ کوئی محل ہے اور نہ کوٹھی ہے بلکہ ایک قدیم طرز کا متوسط مکان ہے۔

ہماری بسیں کئی غلام گردشوں سے گزرتی اور متعدد سڑکوں کو دائیں بائیں کاٹتی ہوئی اُس علاقے میں پہنچیں۔ یوں تو سارے شہر تہران کے در و دیوار پر اقوالِ امام خمینی، اسلامی نظام کے مختلف نعرے اور آیات و احادیث درج نظر آتی ہیں لیکن اس علاقے میں ان چیزوں کی مزید کثرت تھی۔ جب ہم امام خمینی کی رہائش گاہ کے پاس پہنچے تو پاسدارانِ انقلاب کی ایک چوکی پر ہم سے ہینڈ بیگ، قلم، گھڑیاں اور دوسرا فالتو سامان جمع کرا لیا گیا۔ یہ ان حفاظتی انتظامات کا حصہ تھا جن میں سے امام خمینی سے ملاقات کرنے والوں کو گزرنا پڑتا ہے۔ مجاہدین خلق، سوشلسٹ دہشت پسند، کمیونسٹ تودہ پارٹی اور غیر ملکی سازشی عناصر کی مسلسل ریشہ دوانیوں سے بچانا بھی ضروری ہے۔ قوم کے پاس ایک ایسا قیمتی

انسان موجود ہے جس کے بل بوتے پر انقلاب کی کامیاب پیش رفت جاری ہے۔ دشمنوں کی نگاہیں اسی ایک مردِ خدا پر مرکوز ہیں۔ اگر اسے بھی دشمن نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر وہ پورے انقلاب کو سب سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لیے ایسے حالات میں ایسے انتظامات نہ غیر عقلی تھے اور نہ غیر فطری بلکہ ضروری تھے، جو لوگ بھی دشمنوں کے ہجوم میں ان کے عزائم کے علی الرغم ایسے عظیم کارنامے سرانجام دیتے ہیں انہیں کارنامہ کے مؤثر استحکام تک یونہی گلی کوچوں میں عوامی مظاہروں کے درمیان سستی عوامی قیادت کا مظاہرہ کرنے کے لیے عالمی دشمنوں کا آسان شکار بننے دینا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ ہمارے اوّلین دور میں چار میں سے تین خلفائے راشدین شہید ہو چکے ہیں۔ اب تحفظ کا اہتمام ضروری ہے۔ دورِ جدید کے اسلحہ سے لیس دشمنوں کے مقابلے میں قائدِ انقلاب کا احتیاط نہ کرنا بہادری نہیں حماقت اور جرات نہیں دشمنوں سے معاونت کے مترادف شمار کیا جائے گا۔ جب کہ دشمن ایسی کارروائیاں بڑے پیمانے پر ملک میں کرتے چلے آرہے ہیں اور عالمی طاقتوں کے ایجنٹ ہر جگہ سرگرمِ عمل ہیں، جو تخریب کاری میں ماہر ہیں۔

چنانچہ ہم نے ان انتظامات کو ناگوار محسوس نہیں کیا اور نہ ہی اسے عوامی مقبولیت کے منافی قرار دیا۔ ان پُر آشوب حالات کی یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ جو لوگ انقلاب لاتے ہیں انہیں خود بھی انقلاب کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

جب ہم امام خمینی کی قیام گاہ کے صدر دروازے سے گزرے تو ایک قدیم وضع کا بڑا سا ہال سامنے تھا جس میں سامنے ایک گیلری تھی،

اور اس پہ ایک لاؤڈ سپیکر نصب تھا۔ وہاں ایک کرسی بھی بچھی ہوئی تھی۔ بظاہر اس جگہ امام خمینی نے آکر حاضرین سے خطاب کرنا تھا۔ ہم سب ہال میں دریوں پہ بیٹھ گئے۔ افریقی ممالک سے آتے ہوئے مندوبین بہت پُر جوش تھے وہ زور زور سے نعرے لگا رہے تھے اور پورا ہال نعروں سے گونج رہا تھا۔

میں مجمع میں ایک کونے میں بیٹھا ہال کا چاروں طرف سے جائزہ لے رہا تھا۔ دیواروں پہ خوبصورت قرآنی آیات کے بینرز آویزاں تھے۔ ایک طرف ایک طویل بینر تھا جس میں خون کا ایک وسیع و عریض سمندر دکھایا گیا تھا، جس میں سے جا بجا انسانی ہاتھ مٹھیاں بھینچی ہوئی بلند ہو رہے تھے۔ یہ خون کے سمندر سے گزر کر اپنے انقلاب کی حفاظت اور اپنے دین کی سربلندی کے لیے عزم کے اظہار کے سمبل تھے۔ مجھے یہ بینر بہت پسند آیا۔ بہت ہی خوب آئیڈیا تھا۔ میں کافی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا۔ مجھے ایران کے اسلامی انقلاب کی ساری جد و جہد کی تاریخ اس ایک بینر میں مرکوز نظر آ رہی تھی۔

اور پھر یکا یک گیلری کا دروازہ کھلا اور دو علماء کرام کے ساتھ امام خمینی نمودار ہوئے۔ انہوں نے سب حاضرین کو ہاتھ اُٹھا کر اور ہلا کر سلام کیا۔ اور پھر کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔ سیاہ پگڑی کے ساتھ ایک طویل سیاہ جبہ ان کا لباس تھا۔

حاضرین کی طرف سے نعرے کافی دیر تک گونجتے رہے اور امام خمینی چپ چاپ بیٹھے ہجوم کی طرف پُر سکون نظروں سے دیکھتے رہے۔ میں ان کے پُر سکون چہرے کو دیکھ رہا تھا، جس پر اضطراب کی کوئی علامت موجود نہ تھی۔ اُن کی آنکھیں یوں تھیں جیسے شاہین کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ گہرائی میں اُترتی ہوئی

اور انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہوتی ہوئی آنکھیں۔ ان آنکھوں میں بڑا طلسم ہے، بڑا جادو ہے، بڑی گہرائی ہے۔ انسان یوں محسوس کرتا ہے، جیسے وہ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ ان کا پُرعزم دہانہ اور ان کی ناقابلِ تسخیر آنکھیں اور کھلی پیشانی پر ناقابل مصالحت ارادے کی لکیریں۔ بلاشبہ امام خمینی ایک مسحور کُن شخصیت ہیں۔ اور انہیں ان کے ارادوں اور عزائم سے باز رکھنا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہے۔

ان کے دائیں بائیں علماء کا ہجوم ہے اور علماء ہی ان کے اعتماد کا سب سے بڑا گروہ ہیں۔

کافی دیر بعد جب نعروں کا زور کم ہوا تو مائیک امام خمینی کے سامنے نصب کر دیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ سادہ اور عام فہم فارسی میں وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے اپنے چار سو مہمانوں سے مخاطب تھے۔ انہوں نے سب مہمانوں کو تہہ دل سے خوش آمدید کہا اور کہا کہ آپ ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو تاریخ میں عرصہ دراز تک بادشاہوں کے ظلم و ستم کا نشانہ رہا ہے۔ یہاں کے عوام چاہتے ہیں کہ اس ملک میں صرف اسلام کی حکمرانی ہو۔ اسی جرم کی پاداش میں براہ راست یا بالواسطہ ہم بڑی طاقتوں کی جارحیت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں —— برادرانِ محترم، میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں —— ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم ساری دُنیا پر عدلِ الٰہی کے قیام کی تمنا رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اسلامی ممالک سے بے دین اغیار کے خیانت کار ہاتھ دور رہیں۔ ہمارا ملک جس کا بجز اللہ تبارک تعالیٰ کے کوئی پرسانِ حال نہیں، ان سب کی جارحیت کا مسلسل نشانہ بنا ہوا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اسلام جیسے کمزوروں اور مظلوموں کے پشت پناہ دین کو لے کر اُٹھیں اور کمزوروں

اور مظلوموں کی مدد کریں۔ ادیب، شاعر اور مقرر حضرات خدا کی اس امانت کو تبلیغِ دین کے لیے کام میں لائیں اور اسلامی انقلاب کے لیے جد وجہد کریں اگر کہیں حالات مشکل ہوں تو لکھ جائیں تاکہ آئندہ نسلوں کے کام آئیں۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مال کو کفار لوٹ کھسوٹ کر لے جا رہے ہیں اور ان کے وسائل پر قابض ہیں جب کہ مسلمان عوام فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ کفار قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر مسلمان ملک اپنے عوام کی فوج تیار کریں۔ اسلامی اور توحیدی فوج جو کہ لڑنے کی فوج نہیں عوام کی تربیت یافتہ فوج ہو۔ ہر مسلمان قوم مجاہد قوم بن جائے۔ پھر کوئی ان کو جبراً زیر نہیں کر سکے گا۔ یہاں ہم نے صفر سے کام کا آغاز کیا تھا۔ اب آپ یہاں چل پھر کر دیکھیں کہ ہم نے چار سال میں ایک خود کفیل ملک کی طرح ہر چیز حاصل کر لی ہے۔ جب کہ ان چار سالوں میں ایک دن کے لیے بھی ہمیں ان بڑی طاقتوں کے عتاب سے نجات نہیں ملی ہے لیکن ہم صرف خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کی طاقت کو باثر سمجھتے ہیں۔ ہم جس انسانِ کامل کے اُمتی ہیں اس نے یکہ و تنہا جو کفار کی نظر میں کمزور اور بے یار و مددگار تھا، اُٹھ کر ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کیا تھا کہ پھر ساری دُنیا اسی انقلاب کے زیرِ دامان آگئی۔ خدا پر ایمان رکھنے والے مومنین بے سروسامان اور کم تعداد سے کبھی نہیں گھبرائے۔ جو شخص خدا کا کام کرتا ہے خدا اُسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

انہوں نے کہا کافر طاقتیں چاہتی ہیں کہ مسلمان عوام نوافیمی اور چرسی بنے رہیں اور وہ ان کے وسائل پر قابض رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا ہے اور ہمارے نوجوانوں کو اسلام کا شیدائی اور جان نثار بنا دیا ہے۔ ہم نے اپنے جوانوں اور بزرگوں کی قربانیاں دے کر اسلام کو پا لیا ہے۔ اسلام

ہیں ہمارے لیے سب کچھ ہے اور ہم اس کے لیے ہی اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے اپنا سب کچھ اسلام پر لگا دیا۔ امام حسینؑ نے اسلام پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ہم بھی اسی پیغمبر کے پیروکار ہیں ۔ ہمیں بھی اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔ باہر سے کوئی نہیں آئے گا جو ان کے مسائل حل کرے۔ مسلمان خود اُٹھیں گے تو اُن کے راستے خود بخود صاف ہوتے چلے جائیں گے۔ ہم آپ کو بیان نہیں کر سکتے کہ کس کس طرح ہمارے خدا نے ہماری مدد کی ہے۔ یہ چیزیں تاریخ میں لکھی نہیں جا سکتیں۔ یہ قلبی واردات ہیں اور سینوں ہی میں محفوظ رہ سکتی ہیں۔

انہوں نے کہا "میں آپ سے کہنا ہوں کہ یہ اقوامِ متحدہ، حقوقِ انسانی، جنرل اسمبلی سیکورٹی کونسل یہ سب بڑی بڑی کفار اور جابر طاقتوں کے نمائندہ ادارے ہیں۔ ان سے کسی مظلوم کے حق میں اور مسلمان کے حق میں کبھی آواز نہیں اُٹھ سکتی، ان پر کبھی اعتماد نہ کیجیے۔ یہ ہماری خبریں ہمارے دشمنوں سے لیتے ہیں یا خود گھڑ لیتے ہیں اور پھر خود ہی اپنی گھڑی ہوئی خبروں کی بنا پر ہماری مذمت کرتے ہیں، خود ساختہ باتیں، خود ساختہ انٹرویو بنا بنا کر ہمارے خلاف نشر کرتے رہتے ہیں، لیکن جھوٹ کو کبھی پائیداری نہیں ہوتی۔

انہوں نے کہا "میری اپنے مہمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس مُلک میں چلیں پھریں، خود اپنی آنکھوں سے حالات کو دیکھیں، بازار، محلے، جیل خانے دیکھیں پھر یہاں کے حالات جا کر اپنے احباب کو سنائیں کہ یہاں عوام کو کس قدر آزادی ہے۔ یہاں بچوں کو مارا نہیں جاتا۔ قید خانوں میں اذیتیں نہیں دی جاتیں۔ ہم نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہمارے ہاں سب کو آزادی ہے۔ میرے بھائیو ! آپ بھی مبلغ اسلام بن جائیں، مبلغینِ کفر و ظلم کے مقابلے میں مبلغ اسلام بن

جائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو"

تقریر کے خاتمے پر امام خمینی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب کو الوداعی سلام کیا اور جس دروازے سے آئے تھے اُسی راستے گیلری سے باہر چلے گئے۔ تمام مہمانوں نے گیٹ کی چوکی پر دی ہوئی اپنی چیزیں واپس لیں اور دوپہر تک واپس ہوٹل آزادی پہنچ گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تہران میں سیر و تفریح کا پروگرام تھا۔

دوپہر کے بعد ہم سب بسوں کے ذریعے پاسدارانِ انقلاب کی رفاقت میں تہران کی سیر اور شاپنگ کے لیے گئے۔ جو پاسداران ہمارے ہوٹل میں گائیڈ کا کام کر رہے تھے وہی ہمارے ساتھ گروپوں کی صورت میں شہر میں بھی گائیڈ تھے۔ ہم سب ایک بڑے چوک میں جا ٹھہرے۔ ظہر کی نماز کے لیے مختلف مساجد میں مختلف گروپ اپنے اپنے طور پر چلے گئے۔ مساجد میں نمازیوں کا ہجوم تھا اور کسی فقہی امتیاز کے بغیر لوگ اپنے اپنے انداز میں مساجد میں باجماعت نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم جس مسجد میں گئے وہاں نماز ہو چکی تھی۔ چنانچہ جو چند نمازی اور ہمارے ساتھی موجود تھے، انہیں میں نے ہی جماعت کروائی اور میرے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں شیعہ سنی سبھی افراد موجود تھے۔

ہمارا خیال تھا کہ مشرق وسطیٰ کے بازاروں کی طرح یہاں بھی غیر ملکی اشیاء کی خوب بھرمار ہو گی لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تہران کے بازاروں میں کوئی غیر ملکی شے موجود نہیں تھی۔ ہم نے جوہری، جنرل اسٹور، کتابوں اور پلاسٹک کے سامان کے بازار دیکھے۔ ان بازاروں میں تمام چیزیں ایرانی ساخت کی تھیں۔ پاسدارانِ انقلاب نے مغربی ممالک کے اقتصادی بائیکاٹ کو اپنے ملک کے لیے رحمت قرار دیا کہ اس کے نتیجے میں پوری مارکیٹ سے

غیر ملکی مصنوعات غائب ہوگئیں تھیں۔ بائیکاٹ کے بعد نوجوان ایرانی انجنیئر، سائنس دان، صنعت کار، ماہرین معاشیات اور کاریگر سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے تمام صنعتوں کی منصوبہ بندی از سر نو کر کے مختلف صنعتوں کا آغاز کر دیا تھا۔ چنانچہ چار سال کے عرصے میں تمام ضروری صنعتیں اپنی ابتدائی صورت میں لگ گئی تھیں اور اب ان میں ترقی اور ہنرمندی بھی پیدا ہو رہی تھی۔

ہمیں بتایا گیا کہ بہت سا دفاعی سامان بھی ایرانی کاریگروں اور سائنسدانوں کے ذریعے تیار ہونے لگا تھا۔ راڈار تک نہایت اعلیٰ قسم کے ایران میں تیار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ یہی حال گولہ بارود اور دیگر سامانِ حرب کا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے زیر سایہ ایرانی صنعت خود کفالتی اور مہارت کی طرف رواں دواں ہے اور ایک دن جلد ایسا آئے گا جب ایران والوں کو اپنی ہر چیز ایران کی ساختہ دستیاب ہونے لگے گی اور پھر ملک ایرانی مصنوعات کو برآمد کرنے کی پوزیشن میں بھی جائے گا۔

مجھے کتابوں کے بازار کی تلاش تھی۔ میں ڈاکٹر علی شریعتی کی تمام تصانیف کا متلاشی تھا اور خدا کا شکر ہے کہ ان کی بیشتر کتب متفرق طور پر ہمیں مل گئیں۔ البتہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے عظیم مفکر اور مصنف کی تصانیف کے عمدہ سیٹ کثرت سے جا بجا بک ڈپوؤں پر ملنے چاہئیں۔ اربابِ انقلاب کو اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اشیاء خوردنی بھی جنگ کے باوجود ہر قسم کی ہر جگہ موجود تھیں۔ چینی متعدد اقسام کی بازار میں ٹھیلوں پر بک رہی تھی اور اس کی افراط تھی۔

تمام کاروبار اسی انداز میں چل رہے تھے جیسے اس مُلک اور اس کے عوام کا کسی جنگ سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ گرانی بھی متوسط درجے کی ہے ۔ اکثر اشیاء پاکستان کے نرخوں پہ ہی مل جاتی ہیں اور بعض چیزیں تو پاکستان سے بھی سستی ہیں مثلاً ہوزری کا سامان، پلاسٹک، فروٹ، میوہ جات وغیرہ۔

بازاروں میں عورتوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہے ۔ یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ خواتین خرید و فروخت کرتی نظر نہیں آتیں ۔ کم از کم جن علاقوں میں ہم گھومے پھرے اُن میں خواتین کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی ۔ کوئی اکا دکا جو کوئی خاتون آتی جاتی نظر آئی وہ پورے باپردہ لباس میں تھی ۔ وہ بھی مردوں کے درمیان میں سے گذرنے کے بجائے رسولؐ اکرم کی حدیث کے مطابق کنارے کنارے دیواروں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی ۔ شرعی حجاب اور نظر نیچی کے ساتھ کوئی کوئی عورت گذرتی ہوئی ہم نے دیکھی ۔ عورتوں کا ہجوم جیسے لاہور اور کراچی کے بازاروں میں ہوتا ہے اس کا نام و نشان بھی تہران کے بازاروں میں دکھائی نہیں دیا ۔

پاسداران انقلاب نے بتایا کہ اس شہر تہران میں ایک لاکھ بہتر ہزار طوائفیں باقاعدہ رجسٹرڈ تھیں لیکن آج ان میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے ۔ حکومت نے ان کے نکاح اُنہیں کے گاہکوں کے ساتھ کر دیئے ہیں اور اب کوئی عورت پورے مُلک میں پیشہ ور طوائف نہیں ہے ۔

شیعہ سُنی فرقہ بندی کا تعصب جیسا کچھ ہم اپنے یہاں دیکھتے ہیں ایسا بے معنی تعصب ہمیں وہاں نظر نہیں آیا ۔ بیشتر آبادی شیعہ ہے اور ان میں سُنی اقلیت بھی ہے لیکن سب گھلے ملے ہوئے ہیں ۔ مساجد کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر گروہی کے بجائے اسلامی ہے کہ یہ سب اللہ کی مساجد ہیں ۔ ان کو

کسی فرقہ سے منسوب کرنا خلافِ روایتِ اسلامی ہے۔ ہر وہ مسجد، مسجدِ ضرار ہے جو اللہ کی مسجد نہیں کہلاتی، بلکہ کسی فرقہ کی مسجد کہلاتی ہے۔ یہ فرقے رسول اکرم کے زمانے میں نہیں تھے اس لیے اللہ کی مساجد کو فرقوں کے ناموں سے وابستہ کرنا درست نہیں ہے۔ چنانچہ وہ مساجد پر فرقوں کے لیبل لگانے کے ذہن کو روک رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ساری مساجد سارے مسلمانوں کی عبادت کے لیے ہوں جس مکتبِ فکر کے نمازی زیادہ ہوں اُس مکتبِ فکر کا امام نماز پڑھائے۔ اور دوسرے لوگ اپنے اپنے مکتبِ فکر کے طریقہ پر اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ چونکہ نماز تو سب نے اللہ کی پڑھنی ہے اور کوئی امام کسی نمازی کی نماز میں حائل نہیں ہوتا ہے۔

بازار سے ہم ایسے ہی تاثرات لے کر واپس سہ پہر کو ہوٹل آئے۔ اسی روز ایک سیمینار مجلس خبرگان کے سینٹ ہال میں ہو رہا تھا اور ہمارا ارادہ پختہ تھا کہ اس اجلاس میں ضرور شرکت کریں گے۔ چونکہ اس میں بہت سے اہم حضرات نے تقاریر کرنی تھیں۔ جن میں سے بعض انقلاب ایران کی ممتاز دانشور خواتین بھی شامل تھیں۔

ایران میں بعض خواتین مجلس خبرگان کی بھی ممبر ہیں اور وہ اپنے طور پر خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ایران میں تمام خواتین کو ہم نے یکساں لباس میں پایا، باپردہ چادر اور یکساں لباس۔ اس وقت وہاں بیرونِ در کاسمیٹک کا استعمال بالکل ختم ہو رہا ہے۔ سادہ لباس، سادہ زندگی اور سادہ اور شریفانہ چال ڈھال، اسلام کا شریفانہ اور بااخلاق رنگ زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے، خصوصاً خواتین میں حیرت انگیز تبدیلی ہے۔

بازاروں میں ہم نے کہیں گداگر بھی نہیں دیکھے۔ ہمارے ہاں جس طرح گداگروں کے لشکر آنے جانے والوں کا تعاقب کرتے ہیں یہ متوسط درجے کے رحم دل شرفا کے لیے مصیبت کا باعث بن گئے ہوتے ہیں ایسی حالت وہاں نہیں ہے۔ اس سارے دَورے میں مجھے کسی جگہ بھی کسی گداگر سے واسطہ نہیں پڑا۔ لوگ معمولی سا کام کر کے بھی گداگری سے پرہیز کرتے ہیں۔

شام کی مصروفیات میں ۵ بجے سے ۸ بجے تک مجلسِ خبرگان سینٹ ہال میں ایک سمپوزیم بھی منعقد ہو رہا تھا۔ جس میں مختلف موضوعات پر انقلابِ ایران کی قابلِ ذکر شخصیتوں کو خطاب کرنا تھا۔ اب تک کئی ایسی مجالس میں انقلابی کونسل کے ممبران بھی خطاب کر چکے تھے۔ اور ہم ان کی ولولہ انگیز پُرجوش تقاریر سے مستفید ہوتے تھے۔ بعض احباب کا خیال تھا کہ ایران میں اسلامی تحریک کا کردار اس قابل ہے کہ اس سے ہر جگہ کی اسلامی تحریکیں استفادہ کریں۔ جمود کو توڑنے، ہمت کو بڑھانے، نتیجہ خیز جدوجہد کرنے اور ایمان افروز نتائج پیدا کرنے کے لیے ایران کی تحریک کا کردار مثالی تھا۔ اس سے ہمیں تحریکی کام سیکھنا چاہیے۔

ہم اپنی نشستوں پر ہال میں بیٹھے تھے، چند تقاریر ہو چکی تھیں کہ ایک خاتون اسٹیج پر آئیں اور خطاب کرنے لگیں۔ یہ سر سے پیر تک چادر میں ملبوس ڈاکٹر فرشتہ ہاشمی تھیں۔ جو ہمارے سامنے معاشرے میں مسلمان خاتون کی مسئولیت کے تین دائرے بیان کر رہی تھیں۔

"پہلا دائرہ مسئولیت اس کی ذات ہے" انھوں نے اپنی آواز کو بلند اور اپنی دلیل کو مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ ذات کی مسئولیت میں اُنھوں نے اُس کی

علٰحدہ شخصیت، علٰحدہ پیدائش، خدا کے سامنے جواب دہی، شریعت کے احکام کی پابندی اور بہ حیثیت خدا کی باشعور مخلوق کے فرائض بندگی کی ادائیگی کا دائرہ بیان کیا۔ اور کہا کہ عورت یہ کہہ کر خدا کے ہاں نہیں چھوٹ جائے گی کہ میرا دین میرے بھائی، باپ یا شوہر سے پوچھو۔ اُسے اپنے دین کے بارے میں خود جوابدہی کرنی ہوگی۔

دوسرا دائرۂ مسئولیت اُس کا خاندان ہے اُنہوں نے دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خاندان کے اندر وہ بیٹی کی حیثیت میں، بہن، بیوی اور ماں کی حیثیت میں مختلف اوقات میں مختلف ذمے داریاں رکھتی ہے اور ان میں سے ہر ذمہ داری اُس کو خلق اور خدا کے سامنے مسئول بناتی ہے۔ اگر وہ انہیں ادا نہیں کرتی تو وہ خلق اور خدا دونوں کے سامنے مجرم بن کر رہ جائے گی۔

تیسرا دائرۂ مسئولیت اُس کی ملّت ہے۔ انہوں نے کہا۔

"ملّت کے اندر وہ ایک فرد ہے۔ ملّت کی ترقی اُس کی آزادی اور حرّیت، اُس کے مسائل و عقائد، اُس کی مخالف عناصر کے مقابلے میں جدوجہد، طاغوت کے مقابلے میں اُس کی استقامت، غرض یہ دائرہ بھی بے حد اہم ہے۔ اگر قوم کو کوئی افتاد پڑے اور عورت غیر جانبدار رہے تو آدھی قوم معطّل ہو جاتی ہے اُسے آگے بڑھ کر اپنے دائرے میں اپنے فرائضِ ملّی ادا کرنے ہوں گے۔

پھر انہوں نے ایران کی تحریک آزادی و حریّت اور انقلاب میں عورت کے کردار کی بے نظیر مثالیں پیش کیں۔ زخمیوں کو سنبھالنا، گھروں کی حفاظت کرنا، مجاہدین اور قیدیوں کے گھروں کی نگہداشت، تحریک کے ذمہ دار افراد کے لیے اہم اطلاعات کی فراہمی، تحریک کا بیرونی کارکنوں سے رابطہ، نشر و اشاعت، غرض

ایک مخصوص دائرے میں ایران کی عورت نے قربانی دینے کا حق ادا کر دیا، بلکہ ٹینکوں کے سامنے سر سے کفن باندھ کر اور بچوں کو گودوں میں لے کر کھڑے ہو جانے کے جرأت مندانہ کارنامے بھی عورت نے سرانجام دیئے اور اب کامیابی کے بعد وہ ایران کی ایک بیدار مغز شہری کی حیثیت سے سرگرم عمل ہے۔ اُس کا لباس سادہ اور باپردہ ہے اور وہ مردوں کے برابر اپنے دائرۂ مسئولیت کے کام سرانجام دینے میں مصروف ہے۔

ہم واپس آئے تو ڈاکٹر فرشتہ ہاشمی کی باتیں ہمارے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ درحقیقت عورت اگر کسی معاشرے میں اپنے دائرہ ہائے مسئولیت میں اتنی فعّال اور متحرک ہو جائے تو اس معاشرے میں تعمیری سرگرمیاں دوگنی اور فحاشی و بدکرداری کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ پاکستانی اسلام پسند خاتون ایران کی خاتون سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔

کھانے کے طویل و عریض ہال میں جہاں روزانہ چلو کباب اور اُبلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سلاد کا گھاس پات بھی کثرت سے ملتا تھا، ہم اسی موضوع پر بات کرتے رہے۔ جب ہم کھانا کھا کر جا رہے تھے، تو ایک کونے میں ڈاکٹر شاہین طباطبائی اور ماربرا صلاح الدین بھی باتیں کر رہی تھیں۔ یہ خواتین مہمانوں کی مدد، رہنمائی اور ایرانی انقلاب سے آگاہی کے لیے مقرر تھیں۔ میں نے ڈاکٹر شاہین سے کہا:

"مسٹر شاہین! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ لوگ پاکستان میں اسلامی تحریک کی خواتین کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے ہماری مدد کریں۔ اور ہمیں مشورے دیں"۔

لیکن ڈاکٹر شاہین طباطبائی سے پہلے نو مسلم امریکی خاتون ماربرا صلاح الدین بول پڑیں۔ کہنے لگیں: "مسٹر گیلانی! آپ ایک علمی آدمی ہیں۔ اور فیلڈ میں بھی آپ کا کافی تجربہ ہے۔ پاکستان کے لیے آپ خود ہی لائحہ عمل تجویز کریں۔"

"نہیں بہن! میری مراد باہمی معاملات کے طریقِ کار میں استفادے سے ہے۔ تجاویز میں ہم باہمی استفادہ کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"پہلے آپ اپنی خواتین کو باورچی خانے سے باہر تو نکالیں!" باربرا نے سنجیدگی سے کہا۔

"باورچی خانہ بھی اُس کے دائرۂ مسئولیت میں شامل ہے۔" میں نے کہا۔

"میری سسرال کراچی میں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ پاکستانی خاتون اس ماحول میں وہ فرائض ادا کرنے سے قاصر ہے جو اس وقت اُسے پاکستان میں میسر ہے!" باربرا صلاح الدین نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی سوچیں، ہم بھی جہاں ضرورت ہوگی، مشورہ دیں گے" ڈاکٹر شاہین طباطبائی نے کہا اور میں اُٹھ کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کمرۂ طعام سے باہر نکل آیا، جہاں لوگ تازہ آئے ہوئے اخبارات: لٹریچر، چارٹوں اور کارٹونوں کو سمیٹ رہے تھے۔ میں نے بھی بہت سے کتابچے حاصل کیے۔ بلاشبہ ایرانی اسلامی تحریک کے پاس بھی لٹریچر کثرت سے موجود ہے اور اعلیٰ پائے کے مصنفین بھی ہیں۔

ہم باہمی ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے چائے خانے کی طرف چلے گئے، جہاں مختلف میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ انقلابِ ایران، تعارف باہمی اور اپنی اپنی تحریکوں کی باتیں کر رہے تھے۔ وہاں ایک کتبہ مرکزِ نگاہ بنا ہوا تھا:

"ما بہ انقلاب ہم آہنگ و از ذاتِ خود بیگانہ ایم"

چائے خانے میں ہمیں ایک کونے میں گوجرانوالہ گروپ کے تمام رفقاء بیٹھے ہوئے نظر آگئے۔ یہ گروپ ہمارے ساتھیوں عبدالرزاق، محمد اشفاق، مجیب الرحمٰن محمد سعید بھٹی، پروفیسر بشیر احمد تمنا، حافظ رشید احمد اور ڈاکٹر توقیر احمد بھٹی، صاحبان پر مشتمل تھا جن کے وجود سے مہمانوں کے سارے گروہ میں بڑی ہمہ ہمی

تھی۔ یہ حضرات پاکستان کی اسلامی تحریک کے کارکن تھے۔ اور ایران کی اسلامی تحریک اور اس کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کے خصوصی چشم دید مطالعہ کے لیے اپنے خرچ پر ایران آئے تھے۔ ان کی تہران آمد پر یہاں کے منتظمین نے انہیں بھی اپنا مہمان بنا لیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا طرزِ عمل مخلصانہ تجسس اور کارکنانہ جوش وجذبہ پر مشتمل تھا۔ میں چونکہ دوسری بار گیا تھا اس لیے بہت سی باتیں میں جانتا تھا۔ مجھے تو زیادہ تر ان ترقیات کا اندازہ لگانا تھا جو اسلامی انقلابِ ایران کے زیرِ اثر یہاں ہو رہی تھیں اور انقلاب کا حقیقی رُخ اب کیا تھا، اسے متعین کرنا تھا۔ لیکن ہمارے یہ رفقاء پہلی بار آئے تھے اور ان میں بے تابی اور تجسس بہت زیادہ تھا۔ جن لوگوں نے اسلامی انقلاب کے لیے برس ہا برس جدوجہد کی ہو اور پھر انہیں خبر ملے کہ کہیں اور جگہ اسلامی انقلاب آ گیا ہے تو اُن کے بے لوث جوش وجذبہ کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا۔ وہ بڑی آرزو اور کوشش سے بے لاگ حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ بے لاگ کوشش اپنے خرچ پر چشم دید حالات کا جائزہ لینے سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ہمارے ساتھ جلسہ میں جانے کے بجائے وہ کسی دوسرے انتظام کے ساتھ جیلوں کے معائنے کی ٹیم میں چلے گئے تھے اور اب وہاں سے واپس آ کر اُسی کے تاثرات بیان کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ پیر صاحب دیول شریف بھی تھے، جو انقلابِ ایران کی ان تقریبات میں شرکت کے لیے آئے تھے اور پیر ہونے کے حوالے سے اس ہجومِ عاشقاں میں سخت تنہائی و پریشانی اور بے دست و پائی کے احساس سے دوچار تھے۔ میں نے ان رفقاء سے کہا کہ وہ پردیس میں پیر صاحب کی اس خصوصی پریشانی کو دُور کرنے میں ان سے

خادن کریں۔ اس لیے کہ اس سفر میں اُن کا کوئی مرید اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ سی سبب سے وہ پریشانی اور بے دست و پائی کا شکار رہتے۔ احباب گوجرانوالہ نے کمالِ فراخدلی سے ان کی یہ پریشانی دُور کر دی جس کے سبب پیر صاحب میرے بھی ممنون تھے اور مولانا مودودی کے بارے میں بھی اپنے دیرینہ مراسم، نماز جنازہ میں شرکت اور تعزیت کے لیے ان کے گھر پر حاضری کا تذکرہ کر رہے تھے۔

پیر صاحب بھی ایران کے ان حالات سے بہت متاثر تھے۔ وہ عالمی سطح پر ایک جمعیت اتحاد بین المسلمین بنانے کا ارادہ کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد اور یگانگت کو فروغ دیا جائے اور فرقہ بندی اور گروہ بندی کی باہمی منافرتیں ختم ہو جائیں۔ وہ ہر کسی کو اپنے اس خیال سے آگاہ کرتے اور اس میں شمولیت کی دعوت دیتے تھے۔ بہر حال پیر صاحب کے اندر ایران کی اس سرزمین میں پہنچ کر ایک نمایاں تغیر محسوس ہوتا تھا۔ یہاں آکر اُن میں بھی گروہی جذبات کے مقابلے میں اسلامی جذبات کی حرکت زیادہ دکھائی دیتی تھی۔

بعض لوگوں نے ذکر کیا کہ شیعہ حضرات رسول اکرم کے صحابہ کبار کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں تو پیر صاحب نے اس کی تردید کی اور کہا کہ ان میں اچھے لوگ ایسا نہیں کرتے اور بُرے لوگ کہاں نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ یہ "اہل محبت" لوگ ہیں اس لیے انہیں اس قدر سخت فقہی ترازو میں نہ تولنا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ جب یہ حضرات اسلام کے انقلاب کو مقامی سطح سے اُٹھا کر عالمی سطح کی طرف آئیں گے تو انہیں صدیوں کے اپنے بہت سے عقائد اور تنگ نظریوں پر بھی نظرثانی کرنا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ہر اسلامی

انقلاب کا سب سے پہلا مخاطب تو خود عالمِ اسلام ہے اور اُسے کافر کہہ کر مخاطب کرنے والا کوئی فرد اُن کے اندر اپنی دعوت کا نفوذ نہیں کر سکتا مریض سے تو حکیمانہ طرزِ عمل، مروت اور ہمدردی کا ہی ہوتا ہے۔

ہم بھی اُٹھ کر احباب گوجرانوالہ کے گوشۂ جوش دخروش میں جا بیٹھے۔ وہ لوگ کسی جیل کا معائنہ کر کے آئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ ہمیں جیل دیکھنے کا تجسس اس لیے بھی تھا کہ ہم نے بار بار یہ خبریں پڑھی تھیں کہ ایران میں مخالفین پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اور بے دریغ قتل و غارت ہو رہا ہے۔ جیلوں میں تعذیب خانے کھلے ہوتے ہیں، چنانچہ جیسے ہی ہمیں موقع ملا۔ ہم نے "جیل خانے" اور اُسے دیکھنے کو دوسرے پروگراموں کے مقابلے میں ترجیح دی۔

عبدالرزاق صاحب نے بتایا کہ جیل میں مردانہ حصہ علٰحدہ ہے اور زنانہ حصہ علٰحدہ ہے۔ جیل انتہائی صاف ستھرا ہے۔ ہمیں ڈیوڑھی کے آفس سے ہی بیج لگا دیئے گئے تھے اور پھر ہمیں ساری جیل کا خود چل پھر کر معائنہ کرایا گیا۔

جیل کے اندر کئی منزلہ عمارات پر مشتمل بلاک ہیں جن میں قیدیوں کے لیے رہائشی فلیٹ ہیں، جن میں فلش سسٹم ہے، بجلی ہے اور جیل ایرکنڈیشنڈ ہے۔ اندر مختلف نوعیت کے کارخانے ہیں، جن میں قیدی بامعاوضہ کام کرتے ہیں۔ ہمیں جیل میں پریس دکھایا گیا جو انتہائی اَپ ٹو ڈیٹ تھا اور اس میں سرکاری چیزیں چھپ رہی تھیں۔ مشینیں بالکل نئی اور کام کرنے والے انتہائی صاف ستھرے ماحول میں کام کر رہے تھے۔ مشینوں پر کام کرنے والوں کے بھی ہاتھ پاؤں کالے نہیں تھے۔ جیل میں ایک بینک بھی موجود ہے جس میں ہر قیدی

اپنا کھاتہ کھول کر اپنی رقم جمع کرا سکتا ہے اور اپنی کمائی کی رقم اپنے بال بچوں کو ارسال کر سکتا ہے۔ جیل کے پریس کا انچارج شاہ کے دور کا ایک وزیر تھا جسے عمر قید کی سزا ہوئی تھی۔ وہ محکمہ اطلاعات و نشریات کا وزیر تھا۔

جیل میں نماز کے لیے علیحدہ ایک وسیع ہال بنا ہوا تھا جس میں قیدی باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے بھی قیدیوں کے ساتھ عصر کی نماز باجماعت ادا کی۔ ہال کے ساتھ وضو خانوں کا انتہائی صاف ستھرا انتظام تھا۔ فلش سسٹم پر مشتمل ٹوائلٹ بنے ہوتے تھے۔ نماز کے وقت تمام مرد قیدی اور عورتیں قیدی علیحدہ علیحدہ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔ نماز کے بعد مسجد میں ہی جلسہ ہوا جس میں چند قیدیوں نے جن کے مقدمات زیر سماعت تھے، اپنے جرائم کا اعتراف کیا۔ اور عدالت کے فیصلے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

عبدالرزاق صاحب نے بتایا کہ ہم نے عورتوں کے قید خانے کا کارخانہ بھی دیکھا جہاں ٹیلرنگ فیکٹری تھی جس میں تمام عورتیں پردے کی چادریں سی رہی تھیں۔ بڑے بڑے تھان پڑے تھے جو مشین سے کٹ رہے تھے۔ اور پھر اعلیٰ درجے کی نئی مشینوں پر قیدی عورتیں چادریں سی رہی تھیں۔ یہ چادریں بازاروں میں فروخت ہوتی ہیں۔ چونکہ چادر بھی ایران میں ایک بہت بڑی صنعت ہے، جب کہ عورتوں کی پوری آبادی بلا امتیاز حجاب کا اہتمام کرتی ہے۔ اس لیے دوسرے لباس کے مقابلے میں چادر ملک کی ایک بہت بڑی صنعت بن گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ واپسی پر ہم قبرستان بہشت زہرہ بھی گئے جہاں محاذ جنگ سے مختلف شہدا کے جنازے آئے تھے۔ اور ان کے لواحقین نماز جنازہ کے بعد انہیں دفن کر رہے تھے۔ ان جنازوں پر ہم نے عورتوں کو رونے دھونے

کے بجائے فخر کرتے دیکھا کہ ان کے خاندان کا بھی ایک فرد درجہ شہادت پر فائز ہوگیا تھا۔ اُن کے ساتھ بچے بھی تھے۔ ہم نے پوچھا کہ آپ لوگ بچوں کو کیوں قبرستان میں لائے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم اُن کا موت سے خوف دُور کرنا اور راہ حق میں شہادت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم ان کو جنازوں میں شریک کرتے ہیں۔ بعض بچوں نے خود کہا کہ ہم بھی بڑے ہو کر اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔ اور شہادت کے درجے پر فائز ہوں گے۔

عبدالرزاق صاحب نے کہا کہ آپ کے دوست پاسدار سعید تہامی نے ہماری بہت مدد کی۔ یہ پاسدار سفرِ مشہد میں میرے ساتھ تھا اور چونکہ انگریزی جانتا تھا۔ اور امریکہ کی کسی یونیورسٹی سے انجینئرنگ بھی کیے ہوتے تھا، اس لیے معلومات حاصل کرنے میں ہمارے بہت کام آیا تھا۔

سعید تہامی نے ہی ہمیں بتایا کہ امام خمینی نے اعلان کیا ہے کہ اسلام کے غلبہ کے بعد اب تقیہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تقیہ کا عقیدہ تو اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کے ضعف کے دَور کی چیز ہوتا ہے لیکن جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے اور مسلمانوں کو احکامِ اسلامی اور حکومتِ اسلامی کا تحفظ اور پشت پناہی حاصل ہو جائے تو پھر کسی تقیہ کی حاجت نہیں رہتی۔ چنانچہ اب ایران کے مسلمانوں کا مسلک تقیہ نہیں بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے۔

بلدیہ تہران کی دعوت کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگا۔ جہاں اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں پر مذاکرہ بھی ہوا۔

مذاکرے میں مختلف مُلکوں سے آئے ہوئے اسلامی وفود نے اپنے اپنے مُلک میں اسلامی تحریکوں کے حالات بیان کئے اور مسلمانوں کے عالمی مسائل کے بارے میں تقریریں کیں۔ بلدیہ کی دعوت کا پروگرام اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ رئیسِ بلدیہ تہران نے مختصر اور جامع تقریر میں اس بات کا اعلان کیا کہ ابھی ہمارے ہاں قُم اور خرم

شہر ہی دو شہر ایسے ہیں جن کو مکمل اسلامی شہر کہا جا سکتا ہے اور جن میں شہری حقوق اور عملی حالات کا جامع مظاہرہ موجود ہے۔ باقی شہروں کو ہمیں ابھی مکمل اسلامی بنانا ہے، جن میں تہران بھی شامل ہے۔

انہوں نے اپنی تقریر میں اس امر کا انکشاف بھی کیا کہ جب تک ہم شہریوں کے حقوق میں پوری طرح مساوات قائم نہیں کر لیتے، تہران کے پس ماندہ جنوبی حصّے کی تعمیر و ترقی کے لیے بلدیہ کا ستر فی صد بجٹ وقف رہے گا۔ یہ دعوت بھی جوش و جذبے، معلومات اور رسالوں کے ذریعے تحریک کی تفہیم پر مشتمل عمدہ دعوت تھی۔ اور جب ہم رات گئے واپس ہوٹل آئے تو محسوس ہوتا تھا کہ ہم ایک نئی دنیا کے اندر چل پھر رہے ہیں۔

غیر ملکی ذرائع نشر و اشاعت کہتے ہیں کہ ایران میں تقسیم اختیارات کے اعتبار سے انارکی ہے اور ابھی تک نظم و نسق پر حکومت قابو نہیں پا سکی۔ ہمارا مشاہدہ اس کے برعکس تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہزاروں سال کی ملوکیت سے نجات پا کر قوم میں وارفتگی اور جوشِ حریت کی کیفیت تو ضرور موجود ہے لیکن نہ نظم و ضبط میں کمی ہے اور نہ انارکی ہے۔ انہوں نے جس حُسن و خوبی سے چار سو سے زائد مہمانوں اور اُن کے ساتھ استقبالیہ اسٹاف کا انتظام کیا اور دو ہفتے تک جس خوبصورتی سے سارے پروگرام بھرپور طریقے سے وقت کی پابندی کے ساتھ نبھائے اور حتی الوسع مطبوعہ پروگراموں اور اُن کے اوقات میں فرق نہ آنے دیا۔ یہ اُن کے نظم و ضبط کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ اب تک آٹھ انتخابات کرا چکے ہیں۔ جب کہ بعض مُلکوں میں انتخابات سے ہی انقلابات آ جاتے ہیں۔ اور نظم و ضبط تباہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کا ایران اپنے ہر دور کے مقابلے میں زیادہ منظم، مستعد، نظم و ضبط کا پابند اور سلامتی کا گہوارہ ہے۔ قوم زندہ اور بیدار ہے اور سارے فتنے اپنی موت مر گئے ہیں۔ بلاشبہ اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل بالفعل جاری ہے۔

شذرات

maablib.org

◎

۱ اسلامی نظامِ حیات اور مسلمان

اسلامی نظامِ حیات دنیا کی ضرورت ہے اور اسلامی نظامِ حیات کا نفاذ اسلامی انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔ ہر انقلاب قربانیاں طلب کرتا ہے اور کسی انقلاب کے لیے وہی لوگ قربانیاں دیا کرتے ہیں جو اس کے بنیادی نظریے سے اتفاق رکھتے ہوں۔ اس کی افادیت اور اہمیت سے بے خبر اور اس کی دنیوی ضرورت سے ناواقف لوگ اس کے لیے کیسے قربانیاں دے سکتے ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات جب بھی برپا ہوگا، مسلمانوں کی قربانیوں سے ہی برپا ہوگا۔ غیر مسلم دُنیا اُس کے لیے قربانیاں کیسے دے سکتی ہے۔

۲ اسلامی نظامِ حیات اور غیر مسلم

اسلامی نظامِ حیات کے بغیر دُنیا سخت مصائب اور بھیانک تباہیوں سے دوچار ہے۔ غیر اسلامی نظامِ حیات ایک ایسا غیر فطری طرزِ زندگی ہے جس میں انسان کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا۔ انسان کی فطرت میں تسلیم و رضا کا جذبہ صرف اپنے پیدا کرنے والے کے لیے ہے۔ پیدا کرنے والے نے جو اُس کی فطرت کے مطابق ڈھال کر اُسے نظام دیا ہے وہ اسلامی نظامِ حیات

ہی ہے۔ لیکن غیر مُسلم دُنیا بدقسمتی سے اِس حقیقت سے بے خبر ہے، جیسے کوئی پیاسا اپنی پیاس کو تو جانتا ہو، لیکن یہ نہ جانتا ہو کہ اس کی پیاس کا علاج پانی ہے۔ اور اگر کسی نے اُسے پانی سے بدگمان کر رکھا ہو کہ یہ تو درحقیقت زہر ہے تو پھر وہ اس پانی سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بھی آسانی سے تیار نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ لوگ جو پیاس کو پانی سے بجھانے کے داعی ہیں، پانی کی افادیت اور حقیقت سے پیاسوں کی ساری دُنیا کو آگاہ نہ کریں کہ پانی ہی پیاس کا واحد علاج ہے۔ یہی حال غیر مسلم دُنیا کا ہے۔ وہ اسلام سے بدگمان ہے اور شیطان نے اپنی ذرّیات کے ذریعے اسلام کے خلاف بدگمانیوں کے ہزارہا اوہام غیر مسلم دُنیا میں پھیلا رکھے ہیں۔ ان اوہام کو دُور کرنا بھی مسلم دُنیا کا ہی کام ہے۔ غیر مسلم دُنیا اسلام سے محروم ہو کر بلاشبہ شدید مصائب سے دوچار ہے، لیکن اُسے یہ ہرگز معلوم نہیں ہے کہ یہ مصائب ان کی اسلام سے دُوری اور باطل نظامِ حیات سے وابستگی کا نتیجہ ہیں۔ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اُن سے بھی زیادہ پراگندہ حالات سے دوچار اور ان کے دست نگر ہیں۔ اس لیے ایسے دستِ نگر لوگوں کے عقائد و نظریات کی فوقیت وہ کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلم دُنیا نے اپنی دست نگری اور پست ہمتی سے اپنی طرح اسلام کو بھی غیر مسلم دُنیا کی نظروں میں بے وقار اور غیر مؤثر بنا رکھا ہے۔

۳ اسلام کی تلاش

غیر مسلم دُنیا جن مصائب سے دوچار ہے ان میں باہمی قومی تصادم، مفادات کا ٹکراؤ، افادیت پرستی، خود غرضی، شدید مادہ پرستی۔ انسانوں کی بے قدری، خاندانوں کی شکست و ریخت، نئی نسلوں کی مایوسی اور آوارگی،

مشین کی خود سری اور بے مقصدیت سے بھرپور علم، سائنس کا آلۂ موت بن جانے کے حوادث شامل ہیں۔ ان کے بے خدا معاشروں میں کسی کے لیے بے روزگاری میں کوئی مؤثر سہارا نہیں ہے۔ طبقات میں شدید خود غرضی کا رجحان ہے۔ کمزور کا کوئی پشت پناہ نہیں ہے۔ حق صرف قوت کا نام ہے۔ قوت کے سوا حق کا نہ کوئی تصور ہے اور نہ کوئی محافظ ہے۔

۴ قومی ریاستیں۔ فساد کا جوالہ مکھی

قومی ریاستوں نے پوری انسانیت کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آدم کا خاندان علاقوں، نسلوں، رنگوں، زبانوں اور جغرافیائی حدبندیوں میں تقسیم ہو کر گویا ایک خاندان نہیں رہا ہے بلکہ متحارب جنگلی درندوں کا گلہ بن گیا ہے۔ قومی ریاستوں نے انسان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ دُنیا علاقوں میں تقسیم ہے۔ ایک دوسرے کے علاقوں میں داخلے کے لیے پاسپورٹ، ویزے اور طویل اجازت نامے درکار ہیں۔ ملکوں کی یہ حدبندیاں اگرچہ بڑی طاقتوں کی یلغار سے روز بدلتی رہتی ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں حدبندیوں کو ابن آدم کی شناخت کا نشان سمجھ لیا گیا ہے۔

قومی ریاستیں آپس میں مکر و فریب اور چالبازی، مفاد پرستی اور استحصال کے ناپاک اصولوں کی بنا پر تعلقات قائم کرتی ہیں۔ جن کا آخری نتیجہ تصادم ہوتا ہے۔ ان تصادمات نے سائنس کو انسان کشی کی کارگاہ بنا دیا ہے۔ ساری دُنیا خودکشی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ خودکشی کے اس دوراہے پر انسان کی کون دست گیری کر سکتا ہے۔ صرف اسلام! لیکن وہ اسلام کہاں ہے جو انسان کی دست گیری کر سکتا ہے۔ کیا مسلمان ریاستوں میں

میں وہ اسلام ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے موجود ہے جو ساری دُنیا کے دُکھوں کا مداوا بن سکتا ہے۔ وہ اسلام تو کہیں بھی نہیں ہے، اُسے پھر کون برپا کرے گا، اُسے پھر کہاں تلاش کیا جائے۔ ایک غیر مسلم کو نظامِ اسلامی کی تلاش ہے تو وہ کہاں جائے؟؟ کدھر جائے۔

۵ فرقے اور مسلمان

اسلامی تحریک ہی مسلم معاشرے کی سب سے قیمتی متاع ہے جو اسی لیے برپا ہوتی ہے کہ اسلام کو نظامِ حیات کی حیثیت سے سامنے لائے۔ فرقے تو اسلام کی مختلف فقہی تعبیریں ہیں اور جب وہ باہمی تصادم کرتے ہیں تو اسلام کا راستہ رُک جاتا ہے۔ اسلام کا راستہ کھولنے والی صرف اسلامی تحریک ہی ہوتی ہے، جو فقہ کے مختلف مکاتب فکر سے بلند ہو کر صرف قرآن و سُنت کو اپنی بنیادِ دعوت بناتی ہے۔

مسلمانوں کے اتحاد کے بغیر کوئی اسلامی نظام برپا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی وحدت کے بغیر نظامِ باطل کو شکست دے کر انسانیت کی فلاح کا راستہ نہیں کھولا جا سکتا۔ مسلمانوں کی وحدت ہی اسلام کی سربلندی کا واحد راستہ ہے۔ جس وحدت میں سب سے زیادہ مسلمانوں کے فرقے حائل ہیں۔ خارجی طور پر باطل طاغوتی قوتوں نے مسلمانوں کے معاشروں میں اپنے آہنی پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ ان کی معاشیات، سیاسیات، تعلیمات، سماجیات اور خارجی تعلقات کو وہ کنٹرول کرتی ہیں اور داخلی طور پر فرقے ہیں، جو مسلمانوں کو آپس میں پھاڑنے، کاٹنے، لڑاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اس امت کو ان فرقوں نے قیمہ قیمہ کر دیا ہے۔ حزب اللہ کا یہ گروہ جو دُنیا کی

قیادت کے لیے اٹھایا گیا تھا، فرقہ بندی کے سبب سرنگوں اور خوار و زبوں ہو کر رہ گیا ہے۔ دُنیا کی باطل قوتوں نے اسے اپنا اور باطل کا آلہ کار بنا دیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی ملک بھی اُن کے شکنجے سے آزاد نہیں ہے۔

۶ اتحاد اور وحدتِ ملّتِ اسلامیہ

ایران نے ہمّت کر کے فرقہ پرستی کا شکنجہ توڑ دیا ہے۔ اس نے لاشرقیہ لاغربیہ کا نعرہ لگا کر اسلامیہ اسلامیہ کا علم بلند کیا ہے۔ یہ ایک وحدت کی پکار اور نظامِ اسلامی کی حقانیت کی اذان ہے۔ لیکن پورے عالمِ اسلام میں یہ واحد اور تنہا آواز ہے جس پر طاغوتی قوتوں نے ہر چہار طرف سے یلغار کر رکھی ہے تاکہ اس آواز کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ اور مسلمان کی شبِ تاریک کی سحر نہ ہونے پائے۔ سب سے پہلے مسلمان ہی اس کی تباہی کے درپے ہیں۔ اور جو کام غیر مسلموں نے کرنا تھا اُسے خود مسلمان سرانجام دینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس لیے فی الحال کسی غیر مسلم قوت کو جارحیت کا الزام اپنے سر لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ روس نے افغانستان میں جارحیت کر کے افغان مجاہدین کے ہاتھوں جو مزہ چکھا ہے اور افغان مجاہدین نے روس کو جو ناکوں چنے چبوائے ہیں اس سبب سے بھی غیر مسلم قوتیں مسلم قوم کے خلاف براہ راست جارحیت سے کتراتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑوا کر ہی اپنا کام نکالنا چاہتی ہیں اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے مسلمان آسانی سے مل بھی جاتے ہیں۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ خدا کی توفیق و تائید کے بعد صرف اتحاد و وحدتِ ملّت میں پوشیدہ ہے۔ درحقیقت اتحاد اور وحدتِ ملّت کے

کے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ اتحاد ہی ہماری قوت اور اتحاد ہی ہمارا ہتھیار ہے۔ آج ایران بھی عالمِ اسلام کے اتحاد کا علمبردار ہے۔ وہ صیہونیت اور سامراجیت کے مقابلے میں عالمِ اسلام کا اتحاد چاہتا ہے اور جو شخص بھی مسلمانوں میں اتحاد کا علمبردار ہوگا اور اسلام کی دعوت لے کر اُٹھے گا وہی افتراق و تشدد کا سب سے بڑا نشانہ بھی بنے گا۔ یہ تو صدیوں سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اسی صورتِ حال میں ہمارے زوال و انحطاط کا راز پوشیدہ ہے۔

ہمارا مسلم معاشرہ مجموعی طور پر ہمیشہ اتحاد چاہتا ہے لیکن وہی معاشرہ گلی کوچوں میں، مساجد میں، کاروبار اور برادریوں کے اجتماعات میں، قومی ادارات اور سماجی تنظیمات میں ہر کہیں شدید انتشار کا شکار ہے اور باہمی دست و گریباں رہتا ہے۔ ہماری معاشیات میں طبقات ہیں۔ سیاسیات میں اجارہ داریاں ہیں۔ سماجیات میں اونچ نیچ اور برادریاں ہیں۔ اخلاقیات میں بے جڑ نگی زندگیاں ہیں۔ تنظیمات میں دھڑے بندیاں اور گروپ ہیں، مساجد میں فرقے اور کاروباروں میں رقابتیں ہیں، غرض انتشار پر ہم عمل پیرا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے ہاں اتحاد کا نعرہ ہمیشہ بلند ہوتا رہتا ہے مجموعی طور پر ہم ہمیشہ اتحاد چاہتے ہیں۔ اور متفرق طور پر ہم ہمیشہ دست و گریباں رہتے ہیں۔

۷ اتحادِ ملت کا واحد راستہ

ہمارے معاشرے میں اتحاد کی ضرورت کا احساس ہمیشہ رہا ہے۔ اس کے لیے کوششیں بھی بہت کی جاتی رہی ہیں۔ اور اس کی افادیت اور ضرورت

سے انکار بھی کسی نے آج تک نہیں کیا ہے لیکن یہ شے ہمارے ہاں ہمیشہ عنقا رہی ہے۔

بلاشبہ اتحاد ایک مطلوب شے ہے اس سے غالباً کسی کو اختلاف نہیں ہوگا لیکن یہ کیسے ہو؟ اور اگر ہو جائے تو کیا پھر یہ قائم بھی رہ سکتا ہے یہ وہ معاملہ ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک نے بڑی وضاحت سے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور تفرقہ نہ کریں۔ لیکن اس ہدایت پر شاید ہی مسلمانوں نے کبھی عمل کیا ہو، اس کی بے شمار وجوہ ہیں۔ اور جب تک ان تمام اسباب و علل کا تجزیہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھامنے کا کوئی طریقہ دریافت نہ کر لیا جائے اُس وقت تک اتحاد کی باتیں محض اختلاف میں اضافے کا باعث بنتی ہیں، اور مصنوعی طور پر جب لوگوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ پھر بکھر جاتے ہیں۔ اور بکھرنے کے الزامات ایک دوسرے پر لگا کر اپنے اختلافات میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں۔ میرے ناقص خیال میں آج بھی ہمارے موجودہ اختلافات کا بحر ہے کہ ان اتحاد ہی کی مختلف کوششوں کا نتیجہ ہے اور فرقوں کی کثرت مسلمانوں کو نئے نئے پلیٹ فارموں پر جمع کرنے کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔

یہ مسلمان قوم کچھ اُصولوں کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ وہ اُصول بہت ہی معروف اُصول ہیں اور دُنیا کی غیر مسلم اقوام بھی ان اُصولوں سے بڑی حد تک واقف ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان اُصولوں پر اعتقاد اور عمل میں کمزوری پیدا ہوتی چلی گئی۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ انحطاط ہوتا ہے اس سے کسی کو مفر نہیں ہے جو قومیں اُصول کی بنیاد پر بنتی ہیں وہ جب

انحطاط کا شکار ہوتی ہیں تو بالعموم اُصولوں کو نظر انداز کرنے اور فروعات میں انہماک کے سبب ہی انحطاط و خلفشار کا نشانہ بنتی ہیں - اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے اور اپنے تشخص کو قائم رکھنے کے لیے وہ اپنی تاریخی عظمت کا سہارا لیتی ہیں - اور یہ تاریخ اُن کے اندر اُمنگیں، آرزوئیں ماضی کی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کرتی ہے، اُن کے خون کو گرم رکھتی ہے اور وہ جدوجہد میں مصروف ہوجاتی ہیں - اُصولوں کی پابندی میں اگرچہ کمزوری رُونما ہوجاتی ہے - لیکن اُصولوں کی محبّت اور کھوئی ہوئی عظمت کے حصول کی جدوجہد اُن کے اندر یگانگت، خیر خواہی اور اولوالعزمی کا جذبہ قائم رکھتی ہے اور اس طرح وہ متحد ہوکر کوئی کام کرسکتی ہیں - لیکن اپنے ماضی سے محبت کے مقام سے گرنے کے بعد قومیں دَبّو پن کا شکار ہوجاتی ہیں - اُن کے اندر انفعالیت پیدا ہوجاتی ہے - وہ ہر طاقت کے سامنے جھکنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں - اپنے اصولوں، اپنی تاریخ اپنے کردار اور اپنے طرزِ عمل کے متعلق بھی وہ بے یقینی میں مبتلا ہوجاتی ہیں - اور ان کا اندازِ فکر معذرت خواہانہ بن جاتا ہے -

اب آپ اپنی موجودہ مسلمان قوم کا جائزہ لیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُصولوں کے معاملے میں اُس کے اندر کمزوری صدیوں پہلے پیدا ہوچکی تھی - اُس نے بہت آغاز میں ہی ملوکیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے - اُس نے دُنیا کے دوسرے فلسفوں سے نظریات قبول کرنے اور تہذیب و تمدّن میں دوسروں کی نقّالی کرنے کی استعداد بھی پیدا کرنی شروع کردی تھی - وہ اپنے خیر و شر کے پیمانے بدلنے کے لیے تو تیار نہ ہوئی لیکن شر کو قبول کرنا اور خیر کو مصلحانہ ترک کرنا بھی اُس نے شروع کردیا تھا سخت کوشی

سے تن آسانی اور تن آسانی سے عیش و عشرت، پھر عیش و عشرت سے لالچ اور لالچ سے حرام خوری تک کی منزلیں طے کرنا بتدریج آسان ہوتا چلا گیا۔ اس انحطاط سے اس کا نصب العین سے تعلق کمزور ہو گیا، یکسوئی بھی ختم ہو گئی اور یہ قوم اپنی حرص و ہوا کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے بے شمار حصّوں میں منقسم ہو گئی۔ ہر حصّے کو اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مذہب کو استعمال کرنا پڑا اور اس طرح دین کی بے شمار تعبیریں سامنے آتی چلی گئیں اور ان میں سے ہر تعبیر ایک خاص گروہ کے نقطۂ نظر اور مفاد کے پیشِ نظر کی گئی، اس لیے اس گروہ کے لیے صرف وہی تعبیر معتبر قرار پائی اور باقی تعبیریں مردود ٹھہریں۔ اس طرح اُمتِ مسلمہ فرقہ در فرقہ بٹتی چلی گئی۔ پھر ہر فرقے نے بڑی محنت و جانفشانی سے قرآن و حدیث سے اپنے مخصوص تصوّرات کے مطابق دلائل جمع کر کے اپنے اِرد گرد علمِ کلام کی باڑ لگا دی اور اپنے تحفّظ کی خاطر دوسروں پر حملے شروع کر دیئے۔ اِن حملوں سے باہمی فاصلے اور دُوریاں مزید بڑھ گئیں۔

اب یہ مصیبت بن گئی ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ مسلمانوں کو اصل نصب العین کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یکسوئی اور اتحاد کا واحد طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی نظریاتی بنیاد کو مستحکم کیا جائے تاکہ یہ عمارت مضبوط ہو اور مخالفین اور دشمنوں کے حملوں، جھٹکوں اور دھماکوں کا مقابلہ کر سکے تو اس پر فوراً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ شخص بھی فرقوں کی مارکیٹ میں ایک نئی دکان چمکانا چاہتا ہے۔ یہ شبہ کرنے والوں میں نیک نیت لوگ بھی شامل ہوتے ہیں اور بد نیت لوگ بھی۔ پھر تمام موجودہ فرقوں

انحطاط کا شکار ہوتی ہیں تو بالعموم اُصولوں کو نظر انداز کرنے اور فروعات میں انہماک کے سبب ہی انحطاط و خلفشار کا نشانہ بنتی ہیں۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے اور اپنے تشخص کو قائم رکھنے کے لیے وہ اپنی تاریخی عظمت کا سہارا لیتی ہیں۔ اور یہ تاریخ اُن کے اندر اُمنگیں، آرزوئیں ماضی کی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کرتی ہے، اُن کے خون کو گرم رکھتی ہے اور وہ جد وجہد میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ اُصولوں کی پابندی میں اگرچہ کمزوری رُونما ہو جاتی ہے۔ لیکن اُصولوں کی محبّت اور کھوئی ہوئی عظمت کے حصول کی جد وجہد اُن کے اندر یگانگت، خیر خواہی اور اولوالعزمی کا جذبہ قائم رکھتی ہے اور اس طرح وہ متحد ہو کر کوئی کام کر سکتی ہیں۔ لیکن اپنے ماضی سے محبت کے مقام سے گرنے کے بعد قومیں دَوّبرپن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اُن کے اندر انفعالیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر طاقت کے سامنے جھکنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اپنے اصولوں، اپنی تاریخ اپنے کردار اور اپنے طرزِ عمل کے متعلق بھی وہ بے یقینی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا اندازِ فکر معذرت خواہانہ بن جاتا ہے۔

اب آپ اپنی موجودہ مسلمان قوم کا جائزہ لیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُصولوں کے معاملے میں اُس کے اندر کمزوری صدیوں پہلے پیدا ہو چکی تھی۔ اُس نے بہت آغاز میں ہی ملوکیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ اُس نے دُنیا کے دوسرے فلسفوں سے نظریات قبول کرنے اور تہذیب و تمدّن میں دوسروں کی نقّالی کرنے کی استعداد بھی پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔ وہ اپنے خیر و شر کے پیمانے بدلنے کے لیے تو تیار نہ ہوئی لیکن شر کو قبول کرنا اور خیر کو مصلحانہ ترک کرنا بھی اُس نے شروع کر دیا تھا۔ سخت کوشی

سے تن آسانی اور تن آسانی سے عیش وعشرت، پھر عیش وعشرت سے لالچ اور لالچ سے حرام خوری تک کی منزلیں طے کرنا بتدریج آسان ہوتا چلا گیا۔ اس انحطاط سے اس کا نصب العین سے تعلق کمزور ہو گیا یکسوئی بھی ختم ہو گئی اور یہ قوم اپنی حرص وہوا کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے بے شمار حصّوں میں منقسم ہو گئی۔ ہر حصّے کو اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مذہب کو استعمال کرنا پڑا اور اس طرح دین کی بے شمار تعبیریں سامنے آتی چلی گئیں اور ان میں سے ہر تعبیر ایک خاص گروہ کے نقطۂ نظر اور مفاد کے پیش نظر کی گئی، اس لیے اس گروہ کے لیے صرف وہی تعبیر معتبر قرار پائی اور باقی تعبیریں مردود ٹھہریں۔ اس طرح اُمتِ مسلمہ فرقہ در فرقہ بٹتی چلی گئی۔ پھر ہر فرقے نے بڑی محنت و جانفشانی سے قرآن وحدیث سے اپنے مخصوص تصوّرات کے مطابق دلائل جمع کر کے اپنے اِردگرد علمِ کلام کی باڑ لگادی اور اپنے تحفّظ کی خاطر دوسروں پر حملے شروع کر دیئے۔ اِن حملوں سے باہمی فاصلے اور دُوریاں مزید بڑھ گئیں۔

اب یہ مصیبت بن گئی ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ مسلمانوں کو اصل نصب العین کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یکسوئی اور اتحاد کا واحد طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی نظریاتی بنیاد کو مستحکم کیا جائے تا کہ یہ عمارت مضبوط ہو اور مخالفین اور دشمنوں کے حملوں، جھٹکوں اور دھماکوں کا مقابلہ کر سکے تو اس پر فوراً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ شخص بھی فرقوں کی مارکیٹ میں ایک نئی دکان چمکانا چاہتا ہے۔ یہ شبہ کرنے والوں میں نیک نیت لوگ بھی شامل ہوتے ہیں اور بدنیت لوگ بھی۔ پھر تمام موجودہ فرقوں

کے علمِ کلام کے ماہرین اپنے اسلحہ خانے سے بڑے تیز و تند ہتھیار نکال کر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس نئے داعیٔ اتحاد کو شکست دینا، اُسے رسوا کرنا، اُسے دین کا سب سے بڑا دشمن قرار دینا اُسے ایک عظیم مذہبی فتنہ ثابت کرنا اُن کے اندر "قدرِ مشترک" بن جاتا ہے۔ پھر ایک نیا علم کلام معرضِ وجود میں آ جاتا ہے جس میں صریح جھوٹ خیالی الزامات اور جھوٹے اندازے شامل ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگانِ دین کی پیشن گوئیوں کو سان پہ چڑھا کر اُس اللہ کے بندے پر منطبق کی جاتی ہیں اور اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جاتا ہے اور اتنا کیچڑ اُچھالا جاتا ہے کہ پہلے سے موجود فرقے اور اتحاد اور دین کی دعوت دینے والے فرد اور گروہ تمام کے تمام الزامات کے، گندے کیچڑ سے لت پت ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسلام اور مذہبی لوگوں سے نفرت کرنے لگتی ہے چنانچہ لوگ اسلامی نصب العین سے اور بھی دُور ہو جاتے ہیں۔

مذہبی لوگوں کے اِس طرزِ عمل، فرقوں کے اپنے اپنے علمِ کلام، مدافعانہ حملوں اور دینی تعلیم کے فرقوں کی بنیاد پر تدوین نے رفتہ رفتہ عام مسلمانوں کے اندر اس غلط تصوّر کو راسخ کر دیا ہے کہ صرف مذہب ہی اتحاد کی بنیاد نہیں بن سکتا، بلکہ اتحاد کے لیے مذہب کے ساتھ کچھ دوسری عصبیتوں کا جوڑ لگانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ لوگوں کے اندر یگانگت پیدا کی جا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس تصوّر کے جڑ پکڑ جانے کے بعد مذہب کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے جو مذہب مسلمانوں کو جوڑنے کا بہترین ذریعہ ہے، وہی جوڑنے کی بجائے توڑنے اور لڑانے کا کام کرنے لگتا ہے مذہب کا یہ تصوّر اسلام کے تصوّرِ یگانگت اور ملّتِ واحدہ سے ٹکراتا ہے اور اسلام نے ایسا مذہب ہونے سے برأت کا اظہار کیا ہے۔ کاش مسلمان ایک

دوسرے کو کافر قرار دینے کے کاروبار سے بچ سکتے اور تعبیرِ دین میں اختلافِ رائے رکھنے کے باوجود بھی قرآن و سنّت کی مشترکہ بنیاد پہ متحد رہ سکتے۔ قرآن و سنّت ہی اتحاد کی واحد متفق علیہ بنیاد ہے۔ اس پہ متحد رہتے ہوئے ہر گروہ کو اپنے دائرے میں قرآن و سنّت کی روشنی میں اپنی تعبیر اور اپنا عمل کرنے کی آزادی دینے میں ہی اتحاد کی منزل پوشیدہ ہے۔ جب تک دینِ اسلام کی اپنی عدالت قائم نہ ہو جائے کفر سازی کا مشغلہ ترک کر کے بھائی چارے اور اخلاق کا راستہ اختیار کرنے میں ہی مسلمانوں کی فلاح ہے۔ اگر مسلمانوں میں باہمی افتراق یونہی موجود رہا تو مسلمانوں نے عالمِ کفر کی چند صدیوں کی غلامی کے بعد جو دوبارہ آزادی حاصل کی ہے وہ اس کا بھی تحفظ نہ کر سکیں گے۔ اسلام کی سربلندی کا راز عالمِ اسلام کے اتحاد میں پوشیدہ ہے جب کہ عالمِ کفر مسلمانوں اور ان کے دین کے مقابلے میں پہلے سے زیادہ متحدہ جارحیت پر آمادہ نظر آتا ہے۔

اگر مسلمان دشمنوں کو اپنے اور اسلام کے خلاف متحد دیکھ کر واقعی اور حقیقی اتحاد چاہتے ہیں تو انہیں دیکھنا چاہیے کہ دشمن ہمارے اندر فرقوں کے لحاظ سے کوئی امتیاز کرتے ہیں یا وہ صرف مسلمان کی حیثیت سے ہی ہمارے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ہمیں صرف مسلمان سمجھ کر اسلام قبول کرنے کی سزا دیتے ہیں، اس لیے لازم ہے کہ ہم بھی صرف مسلمان ہی بن کر رہیں اور اسی صورت میں ہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔ فرقہ کو اختلاف اور عصبیت کا ذریعہ نہ بنائیں۔ فرقہ بندی سے بچنے کی مؤثر تدابیر اختیار کریں۔ اتحادِ ملّت میں ہی فلاحِ ملّت مضمر ہے۔ مسلمانوں کے بنیادی عقائد توحید، رسالتِ محمدی، ختمِ نبوت، ایمان بالکتاب

اور عقیدۂ آخرت اُن کے درمیان متفق علیہ ہیں ان میں کسی فرقے کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلافات کا آغاز ان عقائد کی تشریحات سے ہوتا ہے جن کے لیے مختلف لوگوں کے مختلف دلائل ہیں اور ظاہر ہے کہ دلیل کی بنا پر اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے کسی کا ایمان غیر معتبر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں اگر مندرجہ ذیل اُمور کو بنائے اتحاد بنایا جائے تو میرا خیال ہے کہ تھوڑے عرصے ہی میں مسلمانوں کے اندر اتحاد و یگانگت کی ایمان افروز فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

——— مسلمانوں کی تمام مساجد اللہ کی مساجد ہیں۔ ان کا فرقوں سے انتساب ختم کر دیا جائے۔

——— ہر مسجد میں ہر مسلمان نماز ادا کرے کوئی مسجد کسی مسلمان کے لیے بند نہ ہو۔ البتہ ہر مسلمان کو پیش امام کے پیچھے اپنے فقہی مسلک کے مطابق نماز ادا کرنے کا حق حاصل ہو۔

——— مسلمانوں کے اسلاف باہمی سب کے لیے محترم ہیں۔ کوئی گروہ کسی کے اسلاف کے بارے میں نازیبا زبان استعمال نہ کرے۔ یہی قرآن کی ہدایات ہیں۔

——— جس آبادی میں جس مسلک کے مسلمان اکثریت میں ہوں وہاں کا پیش امام اسی مسلک کا ہو اور دوسرے مسلک کے مسلمان اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر ان چار اُمور کا اہتمام کر لیا جائے تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ دو چار سال کے عرصے میں مسلمانوں کے فقہی مسالک کی بنا پر جو تلخی ہے وہ کم ہو جائے گی اور مسلمان بتدریج فرقہ بندی کے متفرق پلیٹ فارموں سے اُٹھ اُٹھ کر ملتِ واحدہ کے متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے میرے نزدیک اتحادِ ملت کا یہی واحد نسخہ ہے اور اسی میں ملت مسلمہ کا مستقبل محفوظ ہے۔

یہی اتحاد کی بنیادیں ہیں جو مسلمانوں کو از سرِ نو ایک ملتِ واحدہ کی طرف لوٹا سکتی ہیں۔

ایران میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ مسلمان ایک ملتِ واحدہ کی صورت میں متحد ہوں لیکن انہیں بھی حکمتِ اتحاد کا یہی پہلو اپنانا چاہیے کہ اُن کے درمیان دوسرے فقہی مسالک کے لوگ اجنبیت اور احساسِ اقلیت محسوس نہ کریں۔ بلکہ اپنے آپ کو اپنے بھائیوں کے درمیان محفوظ سمجھیں، چاہے وہ اہل سنّت ہوں یا اہل حدیث۔ فقہی تعبیرات بذاتِ خود دین نہیں ہیں بس دین کی تعبیرات ہیں۔ دین تو توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد کا نام ہے۔ تعبیرات میں فراخدلی ضروری ہے اور اکثریتی تعداد رکھنے والوں کو اپنے اقلیتی تعداد رکھنے والے بھائیوں کی دلجوئی لازماً کرنی چاہیے۔ یہی حکمتِ محمدیؐ ہے۔ خصوصاً جو لوگ نفاذِ اسلام کے علمبردار بن کر اُٹھیں ان کے سامنے تو اُسوۂ نبویؐ بہت واضح ہونا چاہیے۔ رسولِ اکرمؐ تو اپنے خون کے دشمنوں کو بھی لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف فرما دیتے تھے۔ ایران میں ایسی ہی نبوی فراخدلی اور محمدی وسعتِ ظرف کی ضرورت اور مزید ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اگر محسوس طور پر پوری کر دی جائے تو میرا خیال ہے کہ اندرونِ مُلک اتحاد کی فضا زیادہ نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ مخلص مسلمان اپنی فقہی تعبیرات میں بلا شبہ آپ سے اختلاف کر سکتے ہیں اور یہ ان کا جمہوری حق ہے، لیکن دینِ اسلام کے بنیادی احکام کے نفاذ کے بارے میں ان سے زیادہ مسرت اور کس کو ہو گی جو خود نفاذِ اسلام چاہتے ہیں۔ اسلامی نظام تو ہر مخلص مسلمان کے دل کی پکار ہے۔ لیکن اس اسلامی نظام

پر رسولِ اکرم اور خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کی گہری چھاپ ہونی چاہیے بنیادی چیزیں تو قرآن وسنّت ہی ہیں۔ وہی اُصول ہیں باقی ساری فروعات ہیں۔ اور فروعات میں سختی حکمتِ دین کے منافی اور نفاذِ اسلام کے عمل میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

۸ انقلاب اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ

یہ حقیقت قابلِ تعریف ہے کہ ایران میں اسلامی انقلاب دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود زندہ و پائندہ موجود ہے اور اپنی بنیادوں کو مضبوط کرتا چلا جا رہا ہے۔ اسلام کے نفاذ کا عمل بھی مسلسل جاری ہے۔

اگرچہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو جو اسلامی نظام کے بارے میں مخلص ہے اور انقلاب کے لیے اُس نے قربانیاں بھی دی ہیں۔ اپنی داخلی حکمتِ عملی کے تحت بیشتر ذمہ دارانہ مناصب سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور مملکت کے کاروبار کو چلانے کی بیشتر ذمہ داری قدیم مذہبی طبقے نے اپنے سر لے کر بڑا بھاری بوجھ اُٹھا لیا ہے۔ بظاہر یہ بات حکمتِ دین کے منافی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن انقلاب کی داخلی مصلحتوں کو برسرِ موقعہ چلانے والے لوگ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ جلد ایسے حالات پیدا ہوں گے جب اسلام کے فدائی جدید تعلیم یافتہ طبقے میں سے بھی انقلاب کی خدمت کے لیے ازسرِنو آگے آئیں گے۔

۹ ایران کا انقلاب اور عالمِ اسلام

ایران میں کئی صدیوں بعد اسلام کو اُمورِ مملکت کے فیصلے کرنے

کے مقام پر لا کر کھڑا کیا گیا ہے اور سیاست بلا مذہب کی پالیسی ترک کر کے اسلام کی حقیقی پالیسی اپنائی گئی ہے۔ ایران میں آج وہاں کے سارے مسائل کا حل اسلام میں ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہی دُنیا کا وہ آخری دین ہے جس نے قیامت تک انسانیت کی ہمہ جہتی رہنمائی کرنی ہے اس لیے صدیوں بعد اسلام کی سیاسی، معاشی، اخلاقی، سماجی اور بین الانسانی روایات کو ایران میں بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ جو گروہ نفاذِ اسلام کے معاملے میں صدیوں بعد پہل کر رہا ہے۔ اس سے غلطیاں بھی ہوں گی لیکن اگر فراخ دلی موجود ہو اور دوسرے مخلصین کے مخلصانہ مشورے بھی اس کو ہم دست حاصل ہوں تو یہ تجربہ یقیناً کامیاب کیا جا سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں اسلامی نظام کے تجربے کو کامیاب کرنا پوری اُمتِ مسلمہ کا فریضہ ہے۔ اگر یہ تجربہ ایران میں ناکام ہو جاتا ہے تو یہ پورے عالمِ اسلام کا ایک عظیم نقصان ہو گا اور تمام دُنیا میں اسلامی تحریکیں بیک وقت کمزور ہو جائیں گی۔ دُنیا کے لوگ یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ دَورِ حاضر میں اسلام بہ حیثیت نظامِ زندگی نہیں چل سکتا ہے۔ یہ بات تو دُنیا کے کامیاب کفار نے خود مسلمانوں کے اندر مرعوب ذہنوں میں پہلے ہی اُتار رکھی ہے جس کا بارہا اظہار بعض علمائے کرام تک کی گفتگوؤں میں جھلک جایا کرتا ہے۔ اس کے بعد تو لوگ علی الاعلان کہیں گے کہ اگر ہزاروں انسانوں کی جانی قربانیاں دے کر بھی اسلامی نظام قائم نہیں رہ سکتا تو پھر دَورِ حاضر میں یہ ناقابلِ عمل نظام ہے۔ اس لیے ایرانی انقلابیوں کو بھی اس بھاری ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ پوری دُنیا کے سامنے یا تو اسلام کے حق میں کامیابی کے سچے گواہ بن کر رہیں گے اور یہ بہت بڑی سعادت

ہے اور یا خدانخواستہ ناکامی کی صورت میں وہ پوری دُنیا کے سامنے اسلام کے خلاف ناکامی کے جُھوٹے گواہ بن جائیں گے اور یہ بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔ انہیں اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دُنیا کی تمام اسلامی تحریکوں کے ذمہ دار لوگوں سے رابطہ قائم کر کے ان کا فکری اور عملی تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ دُنیا کے مسلمانوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کریں۔ ناکامی کی صورت میں کوئی شخص دُنیا کو یہ کہہ کر مطمئن نہیں کر سکے گا کہ یہ تو شیعہ انقلاب تھا، اسلامی انقلاب نہیں تھا۔ دُنیا نہ اُن کے انقلاب کو شیعہ انقلاب تسلیم کرتی ہے اور نہ دوسرے کسی انقلاب کو سُنّی انقلاب تسلیم کرے گی۔ یہ تو مسلمانوں کے گھر کی تفریقات ہیں، کافر دُنیا تو صرف اسلام کو جانتی ہے۔ وہ ہر ناکامی کو اسلام کے کھاتے میں ڈال کر اپنی گمراہی پر اور زیادہ مطمئن ہو جائے گی اور یہ دُنیا کا بہت بڑا نقصان ہو گا۔

۱۰ ایران اور افغانستان

ایران کا افغانستان کے بارے میں موقف وہ مردانہ اور مومنانہ موقف ہے جس کی تائید ہر مسلمان کا دل کرے گا۔ یہی وہ موقف ہے جس سے ایمان و اسلام کا اظہار ہوتا ہے اور جس موقف سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جارح کو کُھل کر جارح کہا جائے اور اس کی جابرانہ جارحیت کی بے نذر مذمت کی جائے۔ یہ رسولؐ اکرم کی اس حدیث کے مطابق ہے کہ مومن کا کام ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہے۔ اس کا کام

اپنے مظلوم بھائی کی مدد کرنا ہے اور اس کا کام سلطان جابر کے مقابلے میں برملا کلمۂ حق کہنا ہے۔ یہی سنت ہمیں افغانستان کے بارے میں ایران کے موقف میں نظر آتی ہے اور اس سے اس اسلامی نظام کی قوتِ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے جو ایران میں ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے اُبھر رہا ہے۔

۱۱ امام خمینی کی تصاویر

ایران میں امام خمینی کی تصاویر کی بڑے پیمانے پر تشہیر ہوتی ہے ہمیں نہیں معلوم کہ مشرقِ وسطیٰ کے علماء کرام نے تصویر کشی اور تصاویر کی کثیر نشر و اشاعت کے بارے میں کیا اجتہادی موقف اختیار کیا ہے لیکن برصغیر کے علماء نے تصویر کو ناگزیر سماجی اور طبی ضروریات کے لیے ہی جائز کیا ہے۔ تصویر کی بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کو علماء ہند و پاک ناپسند بلکہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن ایک شخص جب ایران میں داخل ہوتا ہے تو اُسے امام خمینی کی تصاویر کی جس کثرت سے تشہیر و اشاعت دکھائی دیتی ہے اس سے خدا پرستی کے ساتھ شخصیت پرستی کی بُو بھی آتی ہے۔ اگر کسی شخصیت کو اس بڑے پیمانے پر قوم کے دل و دماغ پر مسلط کر دیا جائے اور اپنی تمام کامیابیوں اور قوتوں کا سرچشمہ خدائے واحد کے ساتھ کسی انسان کی ہستی کو بھی سمجھنے لگیں تو اس صورتِ حال سے ایک طرف عقیدۂ توحید کا نقصان ہوتا ہے تو دوسری طرف قوم بھی حقیقی قوت ایمانی سے محروم ہو کر افراد کا سہارا پکڑ لیتی ہے جو سہارا ایک دن ناپائیدار ثابت ہوتا ہے۔ میرے اس

خیال کی تائید متعدد دیگر مہمانوں نے بھی کی۔ ہم نے محسوس کیا کہ اپنے قائد کی اتنی بڑی پبلسٹی کمیونسٹ نظام میں لینن اور اسٹالن کی سنت تو ہے لیکن رسولؐ اکرم اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ جیسے خدا پرست قائدینِ انسانیت کا یہ اُسوہ نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۱۲ ایران اور مستضعفین

جدید اسلامی ایران کا یہ کارنامہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے مغرب پرستی کا ہر شائبہ اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ مغرب کا کوئی فیشن بھی وہاں مقبول نہیں، نہ لباس کی تراش خراش اور نہ بالوں کی وضع قطع میں۔ وہاں بڑے بڑے ہوٹل بھی تعمیر نہیں ہو رہے ہیں جہاں مغرب زدہ لوگ سوئمنگ پول بناتے اور دادِ عیش دیا کرتے ہیں۔ بلکہ وہاں غریبوں کے لیے متوسط درجے کے مکانات کثرت سے بن رہے ہیں غریبوں کو وہاں ہمہ جہتی سہولتیں مہیا کی جا رہی ہیں۔ انسانیت کا مظلوم طبقہ، مستضعفین پہلی بار ایک پشت پناہ نظامِ حکومت کی پناہ میں ہے۔ ایران میں سرمایہ دار، جاگیردار، نواب زادے اور صاحب زادے سے واقعی اپنے وراثتی حق اقتدار سے محروم ہوگئے ہیں۔ جو حق انہوں نے صدیوں سے مسلمانوں کے اندر ایک ہوں کی طرح اپنی اجارہ داری بنا رکھا تھا۔ اب وہاں ایک متوسط درجے کا شریفانہ اور مومنانہ معاشرہ وجود میں آ رہا ہے، جس میں غریب کی شنوائی ہوتی ہے۔ اور حکومت خود اُس کی خادم ہے۔ اشتراکیت کی غریبوں کی جھوٹی استحصالی ہمدردی اور

مغرب کے فلاحی معاشرے کی جھوٹی مساوات کا ڈھونگ ایران کے اسلامی مساوات پر مبنی معاشرے کو دیکھ کر زیادہ آسانی سے کھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

۱۳ ایران — عالمِ اسلام کا سپاہی

ایران اسرائیل کے خلاف عالمِ اسلام کا بالعموم اور عالمِ عرب کا بالخصوص مجاہد اور سپاہی بن سکتا ہے جس قدر محسوس نفرت اسرائیل کے خلاف ایران میں پائی جاتی ہے مسلمانوں کے اور کسی ملک میں دکھائی نہیں دیتی۔ پاسدارانِ انقلاب اور ایرانی نوجوان اسرائیل کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے تڑپتے دکھائی دیتے ہیں۔ جو نعرے تسلسل کے ساتھ ہم نے وہاں سُنے وہ تھے۔

مرگ بر امریکہ — مرگ بر شوروی

مرگ بر صدام — مرگ بر اسرائیل

یہ نعرے انتہائی قوت اور کثرت سے لگائے جاتے ہیں۔ جن میں دونو سوپر پاورز سے نفرت کا اظہار موجود ہے اور پھر وہ نفرت مسلمان ملک عراق کے خلاف نہیں بلکہ ان سوپر پاورز کی شہ پر حملہ کرنے والے فرد کے خلاف نفرت کا اظہار ہے۔ لیکن نفرت کا سب سے زیادہ اظہار اسرائیل کے خلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان چار اجزاء پر مشتمل یہ نعرہ جب اپنے چوتھے جزء پر آتا ہے تو آوازوں میں شدت، بلندی اور نفرت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

بلاشبہ ایران اسرائیل کے خلاف پوری طرح یکسو ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسرائیل کے مقابلے میں ہارے ہوئے عربوں کے بجائے تازہ دم

ایران سب مسلمانوں کا اچھا مشترکہ مجاہد سپاہی اور چمپیئن بن سکتا ہے۔ کاش مسلمان ممالک اس حکمت پہ عمل پیرا ہو سکتے۔ اور وہ ایران کے خلاف جارح فرد کی قرآن کی تعلیمات کے مطابق مذمت کرکے ایران عراق جنگ بند کروا دیتے اور ایران کو یکسوئی کے ساتھ اسرائیل کے خلاف مسلح کرتے جو اب کسی بلاک کی وصولیس میں بھی نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ عرب ممالک اسرائیل کے خلاف ایک خالص اسلامی لو دریافت ہتھیار کو خود اپنے ہاتھوں سے ضائع کرنے کے عمل میں پیہم مصروف ہیں یہ عربوں اور عالم اسلام کی بدقسمتی ہے۔ اسلامی کانفرنس کی اس مسئلے میں کوتاہی افسوسناک ہے۔ امام خمینی نے خوب کہا ہے کہ " اسلام اور کفر کے درمیان صلح کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ خدا کے حکم پر عمل ہونا چاہیے اور ہم سب قرآن کے تابع ہیں۔ ہم نہ ظالم بننا چاہتے ہیں اور نہ مظلوم۔"

۱۴ ایران میں راہِ شہادت کی رونق

ایران کے شہدائے جنگ کے وصیت نامے بھی ایمان افروز کلمات پر مشتمل ہیں۔ اس دور میں جب افغان مجاہدین، ایرانی عوام اور پاسداران انقلاب نے راہِ حق میں شہادت کی طرح نو ڈالی ہے۔ صدیوں سے راہِ حق کی صراطِ مستقیم شہادت کے خون سے محروم تھی۔ اس طرف مسلمانوں نے رُخ کرنا چھوڑ دیا ہوا تھا۔ اور اس راستے پہ زمانے کے گرد و غبار کے سوا کچھ نہ رہ گیا تھا۔ اس تشنہ لب راستے کی سیرابی کا سامان ہمارے دور میں مجاہدین افغانستان اور شہدائے ایران کے ذریعے ہوا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو راہ حق میں شہادت کا رُتبہ پاتے ہیں اور مبارک ہیں وہ

لوگ جو اللہ کے راستے کو سجدوں سے سجاتے اور خونِ شہادت سے تروتازہ کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو راہِ حق کی ویرانی کو اپنے خون کی ارزانی سے گل و گلزار بناتے ہیں۔ سلام ہے ان سب شہدا پر جو دُنیا کے کسی بھی حصّے میں اسلام کے لیے قربان ہو رہے ہیں۔ امام خمینی نے خوب کہا ہے کہ اسلام پہ ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے لیکن اسلام کو کسی چیز پہ بھی قربان نہیں کیا جا سکتا۔

ان شہدا میں سے ایک نوجوان میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے اپنے والدین کو لکھتا ہے۔

"جب آپ کو میری شہادت کی خبر ملے تو آپ میرے غم میں اپنی آنکھوں سے ایک قطرۂ اشک بھی نہ بہائیں، اس سے میری رُوح آزردہ ہوگی۔ شہادت تو میرے لیے باعث افتخار ہے"۔

ایک اور مجاہد نے اپنی بہن کو خط لکھا۔ "میری پیاری بہن آپ میرے لیے راہِ حق میں شہادت کی دُعا کریں"۔

ایک اور نے لکھا "میری دُعا ہے کہ اسلام اور اُمتِ مسلمہ سربلند ہوں اور مجھے شہادت نصیب ہو"۔

ایک مجاہد نے اپنی ماں کو لکھا "میرا خون میرے دوسرے مسلمان بھائیوں کے خون سے قیمتی نہیں ہے"۔

اسی لیے تو امام خمینی نے کہا تھا کہ جس قوم کے مردوں، بچوں اور عورتوں میں جذبۂ شہادت پیدا ہو جائے اور ان کی آواز ایک ہو، پھر وہ قوم کبھی باطل سے شکست نہیں کھا سکتی۔ اسی لیے وہ بار بار آغازِ تحریک

سے ہی یہ بات دہراتے چلے آئے ہیں کہ "ہاں ہاں ہمیں قتل کردو ہمارے قتل سے ہماری قوم بیدار ہوگی"۔

۱۵ ایرانی انقلاب میں مساجد کا کردار

ایران کے اسلامی انقلاب میں مساجد نے زبردست کردار ادا کیا ہے۔ اسی لیے اس انقلاب پر مذہبی طبقہ کا غلبہ ہے۔

امام خمینی نے خوب کہا تھا:

"مسجد مورچہ ہے، ان مورچوں کی حفاظت کیجیے"۔

چنانچہ انقلاب ایران میں مساجد بہترین مورچے ثابت ہوئیں۔

انقلاب سے پیشتر ایران میں مسجدوں کا کام نماز کی ادائیگی کے علاوہ وعظ کرنا، کتابیں جاری کرنا اور بلا سود قرضے فراہم کرنے سے متعلق تھا اور عورتیں اور مرد مختلف اوقات میں ان سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن انقلاب کے وقت اور انقلاب کے بعد ان مساجد نے روز بروز نئی سے نئی ذمہ داریاں ادا کیں اور نئی نئی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گئیں۔ مثلاً:

——— مسجدوں نے عوام سے مالی امداد جمع کر کے شہداء کے خاندانوں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کیں۔

——— بلا سود قرضے دینے والے بنکوں کی روایتی شکل جو پہلے موجود تھی وہ تبدیل کر دی گئی۔ اور مالی امداد کو انقلاب کی ضروریات کے لیے مختص کر دیا گیا۔ اس طرح انقلاب کے نتیجہ میں عوام کو پیش آنے والی اقتصادی مشکلات کو مسجدوں نے براہ راست حل کیا اور عوام کو اقتصادی

پشت پناہی دی۔

——— مسجدوں نے موسمِ سرما میں ہر محلہ کے مکینوں میں براہ راست مٹی کا تیل تقسیم کیا۔ اور اُن کو تیل کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا جس سے گھر روشن اور چولہے گرم رہے۔

——— تحریک کے آغاز کے بعد تمام مسجدیں اسلامی محافظ و مجاہد اور فوجی ساز و سامان جمع کرنے والی چھاؤنیاں بن گئیں۔ مسجدوں میں ہی محافظوں کے لیے خورد و نوش اور دیگر سہولیات کا اہتمام کیا گیا اور مساجد میں ہی آہستہ آہستہ محلہ وار انقلابی کمیٹیاں بنتی چلی گئیں۔ انقلاب کے وقت طاقت کے فقدان نے جو کچھ مٹا دیا تھا، اس نے انقلابی معاشرہ کے لیے امن و امان کے تحفظ کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ مسجدوں میں قائم کمیٹیوں نے اپنی انقلابی توانائیاں یکجا کر کے انقلاب دشمن عناصر سے عملی طور پر نمٹنے کا انتظام کر لیا۔ چنانچہ اس نظام کے تحت انقلاب دشمن عناصر سے محلہ کی سطح تک بھی نمٹنا ممکن ہو گیا۔

——— مسجدیں فنِ حرب اور اسلحہ کی تربیت گاہ بن گئیں۔

——— مختلف مسجدوں میں کتابوں، کیسٹوں، پمفلٹ، انقلابی تصویروں اور سلائیڈوں کی نمائشیں منعقد کی گئیں۔ امام خمینی کے کیسٹ محلہ محلہ اور گھر گھر پہنچانے میں ان مساجد نے بہت رول ادا کیا۔

——— شاہی حکومت کے خلاف انقلابی تقریریں، آزاد بحث، جلسے اور حالاتِ حاضرہ کا تجزیہ ان مسجدوں ہی میں پیش کیا گیا اور رضا کار ان مسجدوں میں ہی بھرتی ہوتے رہے۔

——— مسجدیں مسلمانوں کی مشکلات کی عقدہ کشائی کی آماج گاہ بن

گئیں۔ یہی مشاورت گاہیں بن گئیں۔

—— انقلاب کی کامیابی سے پیشتر کوڑا کرکٹ جمع کرنے کا کام جو بلدیہ کے ذریعے انجام پاتا تھا، بلدیہ کے کارکنوں کی ہڑتال کے باعث مسجدوں پر یہ بوجھ آپڑا اور ہر محلہ میں عوام نے مسجدوں کی وساطت سے اس ضرورت کو پورا کیا۔ چنانچہ محلہ اور صفائی کا اہتمام مساجد کے رضاکاروں نے سرانجام دیا۔

—— مسجدوں نے عوام کے خاندانی اختلافات اور قانونی مسائل کو حل کیا اور باہمی تنازعات کو رفع کیا۔

—— انقلاب کے دوران میں مسجدوں نے دوائیں، روئی، ڈاکٹری اور دوا سازی کے آلات جمع کیے اور اُن کو ہسپتالوں کے حوالے کیا اور مریضوں کو سنبھالنے میں مدد دی۔

غرض مسجدوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کے دوران حکومت کے ذمہ دار اداروں کی مانند کام انجام دیئے۔ لیکن یاد رہے کہ مسجد کے کام کا طریقہ مرکزیت کے نظام سے مختلف تھا۔ اگرچہ مسجدوں کو سرکاری اداروں کی سی سہولتیں حاصل نہ تھیں، لیکن کسی حد تک ایک مسجد میں انجام پانے والے کام دوسری مسجدوں سے ہم آہنگ تھے۔ اور اپنے علاقے سے رابطہ رکھ کر ہر مسجد کام کی شکل، نوعیت اور سہولتوں کے اعتبار سے خودکفیل تھی اور وہ آزاد و خودمختار یونٹ کی حیثیت سے کام کرتی تھی وہ محلہ کے مکینوں کی مدد سے عوام کی ضروریات پوری کرتی اور مشکلات کو دُور کرتی تھی۔

یہ مسجد کے ادارے کا زندہ کردار ہے جو اُس نے انقلاب اسلامی

کی جدوجہد کے دوران سرانجام دیا ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ نے بھی اپنی دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کے لیے مساجد کا اہتمام کیا تھا تاکہ یک جا ہو کر لوگ اپنے مسائل پر سوچ سکیں۔ بلاشبہ انقلابِ ایران نے مسجد کے انقلابی کردار کو پھر بحال کر دیا ہے۔

۱۶ انقلاب اور اس کے ادارے

ایران کے اسلامی انقلاب نے صرف اپنی بقا اور استحکام کے لیے ہی جدوجہد نہیں کی اور صرف دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ ہی نہیں کیا بلکہ اس نے تعمیری اور اصلاحی میدان میں بھی قابلِ قدر اقدامات کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ دَورِ حاضر میں اسلامی نظام کا آغاز کرنے کے لیے کس نوعیت کے ادارات کو وجود میں لانا چاہیے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد جو ادارے وجود میں لائے گئے ہیں۔ ان سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ انقلاب اپنے خصوصی ثمرات ضرور ظاہر کرے گا اور اس کا کردار دوسرے تمام انقلابات کے مقابلے میں منفرد ہو گا۔ یہ نقشہ گری بلاشبہ ایران کے انقلابیوں کا بڑا کارنامہ ہے۔

اسلامی انقلاب کے ثمرات اور خدّام یہ ادارے ہیں جو اسلامی نظام کی اولین نقشہ گری میں مصروف ہیں۔

- سپاہ پاسدارانِ انقلاب۔ جو انقلاب کے محافظ ہیں۔
- انقلابِ اسلامی کمیٹیاں — جو نظریہ انقلاب کا تحفظ اور تشہیر کرتی ہیں۔

○ بنیادِ مسکن ؛ یعنی ہاؤسنگ فاؤنڈیشن، جس کا کام بے گھروں کو گھر فراہم کرنا ہے۔

○ امام خمینی ویلفیئر کمیٹیاں } غربا کی بحالی کے لیے کمیٹی
○ بسیج مستضعفین } اور
○ بنیاد مستضعفین } غربا کی فلاح و بہبود کے لیے ادارے

○ جہادِ سازندگی : تعمیر و ترقی کا ادارہ جس کا رُخ زیادہ تر کچی بستیوں پس ماندہ علاقوں اور دیہات کی طرف ہے۔

○ نہضتِ سواد آموزی : تحریک تعلیم و تربیت برائے عوام

اِن اداروں کے قیام سے انقلاب کا رُخ نظر آجاتا ہے کہ وہ سارا زور عوام کی بہبود، بحالی اور برسرروزگاری پر صرف کرنا چاہیے ہیں اور صدیوں سے محروم لوگوں کو خدا کی نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔

۱۷ اسلامی انقلاب کے چند ثمرات

موجودہ نظام نے بعض قابل قدر تبدیلیاں بھی کی ہیں جن سے ملک کے ترقی یافتہ اور آگے چل کر خود کفیل ہونے کے آثار نمایاں ہیں —— ان تبدیلیوں کے ذریعے ملّت ایران قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہتی ہے یہ تبدیلیاں درج ذیل ہیں۔

—— سابقہ نظام میں ایران کی معیشت ایک " وابستہ معیشت" تھی۔ چونکہ ایران میں بنیادی صنعتیں نہیں تھیں۔ سب صنعتیں متفرق تھیں۔ زیادہ تر خام مال باہر سے درآمد کرنا پڑتا تھا۔ ماہرین زیادہ تر غیر ملکی

ہوتے۔ ایرانی عوام کی حیثیت محض "صارف" کی تھی۔

اسلامی انقلاب کے بعد ایران کی معیشت اسلامی معیشت ہوتی جا رہی ہے اور حکومت بنیادی صنعتوں کے قیام میں مصروف ہے۔ اب صحیح منصوبہ بندی سے متفرق صنعتیں بنیادی صنعتوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ اب خام مال بھی ملک کے ذمہ دار مسلمان شہری ہی تیار کر رہے ہیں۔ ایرانی عوام کی حیثیت بھی اب محض "صارف" کی بجائے پیدا کرنے والے میں تبدیل ہو رہی ہے۔

——— سابقہ نظام میں ایران کی ثقافت دین کے مخالف ثقافت تھی۔ قرآن، نماز اور عبادت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جو شخص زیادہ دین کا مخالف ہوتا وہ اسی قدر اس نظام کا زیادہ چہیتا اور صاحب منصب ہوتا۔

لیکن اب ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد سب کچھ خدا کے رنگ میں رنگا جا رہا ہے۔ نماز کو اب تمام اداروں میں نماز کے شرعی اوقات میں بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ اور پورے ملک میں نماز جمعہ کا بے حد شان و شوکت سے اہتمام ہوتا ہے۔ صرف تہران میں کم از کم دس لاکھ افراد نماز جمعہ میں شرکت کرتے ہیں۔ ملک کی فضا میں روحانیت کار فرما نظر آتی ہے۔ تمام ملک میں نوجوانوں نے خود کو قرآن اور اسلام کے مطابق ڈھال لیا ہے۔

——— سابقہ حکومت میں ایران کی یونیورسٹیاں مغربی سیاست کے استحکام کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ اور وہ کسی طرح سے بھی خود مختار نہ تھیں۔ وہ زیادہ تر مغرب زدہ روشن خیال معاشروں کے لیے کام کرتی تھیں۔

لیکن اب ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد ایران کی یونیورسٹیوں کے

میں اسلامی روح پھونک دی گئی ہے اور اب وہاں ایسے لوگ تیار ہو رہے ہیں جو اسلام کے سپاہی اور دین کی حقیقی اقدار کی حفاظت کریں گے۔ اور علم کو انسانیت کی خدمت کے لیے استعمال کریں گے نہ کہ انسان دشمنی کے لیے۔

——سابقہ نظام میں ایران کی خواتین دنیا کے کئی ممالک کی طرح محض "کھلونا" تھیں جو مغربی تہذیب کی دلدادہ اور خود سے بے گانہ تھیں اور انہیں کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی تھی سوائے عیش و تن پروری کے۔

لیکن اب ایرانی خواتین اسلامی تعلیمات کے زیر اثر ایسی خواتین بن گئی ہیں جو حضرت فاطمہ کو اپنا نمونہ قرار دیتی ہیں۔ وہ ایسی مائیں ہیں جو اپنے بیٹوں کو اسلام کے لیے تیار کر کے خداوند تعالیٰ کے آستانے پر پیش کر دیتی ہیں۔ وہ ایسی عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں اور بیٹوں کے دوش بدوش دشمنوں کے خلاف محاذ جنگ پر موجود رہتی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے تحت ایران کی مسلمان عورتیں اب اس مقام تک پہنچ گئی ہیں کہ ثقافتی، اقتصادی، تربیتی، معاشرتی اور فوجی میدانوں میں بھی ان کی فعال شرکت نظر آتی ہے۔

——سابقہ نظامِ شاہی میں فوج کی ذمہ داری محض بڑی طاقتوں کے ایک شاہی مہرے کی حفاظت تھی۔ فوج کی تمام کارکردگی ایک شخص (شاہ) کے لیے ہوتی تھی اور اس کی اسی سے توقعات وابستہ تھیں۔

لیکن اب اسلامی جمہوریہ ایران کی فوج ایسی فوج ہے جو خدا اور اسلام پر بھروسہ کرتی ہے اس کا فرض اسلام اور خدا کے قانون کی حفاظت کرنا ہے۔ آج اس میں برتری کا معیار تقویٰ اور اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ وفاداری ہے۔ اب یہ فوج ایسے جانبازوں پر مشتمل ہے جنہوں نے خدا اور

اسلام کی خاطر اپنی ہر چیز پہ دعویٰ ختم کر دیا ہے۔ اب کسی مشرق یا مغرب کے فوجی مشیر اس فوج کے رہنما اور قائد نہیں ہیں۔ اس فوج کا قائد صرف قرآن اور اس کی تعلیمات ہیں۔

۱۸ ایران میں اسلامی خودشناسی

ایران کے اسلامی انقلاب کے بعض پہلو اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہیں کہ اس کی آمد سے اس اسلامی مملکت کی خارجی، داخلی، سیاسی اور معاشی پالیسیوں میں زبردست تغیرات رونما ہوئے ہیں۔

—— اس انقلاب کی مدد سے عوام کو خودشناسی کا موقع ملا ہے اور اسے دُنیا کے حالات سے آگاہی کا راستہ نظر آیا ہے۔

—— اس انقلاب کے بعد عوام میں اظہار رائے کی آزادی کا زبردست احساس اُبھرا ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہار رائے کی آزادی ہی حقیقی آزادی کا مظہر ہوتی ہے۔

—— ایران نے پہلی بار فلسطین کے مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کیا ہے اور اُس نے اسرائیل کی پُرزور مذمت عالمی سطح پہ کی ہے جو اس سے پہلے ایرانی حکومت کا شیوہ نہیں تھا۔

—— ایران نے پہلی بار اپنی خارجہ پالیسی میں ظالم کی مذمت کا معروف اسلامی اصول اپنایا ہے اور مظلوم کی حمایت کا علی الاعلان راستہ اختیار کیا ہے۔ افغان مجاہدین کی جد وجہد آزادی کی تائید اس کا منہ بولتا ثبوت ہے جس میں جرأت، شجاعت اور حق پرستی کا واضح ثبوت موجود ہے۔

—— تیسری دُنیا کا استحصال کرنے والے سب سے بڑے ملک امریکہ کو اپنے ملک سے ناک چنے چبوا کر نکال باہر کیا ہے اور اس کے اثرات کی مکارانہ جڑیں بھی اُکھاڑ پھینکی ہیں۔

—— وہ مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت کا مکارانہ اعلان کرنے والے جابر سامراجی ملک رُوس کو بھی ابلیسِ اعظم قرار دے کر اپنے عوام کو اس کی چالبازیوں سے آگاہ کر رہا ہے۔

—— ایران ہر قسم کی سوپر پاورز کے تصوّر سے آزاد ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی سوپر طاقت کا تصوّر اپنا رہا ہے اور اسی کے مطابق اپنی پالیسیاں وضع کر رہا ہے۔

—— ایران نے تیل کی پیداوار کو جو شاہ نے خاندانی ملکیت بنا رکھی تھی اُسے عوام کی ملکیت بنا کر ہر باشندے کو اُس کی ملکیت میں شامل کر کے اس کا ملکیتی کارڈ اور بنک اکاؤنٹ جاری کر دیا ہے۔ یہ تیل کی ملکیت کے تصوّر میں ایسی انقلابی تبدیلی ہے جس نے مشرقِ وسطیٰ کے تیل کے ممالک کے سامنے ایک چیلنج رکھ دیا ہے اور ان میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔

—— ایران کے انقلاب نے اپنی قوت کا انحصار سرمایہ داری اور جاگیرداری کے بجائے غریب اور بے سہارا مسلمان عوام پر رکھا ہے۔

—— اس انقلاب نے استحصال کی ہر قسم کا خاتمہ کر دیا ہے، اور نوآبادیاتی طرزِ حکومت کے بجائے اسلام کا شورائی نظامِ حکومت رائج کیا ہے۔

—— اس انقلاب نے ایران کا بڑی طاقتوں پر انحصار کا خاتمہ

کرکے ایمان اور عوام پہ انحصار کا راستہ ہموار کیا ہے اور معاشی منصوبہ کو مفاد یافتہ طبقات کے گرد گھمانے کے بجائے عوام کی بہبود کے لیے تیار کرنے کا آغاز کیا ہے۔ ایران کی معیشت پہلی بار ایک عوامی اور اسلامی حقیقت کی صورت میں سامنے آئی ہے۔

۱۹ انقلابِ ایران کی مخالفت

پورے عالمِ اسلام کی پالیسی ایران کے ساتھ معاندانہ بن کر رہ گئی ہے۔ یہ بات ایران کے طرزِ عمل کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ کیا یہی دلیل چھوٹے پیمانے پر اس طرح بھی استعمال کی جا سکتی ہے کہ جس معاشرے یا ملک میں کہیں کوئی اسلامی تحریک رونما ہوتی ہے، پورا معاشرہ اور اس کے بیشتر طبقات، حکمران، علماء، سیاسی جماعتیں اور اُن کے رہنما، سرکاری ملازمین اور بیوروکریسی، اخبارات اور اُس کے مالکان، جاگیردار، سرمایہ دار، نظامِ باطل کے مفاد یافتہ طبقات و حضرات بیک وقت اس اسلامی تحریک کے مخالف بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے خلاف الزام تراشی کی مہمات کا بھی آغاز ہو جاتا ہے۔ کیا اس دلیل کی رُو سے یہ سمجھ لیا جائے کہ معاشرے کی طرف سے اتنی کثیر مخالفت کے درمیان ایک اسلامی تحریک کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی خرابی موجود ہو گی۔ لیکن یہ صورتِ حال تو دنیا کی ہر اسلامی تحریک کو تاریخ کے ہر دور میں پیش آتی رہی ہے اور پیش آتی رہتی ہے۔

فی الحقیقت یہ دلیل ناقص ہے۔ پورا عالمِ اسلام اسلامی نظامِ حیات

سے یکسر محروم ہے۔ کہیں ملوکیت ہے، کہیں بادشاہت ہے، کہیں مارشل لا ہے اور کہیں آمروں کی جابرانہ حکومتیں ہیں۔ جہاں کہیں کوئی سیاسی جماعت بھی برسر اقتدار ہے وہ بھی مزاجاً یا آمریت پسند اور سیکولر ہے اور یا اشتراکیت نواز ہے۔ ایسے عالمِ اسلام کے اندر جب کوئی ایک ملک اسلامی نظام برپا کرے گا تو یہ سارا عالمِ اسلام جو جابروں اور آمروں کے زیرِ نگین ہے وہ اسلامی نظام کی جمہوریت، شورائیت اور انسانوں کے مقابلے میں الٰہی قوانین کے نفاذ کی موافقت کیوں کر کرے گا۔ کیا وہ اپنی ہی تکذیب کرے گا؟ یہ بات اُصولی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی نظام والی حکومت کے مقابلے میں غیر اسلامی نظام والی تمام حکومتیں برسر باطل ہوتی ہیں اور خدائے واحد کو ماننے والا حق گو بندۂ مومن تو صرف اسلامی نظام کی حمایت ہی کرے گا اس لیے کہ خود خدا نے ہی یہ فرمایا ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام

۲۰ اسلام کی دعوت اور مسلمان معاشرے

اسلام ایک جہانی نظریہ ہے۔ اس کی اپروچ عالمی اور بین الانسانی ہے۔ اسلام کی اپیل عالمگیر اور اس کی دعوت جہاں کشا ہے۔ یہ تصوّر جب تک مقالات اور تقاریر میں بیان ہوتا رہے اُس وقت تک اس تصوّر کی خوبصورتی اور رعنائی سے ہر کوئی مرعوب ہوتا اور اس کی ان صفات کی توصیف کرتا ہے لیکن جب کوئی ریاست واقعتہً اس نظریے کی بنیاد پر وجود میں آ جاتے اور وہ اپنے عالمی کردار کو نمایاں کرنے کی الفاظ و بیانات

اور دعوت و تبلیغ کی حد تک ہی کوشش کیوں نہ کرے اس پر خود مسلمانوں کو بھی اعتراض ہونے لگتے ہیں۔ طرزِ عمل کی یہ عدم مطابقت آخر کیوں ہے؟ آخر اسے نفاق کہا جائے یا ضعفِ ایمانی کا نام دیا جائے کہ خیال سے تو اتفاق ہے لیکن اسی خیال پر مبنی عمل سے اتفاق نہیں ہے۔

اگر اسلام عالمی دعوت کا علمبردار ہے تو جب کوئی گروہ اسلام کی یہ عالمی دعوت لے کر اُٹھے گا تو ظاہر ہے کہ وہ عالمی اور جہانی سطح پر اسلام کی دعوت کو اسی طرح متعارف کرائے گا جس طرح کہ اسلام کی حقیقی دعوت ہے۔ البتہ دعوتِ اسلامی سے ہی اگر کسی کو خطرہ ہو تو یہ اُس کی ذاتی بدقسمتی ہے، لیکن اسلام یا اس کے علمبرداروں کو معتوب اور مطعون کرنے سے اسلام کی عالمی دعوت کو کیونکر روکا جا سکتا ہے۔ اگر دیگر مسلمان ممالک بھی اسلام کی اس دعوت کے علمبردار بن کر اُٹھیں تو یہی مسلمان معاشرے جو اپنے اپنے ملکوں میں اپنے اپنے جابر حکمرانوں سے چھٹکارا پانے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں یہ انہیں حکمرانوں کے وفادار ساتھی بن کر اُٹھیں گے اور پھر اسلام کی قوت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا لیکن اس کا تمام تر تعلق اللہ کی توفیق سے ہے جو ظالموں اور جابروں کو کبھی میسر نہیں آتی۔

۲۱ اسلامی انقلاب اور سادگی

ایران کی معیشت کا ایک پہلو بڑا ہی دلآویز ہے جو معاشی مسائل کا حقیقی حل ہے اور وہ ہے نیچے سے اُوپر تک سادگی کا چلن، سادہ لباس، سادہ خوراک، سادہ رہن سہن اور سادہ حکومتی مشینری، مغرب نے اپنے دورِ اقتدار میں اسراف اور معیارِ زندگی کی شان و شوکت کو رواج دے کر

مادہ پرستی کی خدمت کی ۔ مغرب کی ذہنی تقلید میں اس کے ذہنی غلاموں میں بھی آزادی کے بعد غربت کے باوجود یہی صفات پیدا ہو گئیں ۔ اور انہوں نے مادّی شان و شوکت کو ہی ترقی کا زینہ سمجھ لیا ۔ اب قومیں تو مفلس ہیں اور ان کے حکمران اللّوں تللّوں میں مبتلا ہیں ۔ دونوں کا معیارِ زندگی ایک دوسرے کی ضد ہے ۔

آخر رسول اکرمؐ جو سالارِ افواج تھے ، شاہ امم تھے ۔ ایک ریاست کے بلا شرکت صدر تھے ۔ ایک اُمت کے عظیم الشان رسولؐ تھے ، جن پر لوگ جانیں نچھاور کرتے تھے ۔ آپ کے اُسوۂ حسنہ پر چلنا سعادت سمجھتے تھے ۔ انہوں نے ان عالیشان محلات ، اُن آراستہ و پیراستہ مکانات ، ان زرق برق لباسوں اور دعوتوں اور بلند معیارِ زندگی سے کیوں اسلام کے مخالفین کو مرعوب کرنے کی کوشش نہ کی ، بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے فقر پہ ہی فخر ہے ۔ قیصر و کسریٰ کے دَور میں اپنا معیارِ زندگی کھجور کی چٹائی ، تنگ سے مکان کی رہائش اور خشک روٹی اور کھجور کی غذا سے آگے کیوں نہ بڑھنے دیا ، اس لیے کہ اسلام کی تہذیب میں اللہ کی راہ میں مشقت سے للّٰہیت پیدا ہوتی اور آرام طلبی اور سہولت پسندی سے نفس پرستی جنم لیتی ہے ۔ نفس پرستی ، خدا پرستی کی مخالف صفت ہے ۔ ایران کی موجودہ حکومت زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی اور کفایت کو رواج دے کر یورپ کے سوداگر کے قرضوں سے نجات پا گئی ہے ۔ دنیا کے مسلمان ممالک معیارِ زندگی کو مادّہ پرستی سے سیکھتے ہیں اور پھر قرضوں پہ قرضے لے لے کر اس معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اپنی قوموں کی آزادی ، حریّت ، ریاست ، معیشت ، معاشرت ، ثقافت ہر چیز کو سوداگر

یورپ کے پاس رہن رکھ دیتے ہیں تاکہ اُن کا مادّی معیارِ زندگی اُونچا رہ سکے۔

ایران نے سادگی کو اپنا کر اسلام کی روش اپنائی ہے اور اسی سادگی نے اُس کے ہاتھ سے کاسۂ گدائی لے کر اُسے قرآن اور تلوار تھما دیئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے کامیابی کے یہی اوزار اور ہتھیار ہیں۔

۲۲ انقلابِ ایران اور مولینا مودُودیؒ

اس صدی میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسلامی انقلاب کے زبردست مفکّر، داعی اور مجاہد تھے۔ انہوں نے اسلام کو ایک مشن کی حیثیت سے پیش کیا اور مقصدِ زندگی بنا کر عمر بھر اس کے نفاذ کی جد وجہد میں مصروف رہے۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں امام خمینی سے مکہ مکرّمہ میں دورانِ حج ملاقات کی تھی اور انہوں نے امام خمینی کی اسلامی تحریک پر ظلم و تشدّد کے خلاف ۱۹۶۳ء میں اپنے رسالے ترجمان القرآن میں ایک زبردست معلوماتی مضمون دے کر ایران کی اسلامی تحریک کی علی الاعلان حمایت کی تھی جب شاہ نے قم کے اندر ۱۵ ہزار سے زائد اسلامی تحریک سے وابستہ انسانوں کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ اس تائیدو احتجاج کے نتیجے میں حکومتِ ایران کی شہ پر حکومتِ پاکستان نے تحریک اسلامی کو خلافِ قانون قرار دے کر اس کے ۶۵ افراد کو جیل میں ڈال دیا تھا۔ جب امام خمینی کو جلاوطن کیا گیا تو مولانا مودودیؒ کو ان سے مکمل ہمدردی اور اُن کے نظریات سے اتفاق تھا۔ جب ایران میں ۱۹۷۸ء میں عوامی اسلامی تحریک چلی جو پاکستان قومی اتحاد کے طرز کی تحریک تھی تو مولانا مودودیؒ اس کے حامی تھے۔ جب شاہ ملک سے مفرور

ہوگیا اور امام خمینی کامیاب و کامران ہوکر واپس ایران پہنچ گئے تو مولانا مودودیؒ نے ایران کی اسلامی تحریک کی کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا اور ان کے نمائندے امام خمینی کو مبارک باد دینے کے لیے تہران روانہ ہوگئے۔ جب ایران میں اسلامی نظام کے قیام کا اعلان ہوا تو مولانا مودودی جو گذشتہ دس سال سے جوڑوں کے درد میں مبتلا تھے اور ان کے لیے اپنے صحن میں بھی چلنا پھرنا دوبھر تھا۔ تو بقول جناب بشیر احمد بٹ سابق مینجر ادارہ ترجمان القرآن فرطِ مسرت سے مولانا محترم حیرت انگیز طور پر چند دن بالکل تندرستوں کی طرح صحن میں آتے جاتے رہے اور نمازوں میں شریک ہوتے رہے۔ وہ اس انقلاب کی کامیابی پر بے حد خوش تھے۔

امام خمینی بھی مولانا مودودی سے اتنی ہی محبت رکھتے تھے کہ انہوں نے کامیابی کے بعد سب سے پہلے اپنے نمائندے اپنا مکتوب خاص دے کر صرف مولانا مودودی کی خدمت ہی میں ارسال کیے تھے۔

مولانا مودودی اسلامی تحریکوں کے مزاج شناس تھے۔ وہ خود ایک اسلامی تحریک کے بانی تھے۔ ان کی نگاہ دور دور تک اسلامی تحریکوں اور ان کے کام اور مزاج کو پہچانتی تھی۔ خود میں نے جب مولانا مودودی سے ایران کی اسلامی تحریک کے بارے میں سوالات کیے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ ایک خالص اسلامی تحریک ہے اور یہ انقلاب ایک اسلامی انقلاب ہے، جس کے ذریعے ایک اسلامی نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ مولانا مودودی اسلامی تحریک، اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کے بارے میں دھوکا کھانے والے انسان نہیں تھے۔

۲۳ ایران اور بھارت

اسلامی جمہوریہ ایران کا بھارت کے بارے میں طرزِ عمل ایران سے باہر ہر مسلمان کو کھٹکتا ہے ۔ یہ طرزِ عمل ایک حق کی علمبردار اسلامی ریاست کو زیب نہیں دیتا ۔ یہ حقیقت ہے کہ گہری نظر سے مطالعہ کرنے والا ایران کا ہر دوست اور دشمن اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ اس کا طرزِ عمل بھارت کے بارے میں نہ حقیقت پسندانہ ہے اور نہ اسلامی حق پرستی پر مبنی ہے ۔ یہ مصلحت پر مبنی ہے ۔

اس وقت انڈیا اسرائیل سے بھی زیادہ اور بڑا مسلمانوں کا خوفناک مقتل ہے ۔ یہ واحد مُلک ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف نسل کُشی کے فسادات گذشتہ نصف صدی سے مسلسل ہو رہے ہیں ۔ وہاں ہر روز مُلک کے کسی نہ کسی حصّے میں مسلمانوں کے خلاف نسل کُشی کا فساد ہوتا ہے ۔ دُنیا کے سب سے زیادہ مظلوم مستضعفین ظلم کے لحاظ سے بھی اور تعداد کے لحاظ سے بھی ، بھارت میں پائے جاتے ہیں ۔ پھر وہ مظلوم مستضعفین بھی کفّار نہیں ہیں بلکہ کلمہ گو مسلمان ہیں جن کی حمایت اور نصرت دُنیا کے تمام مسلمان مُلکوں پر فرض ہے ۔ پاکستان کی تمام حکومتیں اگر نفاق اور بزدلی کے سبب ہندوستان کے مسلمانوں کی نصرت و حمایت سے معذور رہی ہیں تو ایران اس وقت عالمِ اسلام میں اسلامی نظام کے قیام کا واحد علمبردار اور اسلامی انقلاب برآمد کرنے کا واحد دعویدار ہے ۔ کیا ایران کے اسلامی حکمرانوں نے کبھی بھارت میں مظلوم مسلمانوں کی حالتِ زار کا گہرا مطالعہ کیا ہے جو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں شب و روز قتل کیے جاتے ہیں ۔ ان کا جرم اسلام ہے ۔

بھارت میں غیر جانب دار ملکوں کی عالمی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں چالیس سے زیادہ مسلمان ممالک شریک تھے۔ عین انہیں ایام میں آسام میں ۵ ہزار مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ مسلمان حکمرانوں میں سے کسی کے کان پہ جوں تک نہ رینگی۔ یہودی اخبار جیوئش کرانیکل نے لکھا کہ "بھارت کے صوبے آسام میں ایک طرف مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا اور دوسری طرف دنیا کے تمام مسلمان سربراہ اکٹھے ہو کر نئی دہلی میں بھارت کی مہمان نوازی کا لطف اٹھا رہے تھے"۔ وائے بر حالِ ما۔

آہ! مسلمانوں کے زخموں پہ نمک چھڑکنے اور ان کے سربراہوں کو دردِ ملت کا سبق دینے کے لیے بھی ظالم یہودی استاد ہی سامنے آئے۔ لیکن مسلمان سربراہ منہ میں گھونگھنیاں ڈالے کانفرنس میں بیٹھے رہے۔ کسی کو احتجاج کے طور پہ کانفرنس کا بائیکاٹ کرنے، قراردادِ مذمت پیش کرنے، واک آؤٹ کرنے یا کم از کم چند منٹ کی تعزیتی خاموشی اختیار کرنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اگرچہ یہ ساری کانفرنس مسلمان سربراہوں کی کثرت سے ہی پُر رونق تھی۔ ان کے نکل جانے پہ تمام کانفرنس یقیناً ناکام ہو جاتی۔ دیگر مسلمان ملکوں سے غیرت و حمیت کی زیادہ توقع تو بیکار تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے بے نیاز مخلوق ہیں لیکن ایران جیسے اسلامی حمیت و غیرت رکھنے والے ملک کو کیا ہوا تھا؟ ہم اس سے توقع رکھتے تھے کہ جس طرح وہ امریکہ اور روس کے مقابلے میں جرأت مند ہے، بھارت کے بارے میں بھی اسی جرأت اور غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرے گا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

یہ حقیقت بڑی تلخ ہے کہ ایران بُت پرست ظالم اور مکار بھارت کے خلاف انتہائی نرم گوشہ رکھتا ہے، جو مسلمانوں کے لیے اسرائیل سے بھی زیادہ ظالم اور خون آشام ہے۔ جب کہ ان دونو اسلام اور مسلمان دشمن ملکوں میں واضح گٹھ جوڑ بھی موجود ہے۔ اسرائیل اگر عرب ملکوں پر حملہ آور ہے تو بھارت پاکستان پر چار دفعہ حملہ آور ہو چکا ہے اور ایک بار تو اُسے توڑنے میں کامیاب ہو کر دو لخت کر چکا ہے۔ ایران کی بھارت کے بارے میں پالیسی اسلامی تقاضوں کے منافی ہے۔

۲۴ انقلابِ ایران اور اہلِ تشیع

انقلابِ ایران جہاں مسلمان دانشوروں، طالب علموں اور اسلامی تحریکوں کے علمبرداروں کے لیے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کی رونق ہے وہاں ایران سے باہر دیگر مسلمان ممالک میں اہلِ تشیع کا طرزِ عمل اس انقلاب کو فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے۔

ایک طرف انہوں نے اسلامی انقلاب کے علمبردار ہونے کے ہوتے اب تک اُس وسعتِ قلبی کا مظاہرہ نہیں کیا جو انقلاب کے داعیوں سے لوگ توقع رکھتے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے اسلامی انقلاب کے تقاضوں کے مطابق اپنا دینی اور سیاسی مسلک بھی متعین اور درست نہیں کیا۔ اب ان کے لیے بدعات سے بچنا اور سنتِ نبوی کی پیروی دوسرے عام مسلمانوں سے بھی زیادہ بڑھ کر ضروری ہے اس لیے کہ جس انقلاب کی حمایت کا وہ اعلان کرتے ہیں اس کے دامن کی وسعت سے ہی دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ وہ اب بھی ہر جگہ اپنے اپنے مسلمان ملکوں میں اسلامی تحریکوں سے گریزاں اور لادینی بلکہ اسلام دشمن تحریکوں

سے دلچسپی رکھتے ہیں اور انہیں کے ساتھ مل کر اپنی سیاسی جدوجہد کرتے ہیں حالانکہ تمام اسلامی تحریکیں مزاجاً اسلام کی خادم ہوتی ہیں۔ اور معمولی مسلک کے اختلاف کے ساتھ دینی مزاج کی ہم آہنگی انہیں اسلامی تحریکوں کے ساتھ مل کر ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی تحریکوں سے مل کر ہی اپنا مطلوبہ اسلامی انقلاب لا سکتے ہیں، جس اسلامی انقلاب کو مسلمان ملکوں میں برآمد کرنے کی بات ایران کے اسلامی انقلاب کے داعی حضرات کرتے ہیں اس انقلاب کو لانے کا ذریعہ کسی نہ کسی درجے میں اسلامی تحریکیں ہی ہوسکتی ہیں۔ لادین اور بدکردار لوگ تو نہیں ہوسکتے۔ لیکن اکثر جگہ یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسلمان معاشروں میں اہلِ تشیع کی کثیر آبادی اسلامی تحریکوں کے بجائے اسلام دشمن اور بعض اوقات تخریب کار تنظیموں سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ یہ افسوسناک بھی ہے اور ایران کے اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچانے والا طرزِ عمل بھی ہے۔

ایران کے انقلابیوں کو بھی چاہیے کہ وہ مختلف مسلمان معاشروں میں اسلامی انقلاب کی تعلیمات کے لیے اہلِ تشیع پر زیادہ انحصار کرنے کی بجائے اہلِ سنت گروہ کے صالح نوجوانوں کو اپنے اسلامی انقلاب سے متاثر کریں۔ اسی صورت میں ان کا انقلاب برآمد ہوسکے گا۔ اسلامی تحریکوں کے ساتھ بھی ان کا تعلق محبت اور رفاقت کا ہونا ضروری ہے۔ کسی ایک جگہ بھی ان کا کسی مصلحت یا مصالحت کے تحت ظالموں سے رفاقت اور اسلامی تحریکوں سے سرد مہری کا رویہ ایران کے اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے۔

۲۵ ایران اور پاکستان کا ٹیلی ویژن

ایران میں اسلامی انقلاب زندگی کے تمام شعبوں میں جس طرح اثر انداز ہو رہا ہے ان میں ٹیلی وژن کا شعبہ بھی بہت متاثر ہوا ہے۔ ہوٹل آزادی کے جس کمرے میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اُس میں ٹیلی وژن سیٹ بھی موجود تھا۔ جب کبھی فرصت ملی اور ہم نے اُسے کھولا تو اُسے بھرپور معلوماتی، تعمیری، ملی، تعلیمی، جغرافیائی، سائنسی اور اخلاقی پروگراموں سے معمور پایا۔ اُس میں کبھی بھی بیس بیس اقساط میں چلنے والی فلمیں نہیں دکھائی جا رہی تھیں اور نہ ہی اس پر نام نہاد روسی ترقی پسندوں کا قبضہ محسوس ہوتا تھا جو مسلمان عوام کو جنس کی افیون دے کر اس کی غلامی کے لیے تیار کرتے رہتے ہوں۔

معلوم ہوتا تھا کہ یہ ٹیلی وژن ایران کا اپنا ٹیلی وژن ہے اور وہ اپنی قوم میں جس میں نوجوان مسلمان بچیاں، بچے، والدین، اولادیں، شرفاء اور دیندار ناظرین ہیں، ان کو علم و عمل میں اضافہ اور مدد دینے کی کوشش میں مصروف ہے اس کے باوجود اس کے پروگرام نہایت درجہ دلچسپ، تعمیری اور نظریاتی تھے۔ اُسے دیکھنے کے بعد جب ہم اپنے ٹیلی وژن کو دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف سینما گھروں کی رونق کو کم کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہی وجود میں آیا ہے اور اس کا تعلق صرف ہیجانی اور یکسر غیر نظریاتی تفریح سے ہے۔ ہمارا ٹی وی اخلاقی قدروں سے یکسر آزاد ہے۔ مایوسی اور دین سے بیزاری پیدا کرتا اور ایک ایسی قوم بنانے کی سعی میں یہ ٹیلی وژن مصروف نظر آتا ہے جس کا معیار زندگی مادی، جس

کی ثقافت مغربی، جس کا قبلہ وکعبہ یورپ اور جس کا آئیڈیل مغربی تہذیب ہے۔

ایران کے ٹی وی کو دیکھنے کے بعد اپنے ٹی۔وی کی بد اطواری پہ انتہائی رنج ہوتا اور اپنی قوم کی بدقسمتی پر دُکھ ہوتا ہے۔ ہم ایسے لوگ ہیں جن کی نظریاتی باگیں اس کے نظریاتی دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں یا وہ اشتراکی، مغربی اور سیکولر لوگ ہیں اور یا ڈھوم بھانڈ اداکار، فن کار، رقاص، جوکر اور سازندے ہیں۔

ع وائے من، اے وائے من، اے وائے من

۲۶ علماء ایران اور علماء پاکستان

ایران میں جا کر ایک احساس یہ بھی ہوتا ہے کہ علماء ایران اور علماء پاکستان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قوم کی زبوں حالی، پس ماندگی اور اسلامی نظام سے محرومی کا سبب پہلے اگر ہم سیاستدانوں کو سمجھتے تھے تو ایران کی سیر کے بعد یہ احساس ہوا کہ ہماری پس ماندگی میں ہمارے علماء کا حصّہ نہ صرف کسی سے کم نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ حصّہ انہیں کا ہے۔

ایران کے علماء کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں ترقی پسندانہ ذہن کے ساتھ پیش قدمی کرتے اور مملکت کے تمام امور کو سلجھاتے ہوئے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جہاں وہ قدیم کتابوں کے حافظ ہیں اور اپنی گفتگو میں بے دریغ اپنی دینی کتب کے حوالے دیتے ہیں، وہاں وہ جدید علوم سے بھی آگاہ ہیں اور مغربی تہذیب کی بنیادوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ فرائیڈ، مارکس اور لینن کے نظریات سے بھی اچھی طرح آگاہ ہیں۔

کہیں وہ فارسی میں حالاتِ حاضرہ پہ تقریر کرتے ہیں تو کہیں فرفر عربی میں بلیغ مضامین بیان کرتے ہیں۔ عربی میں تقریر کرتے ہوئے وہ عرب معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جدید و قدیم علوم سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے انسان کو کبھی علم کے کسی گوشے میں بھی تہی دستی اور عدم آگاہی کا احساس نہیں ہوتا۔

وہ حالاتِ حاضرہ سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اپنے موقف کے لیے مضبوط دلائل رکھتے ہیں۔ وہ دُنیا کی قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے بھی واقف ہیں۔ وہ دُنیا کی قوموں کی خارجی پالیسی سے بھی آگاہ ہیں۔ اُن کے سامنے وہ لائحہ عمل بہت واضح ہے جس سمت کی طرف وہ معاشرے، ملّت اور انقلاب کو لے جانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں کہیں کہیں غرورِ علم بھی ہے لیکن اکثر کے اندر فروتنی اور تواضع ہی پائی جاتی ہے۔

ان میں ذہنی مرعوبیت بالکل نہیں ہے۔ وہ بہت خوددار ہیں اور ضمیر فروشی کی آسائش کے مقابلے میں پیٹ پہ پتھر باندھنے کے قائل ہیں۔ وہ مغرب و مشرق اور امریکہ و روس کے بارے میں بھی بہت صاف ذہن رکھتے ہیں۔ وہ اس تصوّر کے قائل ہیں کہ دُنیا صرف دو ہی حصّوں میں تقسیم ہے۔ حق و باطل اور کفر و اسلام۔ کفر و اسلام کے سوا دوسری کسی تقسیم کو وہ تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ امریکہ اور روس کی کشمکش بھی ان کے نزدیک ظاہری کشمکش ہے۔ ورنہ اُن کی تمام عالمی کانفرنسیں بس دنیا کی کمزور قوموں کو مل بیٹھ کر بانٹ کھانے کے فارمولے وضع کرنے کی ترکیبیں سوچنے کے لیے منعقد ہوتی ہیں۔ اور اگر مسلمانوں کا کوئی معاملہ سامنے آئے تو پھر اُن میں اتفاقِ عمل ہوتا ہے۔ وہ مسلمان اور اسلام کے بارے میں کبھی بھی باہمی اختلاف رائے نہیں

کرتے۔ علماء ایران کی یہ اپروچ اجتماعی ہے۔ ان میں اِس سلسلے میں کوئی تفریق یا اختلاف نہیں ہے۔

ہم نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں اہل تشیع حضرات کے بیسیوں فرقوں کا حال پڑھا تھا لیکن فرقوں کی بہتات تو آج صرف اہلِ سنّت میں ہی دکھائی دیتی ہے۔ ایران میں جائیے اور دیکھیے کہ وہاں علماء کرام سے زیادہ اتحاد بھی کسی گروہ میں پایا جاتا ہے۔ اتنا اتحاد، اتنی اخوت، اتنا بھائی چارہ، فتنۂ ہم عصری سے اتنی دُوری اور باہمی محبت و احترام کا اتنا اہتمام شاید ہی دُنیا کے کسی خطّے کے علماء میں دکھائی دیتا ہو جس قدر علماءِ ایران میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے، مسرت انگیز ہے اور دُنیا بھر کے تمام علماء اسلام کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

جب ہم نے اُن کے اتحاد اور اپنے ہاں کے افتراق کو دیکھا تو اُن کی کامیابی و کامرانی اور اپنی ذلت رسوائی کا راز فوراً سمجھ میں آگیا۔ واقعہ یہی ہے کہ جب تک مسلمانوں کے علماء باہم متحد نہ ہوں گے اور اہل فسق و فجور کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہیں گے کسی اسلامی نظام کا خواب دیکھنا روزِ روشن میں خواب دِیوانگی دیکھنے کے مترادف ہے۔

۲۷ ایران میں کمیونزم اور اسلام

ایران ہمیشہ روسی سامراج کی نظر میں رہا ہے۔ جب سے اس نے سُرخ اشتراکی سامراج کا لبادہ اوڑھا ہے اس کے سامراجی کردار میں نظریاتی شدت آگئی ہے۔ روس ایران کا قریب ترین ہمسایہ ہے جو ایک مدتِ دراز سے ایران کے معاملات میں مداخلت کے تمام ممکن مواقع پیدا اور استعمال کرتا رہا ہے۔ بیرونی طور پر سیاسی دباؤ اور اندرونی طور پر کمیونسٹ اور سوشلسٹ عناصر کی ریشہ دوانیاں اور تودہ پارٹی کے ذریعے روسی

مقاصد کو پورا کرنے کا اہتمام یہاں ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ روس خود ایک زبردست سیاسی آمریت اور سامراج ہے۔ وہ اپنے سامراجی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے دوسرے ملکوں میں اپنے زیرِ اثر اور زیرِ ہدایت سیاسی پارٹیاں بنواتا، ان کو خفیہ اور علی امداد دیتا اور ان سے جاسوسی اور تخریب کاری کا کام لیتا ہے۔ کمزور ممالک ڈیک کراس کی یہ صریحا زیادتی برداشت کرتے رہتے ہیں۔

شاہ کے دور میں ایران جو امریکہ کا فوجی اڈا تھا وہاں بھی کمیونزم مدتِ دراز سے کام کرتا چلا آ رہا تھا۔ پھر ایران میں یکایک اسلامی انقلاب آیا اور "لا شرقیہ لا غربیہ۔ اسلامیہ اسلامیہ" کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ نعرہ ایران کی اسلامی جمہوریہ اور مسلمان عوام کا پالیسی ساز نعرہ تھا۔ انھوں نے اپنے انقلاب کا آغاز مغرب کے سامراجی اثرات کے استیصال سے کیا اور مغربی طاغوت کی ایک ایک جڑ اکھاڑ کر پھینک دی۔ امریکی سفارتخانے کا جاسوسی اڈہ جس کی جاسوسی کی دستاویزات اب تہران کے فٹ پاتھوں پر فروخت ہوتی ہیں یرغمالیوں کے ساتھ پکڑی گئیں اور اسلامی انقلاب کی اس سخت گرفت سے امریکی طاغوت کے ایران میں گڑے ہوئے پنجے ڈھیلے ہو کر ٹوٹ گئے۔ اس طرح لا غربیہ کی پالیسی عمل میں آگئی۔

لیکن وہاں ابھی مشرق کا سامراج موجود تھا۔ وہ مجاہدینِ خلق کی تخریب کار تنظیم، تودہ پارٹی سرخ بے ضمیر صحافیوں کی کھیپ اور ذرائع ابلاغ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اسلامی انقلاب کے خلاف لگائے ہوئے تھا۔ ایران کے دستور نے جب اسلام کو مملکت کی بنیاد اور ہر غیر اسلامی نظریے کو مملکت کا دشمن نظریہ قرار دیا تو حکومتی سطح پر ڈاکٹر بہشتی کے زیرِ سرکردگی ایران ٹیلی ویژن پر "اسلام اور کمیونزم" کے نظریات پر ایک علمی مذاکرہ ہوا جس میں اسلام اور کمیونزم کے انفرادی اور اجتماعی نظریات، معاشی اور سیاسی تصورات، اخلاقی اور روحانی خیالات، ملکی اور بین الاقوامی رجحانات

اور مختلف سمتوں میں باہمی موافقت و مخالفت کے تمام ممکن نکات زیر بحث آئے۔ دلائل نے مندرجہ ذیل چیزیں ثابت کیں جسے سارے ملک کے عوام نے دیکھا اور سنا۔ یہ بات ملکی سطح پر ثابت کردی گئی کہ ؛

۱۔ کمیونزم اسلام سے متصادم اور متحارب نظریہ ہے۔

۲۔ اسلام کے مقابلے میں کمیونزم اور سوشلزم دین ، مذہب ، اخلاق اور انسانیت کے وسیع تر تصورات کا دشمن ہے۔

۳۔ یہ محض ایک معاشی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کے اجتماعی، انفرادی، سیاسی، اخلاقی اور مابعد الطبیعیاتی نظریات ہیں جو سراسر اسلام سے متصادم ہیں۔ جو شخص کمیونزم کو تسلیم کرتا ہے وہ اس کے معاشی نظریات کو سمجھ نہیں سکتا جب تک اس کے دوسرے اجتماعی نظریات کو بھی تسلیم نہ کرے۔

۴۔ جہاں کمیونزم نافذ ہو وہاں اسلام نہیں چل سکتا اور جہاں اسلام نافذ کیا جائے۔ وہاں کمیونزم کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۵۔ کمیونزم کی داعی تمام تنظیمات روس کی جاسوسی کرتی ہیں اور وہ اپنے ملک کی غدار اور روس کی ایجنٹ ہوتی ہیں۔ ان کا کام اپنے ملک میں روسی اثرات کو بڑھانا پھیلانا اور جمانا ہوتا ہے۔

۶۔ اگر روس کسی ملک کے خلاف کارروائی کرنا چاہے تو ان سوشلسٹ تنظیمات ، افراد اور اداروں کا کام روس کے ان اقدامات کے لیے جواز فراہم کرنا، فضا ہموار کرنا اور ان اقدامات کو کامیاب کرنے کے لیے رائے عامہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ اس کا کام محبِ وطن عناصر کو بلیک پینٹ اور بلیک آرٹ کرنا ہوتا ہے۔

ان حقائق کے منظر عام پر آنے کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران نے " لاشرقیہ" کی پالیسی کے نفاذ کا آغاز کیا اور اپنے جرائم کا خود اعتراف و احتراز کرنے والی

تنظیمات کو خلافِ قانون قرار دے دیا پھر ایسے افراد کے خلاف اسلامی ریاست کے آئین کے تحت مقدمات قائم کیے جو ان نظریات کو ملک میں پھیلا کر اسلامی انقلاب کو ناکام اور سوشلزم کو ملک میں رائج کرنا چاہتے تھے۔

یہ ایک واضح، اصولی اور نظریاتی اقدام ہے جس کے ذریعے ایک اسلامی ریاست اپنی حدود میں منافقت کے ماحول سے بچ کر خالص اسلامی نظام نافذ کر سکتی ہے۔ یہی وہ سیدھا سادا طرزِ عمل ہے جو ہر نظریاتی اور اصولی گروہ اپنے نظام کے نفاذ کے لیے اختیار کرے گا۔ خود روس نے بھی اپنے اشتراکی نظام کے نفاذ کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا تھا اور وہ اب تک مذہب خصوصاً اسلام کے خلاف مسلسل مہمات چلاتا رہتا ہے جب کہ اسلام سوشلزم کی طرح کا کوئی تخریبی نظریہ بھی نہیں ہے جو خفیہ تخریب کاری کو رواج دیتا ہو۔

ایران نے تو انقلاب اسلامی کے بعد ہی اپنے آپ کو اسلامی ریاست قرار دیا ہے جب کہ پاکستان اپنے یومِ تشکیل سے بھی کئی سال پہلے اپنی تحریکِ تشکیل کے دوران میں ایک موعودہ اسلامی ریاست قرار پا چکا تھا اور اب اسے قائم ہوئے بھی صدی کا چوتھا دہہ ختم ہو رہا ہے لیکن افسوس کہ یہاں کا طرزِ عمل نرالا ہے۔ یہاں سوشلزم، کیمونزم، بھارتی متحدہ نیشنلزم، سیکولرازم، علاقائی نیشنلزم وغیرہ کی تحریکات خوب چلتی رہتی ہیں اور ساتھ ہی حکومت بھی اسلامی نظام نافذ کرنے کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔ یہاں بعض سیاسی پارٹیاں بھی سوشلزم کو نافذ کرنے کی بات کرتی رہتی ہیں لیکن یہاں کے نظریاتی ماحول میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھتا کہ اگر یہاں کا بنیادی نظریہ اسلام ہے تو پھر یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والوں کا کیا مقام ہے۔ اس بنیادی بات کو یہاں نہ کوئی سنتا ہے اور نہ مانتا ہے۔ نظریاتی حکمرانوں اور بے نظریہ حکمرانوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہمیں اسلامی نظام سے بھی پہلے اسلامی نظریاتی حکمرانوں کی ضرورت ہے۔

تاثّرات

انقلابِ ایران کی تقریبات میں شرکت کے لیے جہاں مختلف ملکوں سے اسلامی تحریکوں کے نمائندے آئے وہاں پاکستان سے بھی انقلابِ اسلامی کے بہت سے کارکن پہنچے تھے۔ ان میں بعض حضرات ایسے تھے جنہیں مدعو کیا گیا تھا اور بعض اہلِ جذبہ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلامی انقلاب کے قریبی مطالعہ کے لیے اپنے جذبۂ ذوق وشوق کی تسکین کے لیے اپنے طور پر براہِ راست خود گئے تھے۔ ان میں گوجرانوالہ سے تحریکِ اسلامی سے وابستہ جواں سال اور جواں ہمت ہمارے چھ سات ساتھیوں کا ایک قافلہ بھی شامل تھا جن میں محترم حافظ رشید احمد انصاری مالک حافظ بیکرز، عزیزم محمد اشفاق مشتاق اینڈ کمپنی، برادرم عبدالرزاق ٹمبر مرچنٹ، ڈاکٹر توقیر احمد اور برادرم مجیب الرحمٰن بٹ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان حضرات نے اپنے طور پر انقلاب اور اس کے نتائج کا گہرا مطالعہ کیا، وہ بہت پُرجوش تھے۔ انہوں نے مختلف مندوبین کے انٹرویو بھی لیے اور ان کے تاثرات بھی معلوم کیے۔ اس باب میں ہم محترم حافظ رشید احمد انصاری اور انکے رفقاء کے جمع کردہ تاثرات پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے مندوبینِ تقریباتِ انقلاب سے فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے حاصل کیے۔ یہ بھی چونکہ اس سفر کی ایک قیمتی دستاویز ہے اس لیے اسے ریکارڈ پر لانا بہت ضروری تھا۔ یہ وہ چشم دید شہادتیں ہیں جو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے غیر جانبدار شرکاء تقریبات نے ایران کے اسلامی انقلاب کے بارے میں خود پیش کی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شہادتیں مغربی اور اشتراکی ملکوں کے

ذرائع ابلاغ کی طرف سے انقلاب ایران کے خلاف پھیلائے ہوئے جھوٹے پروپیگنڈے کے مقابلے میں زیادہ معتبر اور قابلِ اعتبار ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ایران کے اسلامی انقلاب نے مغرب کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی ملحدانہ قوتوں کو چونکا دیا ہے۔ اسلام کا ایک نظریاتی تیسری قوت بن کر ابھرنا انہیں گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی طرف سے مشترکہ طور پر ویسی ہی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پھیلائی جا رہی ہیں جیسی اسلام اور اسلامی تحریکوں کے بارے میں مغربی سرمایہ دار اور اشتراکی ممالک پھیلاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں ماسکو ریڈیو اور بی بی سی کی پالیسی میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ عالمِ اسلام کے سنجیدہ عوام کو ان شہادتوں کی روشنی میں انقلابِ ایران کا بے لاگ مطالعہ کرنا چاہیئے۔

○

" یہ انقلاب خالص اسلامی ہے۔ مسلمانوں کے لیے خدا کا پیغام ہے — وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا — اس پر کاربند ہونے سے ہر جگہ مسلمان ایسا انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔" ۱۰-۲-۸۳

(میر واعظ مولوی محمد فاروق — سری نگر، مقبوضہ کشمیر)

○

" میں ایرانی انقلاب سے متاثر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسلامی نظام قائم کرنے والوں کو مزید توفیق عطا فرمائے۔" ۱۰/۲/۸۳ (سید ظفر علی شاہ، امام مسجد جامع المدینہ واٹرلو روڈ، انگلینڈ)

○

" میں نے پاکستان میں انقلاب ایران کے بارے میں کافی باتیں سنی تھیں جو مخالف اور موافق تھیں۔ کہتے تھے کہ یہ مولویوں کا کھیل ہے اور عوام کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں مگر اب یہاں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ خالص عوام کا لایا ہوا اسلامی انقلاب ہے۔

اس میں کسی فرقہ کو تعصب کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس میں عدل ہے جمہوریت ہے، اس کی تمام چیزیں اسلامی انقلاب کی عکاسی کرتی ہیں۔" ۸۳-۲-۱۰

(سیّد تنظیم حیدر بلاک ۳۲ بیت الشفا، سرگودھا)

○

"میں نے ایران میں اہلِ ایران کو سراسر جذبۂ اسلام میں سرشار دیکھا۔ ان کا یہ جذبہ سطحی نہیں بلکہ خالصتاً قلبی ہے۔ یہ سب مظاہرات جو ایک عام بات سے لے کر نماز تک نظر آرہے ہیں سب کے سب اسلام کی کامیاب تحریک کا نتیجہ ہیں یہ وہ تحریک ہے جس کے قائد حضرت امام خمینی ہیں جنہوں نے تاریخِ ایران کا نقشہ بدل دیا ہے۔ یہ کارنامہ قابلِ تقلید ہے۔" ۱۱/۲/۸۳ (پیر عبدالمجید ۔ دیول شریف، راولپنڈی)

○

"اس انقلاب نے ثابت کیا ہے کہ اگر ذاتِ باری تمام عالمِ اسلام کو متحد کر دے اور تمام مسلمان یک خیال اور متحد ہو کر قرنِ اوّل کے شعار کو اپنائیں تو اسلام ایک بار پھر نافذ اور جاری ہو سکتا ہے اور خلافتِ راشدہ کے زمانے کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔"

میاں محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ ۸۳-۲-۱۳
صدر پشاور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن

○

"ایران میں اسلامی انقلاب ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اس میں علماء کرام کی عزت افزائی اور قدر دانی کا اہم کردار ہے۔ اس نے شیعہ و سُنی اختلافات کو کافی حد تک ختم کر دیا ہے۔ اب یہ دونوں متحارب اسلامی گروہ آپس میں مل بیٹھ کر باہمی تبادلۂ خیال کرتے ہیں حتیٰ کہ نماز تک ایک دوسرے کے پیچھے پڑھنے لگے ہیں۔ دُنیا کی بڑی طاقتوں کے خوف و ہراس لوگوں کے دلوں سے نکال دینے میں اس انقلاب کی قابلِ ذکر خدمات

میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اسلام اور صرف اسلام ہی قابلِ قبول دَورِ زندگی کے ہر شعبے میں فائدہ مند طرزِ زندگی ہے۔ یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آئی ہے " لاشرقیہ لاغربیہ ، اسلامیہ اسلامیہ " کا نعرہ عالمِ اسلام کی نجات کی واحد راہ ہے۔ ہم سب کو اس پر عمل کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ۸۳-۲-۱۲

فقیر محمد تمیز الدین سرکار
امام مرکزی مسجد ڈھاکہ

○

" میرا یہ دَورہ میرے لیے آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ انقلاب کے حوالے سے ائرپورٹ پر فوجیوں کے مورچے اور پہرے ہوں گے لیکن معلوم ہوا کہ یہ انقلاب تو مسلمان عوام کا اپنا لایا ہوا ہے اور وہی اس کے محافظ ہیں۔ افسر، علما، عوام، پاسدارانِ انقلاب سب باہم گھُلے ملے ہوئے ہیں۔ یہ واقعی عوامی اور اسلامی انقلاب ہے۔ یہاں جرائم بھی ختم ہو گئے ہیں۔ یہ انقلاب دُنیا بھر پر اثر انداز ہو گا۔" ۸۳-۲-۱۲

احمد جونوگین (نومسلم)
مانچسٹر، انگلینڈ

○

" یہ انقلاب عوام کے دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انقلاب دیرپا ہو گا۔ دوسری بات جہاد ہے جو دشمنوں اور بُرائیوں کے خلاف جاری ہے۔ یہ جاری رہے گا تو انقلاب بھی جاری رہے گا۔ یہ خالص عوامی اور اسلامی انقلاب ہے۔

میگت احمد ثانی ۸۳-۲-۱۰
سیلان گور — ملائشیا

○

" ایران کا یہ انقلاب برحق ہے۔ اسلامی ہے، دولتِ حق پھیلانے کے لیے ہے۔ مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے ہے، کتاب اللہ کریم کے لیے ہے، کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت کے لیے ہے۔ یہ کامیاب ہوگا۔" ۸۳-۲-۱۱

علی عبداللہ —— برازیل

○

" یہ انقلاب اسلام کی نمائندگی کرتا ہے۔ عوام کے دلوں کی آواز ہے۔ مسلمانوں کو دوبارہ عظمت دلانے کا ذریعہ ہے، غیر مسلموں کے لیے اسلام کا عملی مطالعہ کرنے کا نمونہ ہے۔ لیکن اس کے خلاف پروپیگنڈہ اس قدر زیادہ ہے کہ دُکھ سے اسے نہیں سمجھا جاسکتا۔"

محمد ابوبی اوگر (نومسلم) ۸۳-۲-۱۰

مغربی جرمنی

○

" میں نے ایران میں ایک ایسی قوم دیکھی ہے جو مکمل طور پر اسلام کی خدمت اور نفاذ پر مامور ہے۔ وہ مستضعفینِ جہاں کی خادم ہے۔ یہ انقلاب ہمیں صدرِ اول کے اسلامی انقلاب کی یاد دلاتا ہے۔ یہ امریکن مادہ پرستی اور اشتراکی الحاد سے آزاد اور جنگ آزما ہے۔ یہ قوم توحید، جہاد اور شہادت پر قائم ہوگئی ہے جسے بیشتر مسلمان قوموں نے بھلا دیا ہے۔ یہ کوئی شیعہ ریاست نہیں ہے جیسے کہ اکثر سُنّی علما اس پر الزام لگا رہے ہیں۔ یہ ایک خالص توحیدی اور اسلامی ریاست ہے جس میں شیعہ سُنّی اکٹھے رہتے ہیں اور عدل، حرّیت اور انسانی آزادی اور وقار کے لیے اسلام کی خاطر جنگ آزما ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایران کے مسلمانوں کی طرح دنیا کے سارے ہی مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔"

افضل نگدف - ٹرانسوال ۸۳-۲-۱۰

جنوبی افریقہ

○

”لندن میں رہ کر ایران کے انقلاب کے بارے میں بے شمار باتیں سُنی تھیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ جس رنگ میں اس انقلاب کو پیش کر رہے ہیں یہاں آ کر اسے بالکل مختلف پایا۔ مغرب محسوس کر رہا ہے کہ اسلام ان کے لیے خطرہ بن سکتا اور مسلمان ملکوں میں ان کے مفادات کو ختم کر سکتا ہے اسی لیے وہ انقلابِ اسلامی ایران کو تباہ اور مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایران میں عدم استحکام پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔“

احمد (نومسلم) ۔ لندن ۸۳-۲-۱۱

○

”ایران آنے سے پہلے یہاں کے انقلاب کی خبریں بہت کچھ گمراہ کُن سُنی تھیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ ایرانی مسلمان تو کسی مادی مقصد کے لیے یہ انقلاب نہیں لائے بلکہ ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول اور دنیا میں اسلامی نظام کا قیام ہے۔ یہ چیز ہم نے یہاں آ کر اپنی آنکھ سے دیکھی اور اپنے کان سے سُنی ہے۔ وہ اُمّتِ مسلمہ کا اتحاد چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی فلاح اتحادِ ملت میں ہے۔ وہ پوری اُمّتِ مسلمہ کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے ان کو مخلص اور خالص مسلمان اور اسلام کے شیدائی پایا ہے۔ ان کا انقلاب بھی خالص اسلامی انقلاب ہے۔ بی بی سی اور دوسرے مغربی ذرائع ابلاغ کی خبریں ناقابلِ اعتماد ہیں۔ وہ سب مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف بدگمان کرنا ان کا پیشہ ہے۔ ہم سب کو اسلامی انقلابِ ایران کی تائید اور حمایت کرنی چاہیئے۔“

رباب ۔ ایس ۔ واسطی
ممباسہ ۔ کینیا ۸۳-۲-۱۴

○

”مَیں نے سُنا تھا کہ یہ شیعہ انقلاب ہے لیکن یہاں آ کر محسوس ہوا کہ یہ اسلامی اور توحیدی انقلاب ہے۔ ان میں کوئی عصبیت نہیں ہے۔ یہ اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے

اور اس میں سرشار ہیں۔ جو لوگ اس اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے میں مصروف ہیں اللہ تعالےٰ ان کے مکر کی چال کو ناکام کر دے گا۔ انشاء اللہ!" ۸۴-۲-۱۰

محمد اکمل۔ مڈکس، انگلینڈ

○

"ایران کا انقلاب یقیناً حیرت انگیز ہے۔ یہاں علما، برسرِ اقتدار ہیں اور دنیا کی نگاہیں ایران پر لگی ہوئی ہیں کہ علماء یہاں کس طرح اسلامی احکام نافذ کرتے ہیں۔" ۸۳-۲-۱۳

محمد ضیاء الحق دہلوی۔ مٹیا محل، دہلی

○

"ایران کا اسلامی انقلاب، عالمِ اسلام کی ہزار سالہ تمناؤں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ قرآن پاک کی بنیاد پر یہ ایک حیرت انگیز انقلاب ہے جس کی قدر افزائی عالمِ اسلام کے ہر گوشے سے ہونی چاہیئے۔ چونکہ اس انقلاب کو ابھی چند ہی برس گزرے ہیں اس لیے اس میں کچھ جزوی خامیاں بھی ہیں مگر اُمید ہے کہ جلد ہی ان خامیوں پر یہ اپنی دینی بصیرت کے پیشِ نظر قابو پا لیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس انقلاب کو قائم و دائم رکھے اور اس کے خوش گوار اثرات سارے زمانے میں پہنچائے۔" ۸۳-۲-۱۳ احمد سجاد

پروفیسر ادبیات اردو۔ رانچی، بہار۔ بھارت

○

"اس انقلاب کو شیعہ انقلاب کہنا ظلم ہوگا اور ایک زندہ حقیقت سے گریز۔ وہ لوگ جو میدانِ عمل میں آنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اسے انقلابِ اسلام نہیں مانتے اپنے شکست خوردہ ذہن کی غمازی کرتے ہیں۔ یقیناً اس میں بہت سی خامیاں نظر آئیں گی لیکن ایمان باللہ اور تقویٰ اس کی بنیادی باتیں ہیں اور یہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ مسلمان

نوجوانوں کے لیے اس انقلاب نے ایک ایسی راہ دکھائی ہے جس کی مثال صدیوں سے دُنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ خدا اس کی نصرت فرمائے۔ ۸۳-۲-۱۲

عبدالعلی خاں

بلند شہر۔ یوپی (انڈیا)

○

"ان الدین عند اللہ الاسلام حکمِ خدا ہے اس لیے دین دراصل شریعتِ خدا کی حکمرانی کا نام ہی ہے۔ خدا کے قانون کو ہی شریعت کہتے ہیں اور اس قانون کی اطاعت کا نام عبادت ہے۔

ایران میں اس بات کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ ریاست قرآن و سُنّت کی بُنیاد پر قائم ہے اس لیے یہ اسلامی ریاست ہے اور اب ان کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی فقہ پر عمل کریں اور جہاں بھی اسلامی حکومت قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم ہوگی وہ اسلامی حکومت ہی ہوگی اور وہاں کی اکثریت کی فقہ کے مطابق ہی عمل ہوگا۔" ۸۳-۲-۱۱

عزیز الرحمٰن، ناظم اتحاد العلماء،

بلوچستان، کوئٹہ

○

"یہ ایک مکمل اسلامی انقلاب ہے۔ دَورِ حاضر میں انقلاب کا ایک ہی راستہ ہے جو ایران نے اپنایا ہے۔ دیگر مسلمان ملکوں میں بھی اسی راستے کو اپنانا چاہیئے۔" ۸۳-۲-۱۲

سید امان اللہ

سابق ناظم اسلامی جمعیتِ طلبہ، بلوچستان پاکستان

○

"ایران کا انقلاب اسلامی ہے۔ یہ اس دَور کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ قبیلہ،

فرقہ، رنگ، نسل سے بالاتر ایک انقلاب ہے۔ ظلم و ستم کے خلاف کمزوروں اور محروموں کے حق میں اسلام کی قوت کے ساتھ اس میں مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، نوجوانوں سب نے حصہ لیا ہے اور اپنا اسلامی فرض ادا کیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ دوسرے مسلمان ملکوں کے مسلمان بھی اپنا یہ فرض ادا کریں۔ اس انقلاب کے ذریعے مسلمان خدا کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ایران میں ہم کلمۂ توحید کی اس سربلندی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔" ۱۱ ۸۳/۲

محمد زکی السویج

بنکاک۔ تھائی لینڈ

○

"جنگ میں ایرانیوں کی جرأتِ ایمانی اور جذبۂ قربانی و شہادت قابلِ تعریف ہے۔ یہاں کا ہر مسلمان اپنے آپ کو اسلام کا سپاہی سمجھتا ہے۔ یہ انقلاب ایک نظر دیکھنے سے ہی خالص اسلامی انقلاب دکھائی دیتا ہے۔ مسلمانوں کو متحد ہو کر اس انقلاب کو عالمی سطح پر برپا کرنا چاہیئے۔ امام خمینی دنیا کے تمام مسلمان قائدین میں زیادہ عالم، بہادر، جرأت مند اور مدبر ہیں۔ یہ عالمِ اسلام کے اچھے سپاہی ہیں۔ کاش عرب ممالک اور عالمِ اسلام امام خمینی سے لڑنے کے بجائے ان سے اسرائیل کے خلاف کام لیتے۔ اسرائیل کے خلاف لڑنے کے لیے امام خمینی اور ایرانی قوم سے زیادہ موزوں کوئی قوم نہیں ہے اور وہ اسرائیل کو دشمن نمبرا قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ دوست دشمن کی شناخت کر سکیں۔"

عبداللہ ــــ دارالسلام تنزانیہ   ۱۴ - ۲ - ۸۳

○

"یہ میری خوش بختی ہے کہ میں ایک اسلامی انقلاب کی سرزمین میں سانس لے رہی ہوں۔ یہ اللہ کا کرم ہے۔ میرے پاس اللہ کے اس احسان پر شکر کرنے کے لیے الحمدللہ کے سوا اور کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ انقلابِ ایران اسلام کا عملی اظہار ہے۔ یہ اللہ کے احسانِ عظیم کا مظہر

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنین سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ امام خمینی نے اللہ کے دین کی کامیابی کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ پوری قوم اسلام کے جوشِ عمل سے سرشار اور لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایران کی مسلمان عورت نے اپنا تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ ظلم وستم کے مقابلے میں ایرانی عورت نے اپنے بچوں، بھائیوں، بہنوں، شوہروں اور خود اپنے آپ کو پیش کرکے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ ان پر خالص اللہ کا کرم ہے۔ انہوں نے مشرق ومغرب کی ذہنی غلامی کو رد کرکے خالص اسلام کا جھنڈا اٹھایا ہے۔ یہ کام جذبۂ شہادت کی قوت سے سرانجام پایا ہے جو مردوں اور عورتوں میں مساوی طور پر موجود ہے۔ الحمدللہ اللہ اکبر۔" ۸۳-۲-۱۱

منیرہ عفیفہ۔ واشنگٹن (امریکہ)

○

"میں نے جنوبی افریقہ سے آکر ایران میں یہ دیکھا ہے کہ امام خمینی کے ساتھ ایران کے عوام کی بے پناہ محبت ہے اور ان کی قیادت میں ایرانی قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے مجھے بذاتِ خود ان کی تقریر سننے کا موقع ملا ہے جس میں معلوم ہوا کہ ان کی توجہ مسلمانوں کے اسلامی ممالک کے اتحاد پر بہت زیادہ ہے۔ ایرانی قوم ان کی قیادت میں ترقی کر رہی ہے۔ یہ قوم فارغ البال اور خوشحال ہے۔ اس پر جنگ دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے مسلط ہوئی ہے۔ مسلمان ممالک کا فرض ہے کہ اس جنگ کو انصاف کے ساتھ بند کرائیں۔ ۸۳-۲-۱۱

صلاح الدین مشرقی ٹرانسوال
جنوبی افریقہ

○

"اللہ کو دینِ اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں ہے اور امام خمینی نے ایران میں اللہ کا دین غالب کیا ہے۔ یہ ان کا زبردست اسلامی کارنامہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے دل اسلام

کی طرف یکسُو ہونے کی دُعا کرتے اور ایرانی مسلمانوں کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھیں۔" الشیخ اکرم - یربک - لبنان ۱۲-۲-۸۳
بعلبک

○

"ایران کا اسلامی انقلاب اسلامی تاریخ کا موڑ ہے۔ اب انشاء اللہ اسلامی ممالک میں اسلامی انقلابات آئیں گے۔" لطیف ادریس ۱۴-۲-۸۳
و لوڈیل، کنیڈا

○

"میں ایران کے انقلاب کو خالص اسلامی انقلاب سمجھتا ہوں۔ اگر کچھ غلط فہمی تھی تو اسے ایران میں آکر اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دُور ہو گئی ہے۔ ایران کے مسلمان نے دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ دوسرے مسلمان ملکوں کے مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ ادا کرنے کی توفیق دے۔"
شیخ احمد سلیم، لبنان ۱۲ ۲/۸۳

○

"میں نے استقلالِ جمہوریۂ ایران میں شرکت کر کے جو روحانی اور ایمانی مسرت اور تقویت محسوس کی ہے اس کو تفصیلی طور پر بیان کرنے سے یقیناً معذور ہوں۔ جو اسلامی اور روحانی انقلاب اس ملک میں آیا ہے وہ یقیناً یہاں کے عوام کے ایمانی جذبات کی زندہ اور جاگتی تصویر ہے۔ یہ انقلاب ہم کو پیغام دیتا ہے کہ اگر صداقت اور حق کے لیے مسلمان میدان میں آکر اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان کر دیں تو پھر دُنیا کی تمام طاقتیں اُس کے سامنے نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کی پُشت پر اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خدائے قادر و توانا ذوالجلال وحدہٗ لاشریک اس مملکتِ ایران کو کامل کامیابی عطا فرمائے اور تمام دشمنانِ اسلام خارجی اور

باطنی کو ان کے ناپاک منصوبوں اور ریشہ دوانیوں میں شکست نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔"

مفتی سید مبارک شاہ گیلانی

خطیب ضلع پشاور و خطیب جامع مسجد مہابت خان ۱۴-۲-۸۳

○

"جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ تمام مسائل میں ایرانیوں کا اسلامی نقطۂ نظر کا اہتمام ہے۔ وہ ہر مسئلے میں اسلام کو رہنما اصول بناتے ہیں۔ یہی کامیابی اور صحیح عمل کی علامت ہے۔ دوسری بات ان میں پوری ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کے لیے کوشش کرنا ہے۔ تیسری بات دنیا کی سُوپر طاقتوں کو چیلنج اور جرأتِ ایمانی ہے جن طاقتوں کا اصول مسلمانوں کو تقسیم کرکے ان پر حکومت کرنا ہے۔ ایران کا موقف ان غارت گر قوتوں کے بارے میں اسلامی اور مومنانہ ہے۔" ۱۴-۲-۸۳

حمیدہ آساہار ماجی

تنزانیہ

○

"ایران میں آکر یہ انقلاب میری توقعات سے بھی زیادہ بلند اور اعلیٰ محسوس ہوا ہے۔ اس میں روحانیت بھی ہے اور خدمت بھی۔ ایران کے مسلمانوں کو دیکھ کر مجھے اچھے مسلمان ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا ہے۔ مَیں اب اپنے دل میں مسلمان ہونے پر نہیں شرماتی۔ ہم مسلمان اب انشاءاللہ دنیا میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ایران کا انقلاب ہم سب کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔"

مسز کے علی بھائی —— دارالسلام تنزانیہ ۱۴-۲-۸۳

○

"مَیں ایران کے اسلامی انقلاب سے بیحد متاثر ہوا ہوں مَیں اس پر فخر کرتا ہوں۔ مَیں اسے عالمِ اسلام کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔ مَیں دُنیا کے مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اس نمونے کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی انقلاب لانے کی کوشش کریں۔"

انور راج ہر

غزالی روڈ، کراچی

۱۴-۲-۸۳ ○

"مَیں ناروے سے آکر ایران میں یہ دیکھ کر حیران ہوا ہوں کہ ایرانی عوام امام خمینی سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اور جب بھی مَیں کسی گلی کوچے سے گزرا تو ہر جگہ دیواروں پہ امام خمینی کے حق میں نعرے دکھائی دیئے اور ہر شخص یہاں اسلامی انقلاب سے بہت خوش ہے۔ واقعی اب ایران ایک اسلامی حکومت اور اسلامی ملک بن گیا ہے۔ انشاءاللہ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اب دُنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی اسلامی انقلاب آئے گا اور ہر جگہ اسلامی قانون نافذ ہوگا اور پھر سارے اسلامی ملکوں میں اتفاق ہو جائے گا۔" ۱۴ ۲/۸۳ سید حسین۔ اوسلو، ناروے

○

"جب ہم نے ایران کے انقلاب کا ذکر اخبارات میں پڑھا تو ذہن میں یہ خیال آیا کہ چونکہ ایران کی آبادی زیادہ تر شیعہ مسلمانوں کی ہے اسلئے یہ انقلاب بھی شیعہ نظریات کو اجاگر کرتا ہوگا اور شیعہ نظریہ کی بالادستی کیلئے ہوگا۔ لیکن جب مَیں نے یہاں کے علماء اور زعماء خاصکر آیت اللہ جنّتی، آیت اللہ منتظری اور امام خمینی کی تقاریر سُنیں تو اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ انقلاب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مقصد کے لیے برپا ہوا ہے اور اس سے سُنّی شیعہ اختلافات کو مکمل طور پر ختم کر کے یہ عالمِ اسلام کی برتری اور سرفرازی کے لیے ہے۔ اس انقلاب نے لوگوں کے ذہن پر نمایاں اثر ڈالا ہے اور لوگوں کو حتی المقدور اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور اسلامی طرزِ حیات پر لانے کی کوشش ہے۔" ۱۴ ۲/۸۳ منظر قدوسی — ایڈیٹر صدائے سحر بنگلور

○

"ایران نے اللہ کے فضل سے ایک شاندار مثال عالمِ اسلام کے سامنے پیش کی ہے بلکہ یہ خود غیر مسلموں کے سامنے بھی کامیاب مثال ہے۔ ایران کی موجودہ قیادت عالمِ اسلام کے تمام دیگر ممالک کی قیادت سے زیادہ مضبوط، راست گفتار، جرأت مند اور مدبر ہے۔ ایران کی قیادت نے حیران کُن کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسلامی لٹریچر کی تیاری، اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کیلئے پوری قوم کا انہماک ایک زبردست اخلاقی، معاشرتی اور نظریاتی انقلاب بھی ہے۔ مَیں اپنے جذبات اور تاثرات کو پورے طور پر بیان نہیں کر سکتی۔ مَیں تو محسوس کرتی ہوں جیسے موجودہ ایران زندہ جنّت کی مانند ہے جس میں ظلم و ستم نہیں ہے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایرانی مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے اور امام خمینی کو عمرِ دراز۔" ۱۴-۲-۸۳ مس نرگس خان۔ نیروبی، کینیا

○

سیّد اسعد گیلانی کی مرتب کردہ

دو اہم کتابیں

اسلامی حکومت

از: امام روح اللہ خمینی

وہ انقلابی کتاب جس میں
انقلابِ ایران کے خد و خال اور
اس کا بنیادی فلسفہ ولایتِ فقیہہ دیکھا جا سکتا
ہے جسے مولانا نصر اللہ خاں خازن نے
شستہ اُردو قالب میں ڈھالا ہے۔

صفحات: ۲۲۴، بڑے سائز کی قیمت: ۳۰/- روپے

انقلابِ ایران - چار مفصل مقالات

جو ایران میں ـــــ اسلامی انقلاب کی جدوجہد
اسلامی تحریک کی تاریخ
رہبرِ انقلاب امام خمینی کے حالاتِ زندگی اور
ملوکیت کے خلاف مسلمانانِ ایران کی انقلابی جدوجہد
کی ایمان افروز کہانی بیان کرتے ہیں۔

صفحات: ۲۷، بڑے سائز کی قیمت: ۶/- روپے

ـــــ ملنے کا پتہ ـــــ

اسلامک انٹرنیشنل پبلشرز
اُردو بازار، لاہور

اسعد گیلانی کی دوسری علمی، ادبی، دینی اور انقلابی

تصانیف

ذرّاتِ درخشاں	۱۲/- روپے
رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب	۶۰/- "
حضورِ اکرمؐ اور ہجرت	۲۰/- "
رسولِ اکرمؐ کا معیارِ زندگی	۳/- "
اقبال، دارالسلام اور مودودی	۲۸/- "
تشکیلِ پاکستان	۱۵/- "
سید مودودی - دعوت و تحریک	۴۲/- "
" " (انگریزی)	۱۰۰/- "
" " (عربی)	۱۰۰ "
سید مودودی، بچپن، جوانی، بڑھاپا	۲۰/- "
چوہدری علی احمد خان	۲۰/- "
مسلمان کے روز و شب	۱۵/- "
تاریخِ جماعتِ اسلامی	۶۰/- "
تحریکِ اسلامی کے مراحل	۱۰/- "
راہ و رسمِ منزل	۳/- "
تحریکِ مجاہدین کا انقلابی پہلو	۱۵/- "
قافلۂ سخت جاں	۲۱/- "
اسلام اور سوشلزم	۱۲/- "
دوش بدوش	۱۵/- "

سفرنامۂ ایران

سیّد اسعد گیلانی